QAR@URDUFA

بیس کیمپ

طارق اسمٰعیل ساگر

سیونتھ سکائی پبلشرز
اردو بازار لاہور

IQAR@UMDUFA

مقبوضہ کشمیر کی عظیم مجاہدہ فریدہ بہن جی کی عظمت
استقامت اور ناقابل فراموش قربانیوں کو یہ
حقیر کاوش بطور ''ہدیہ عقیدت'' نذر کرتا ہوں

یہ کلی بھی اسی گلستان خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی

مری سے مظفر آباد میں پہلی مرتبہ نہیں جا رہا تھا۔ لیکن یہ سفر اتنا لمبا ہو جائے گا، اس کا اندازہ مجھے نہیں تھا۔ لاہور سے روانگی پر ہی یوں تو موسم نے اپنے تیور دکھانے شروع کر دیئے تھے لیکن اسلام آباد پہنچنے تک بارش طوفانی صورت اختیار کر گئی تھی۔ امید تو یہی تھی کہ معمول کے مطابق اب جہاز کا پائلٹ اعلان کرے گا کہ موسمی خرابی کی وجہ سے ہم اسلام آباد لینڈ نہیں کر سکتے اور واپس لاہور جا رہے ہیں۔ اس پر معذرت کی جائے گی اور ہم لوٹ کے بدھو گھر کو آئے کے مصداق اگلے ایک گھنٹے بعد پھر لاہور میں موجود ہوں گے لیکن حیرت انگیز طور پر ایسا نہ ہوا.....

بہت بہادر اور تجربہ کار پائلٹ تھا یا پھر اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے ہمسفر کچھ صحافی حضرات بھی ہیں اور اس نے واپس پلٹنا اپنی شان مردانگی کے خلاف جانتے ہوئے جہاز کو بحفاظت اسلام آباد ایئرپورٹ پر لینڈ کروایا..... جہاز کی سیڑھیوں سے اترتے ہی برفیلی ہوا کے تھپیڑوں نے ہمارا استقبال کیا اور ایئرپورٹ بلڈنگ میں داخل ہونے تک کم از کم میری تو قلفی جم گئی۔

میرے ساتھی تو رات یہاں گزارنے کے بعد ہی اگلے سفر پر روانگی کا پروگرام بنا رہے تھے لیکن میں نے انہیں مری اور مری سے مظفر آباد تک شام ڈھلنے کے بعد کے سفر سے متعلق ایسی منظر کشی کی کہ سب تیار ہو گئے۔

ہم نے مغرب کی نماز مری میں ادا کی اور ابھی بمشکل دس بارہ کلومیٹر سفر طے کیا تھا کہ بارش نے آلیا..... ہماری کوچ نے رینگتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا تو لینڈ سلائیڈ (Land Slide) نے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ خدا خدا کر کے راستہ بنا اور ہم قریباً فجر کے وقت مظفر آباد پہنچے۔ میرے ساتھی تو گھوڑے بیچ کر سو رہے لیکن مجھے نیند نہ آئی۔ رہ رہ کر عابد کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آتا جو کچھ روز پہلے کشمیر واپس آتے ہوئے بھارتی فوج کے ساتھ ایک جھڑپ میں شہید ہو گیا تھا۔ عابد سے میرا تعلق ایک ناول نگار

اور قاری سے بڑھ کر ایک بھائی جیسا ہو چکا تھا۔ وہ ایم اے کا طالب علم تھا اور میرا دیرینہ قاری..... میری کتابوں نے اس کے جذبہ جہاد کو مہمیز دی اور ایک روز وہ راہ شہادت پر گامزن ہو گیا.....

میری جی چاہتا تھا کہ اس کے ساتھیوں سے ملوں اور اس کے متعلق پوچھوں کہ آخری لمحات میں اس نے کسے یاد کیا؟ وہ کیا سوچ رہا تھا؟ اس نے راہ جہاد میں کیا کیا الم اٹھائے تھے؟ کیسے شہید ہوا؟ کہاں اور کتنی گولیاں لگیں؟ کیونکہ عابد چھ فٹ کا لمبا تڑنگا جوان، جس کی چھاتی کی پیمائش کرنے پر فیتہ کم پڑتا دکھائی دے، وہ بھارتی فوج کی دو چار گولیوں سے کیسے شہید ہو گیا؟ بس یہ کچھ جاننے میں یہاں آیا تھا۔ صحافیوں کی جس ٹیم کے ساتھ میں یہاں آیا تھا، وہ مظفر آباد کے سیاسی جلسے کی کوریج کرنے آئی تھی اور میں صبح ان کے نیند سے بیدار ہونے سے پہلے ہی کمانڈر الیاس کے ساتھ ان کے کیمپ کی طرف عازم سفر تھا۔

ہمیں کیمپ پہنچنے میں چار گھنٹے لگ گئے جس میں ایک گھنٹے کا پیدل سفر بھی شامل تھا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ عابد کے ساتھی آج کے بجائے پانچ روز بعد پہنچیں گے کیونکہ صورتحال خلاف توقع تبدیل ہو گئی تھی۔

میں چونکہ مجاہدین کے ان کیمپوں میں آتا جاتا رہتا ہوں اس لئے میرے لئے یہ کوئی بڑی خبر نہیں تھی۔ کیمپ میں میری آمد کی خبر سن کر مجاہد وہاں جمع ہونے لگے۔ وہ بڑی محبت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اچانک ہی میری نظر ایک پانچ چھ سالہ لڑکے پر پڑی جس نے کلاشنکوف اٹھا رکھی تھی۔ میں چونکا۔ اس بچے کا مجاہدین کے کیمپ میں کیا کام؟

"کون ہے یہ بچہ؟"

میں نے اشتیاق ظاہر کیا۔

"یہ اسامہ ہے....." "علوی بھائی کا بیٹا..... اس کا زیادہ وقت اس کیمپ میں ہی گزرتا ہے۔

ایک مجاہد نے تعارف کروایا۔

میں نے بچے کو اپنے پاس بلا کر پیار کیا اور اس کا نام دریافت کیا تو اس نے اپنے عزائم بھی ساتھ ہی ظاہر کرنے شروع کر دیئے۔ یوں دکھائی پڑتا تھا جیسے اس کی تربیت کسی خاص مقصد کے لئے کی جا رہی تھی.....

"آپ ساگر صاحب ہیں؟"

اچانک ہی ایک آواز نے پشت سے مجھے چونکا دیا۔ میں نے گردن گھمائی تو ایک روشن ضمیر نورانی

صورت دکھائی پڑی۔ خدا جانے اس کی آنکھوں سے کیا نور پھوٹ رہا تھا کہ مجھے اپنی قلبی تبدیلی کا ادراک ہونے لگا۔

"جی ہاں....." میں نے مختصر جواب دیا۔

یہ سننا تھا کہ وہ السلام علیکم کہہ کر مجھ سے بغلگیر ہو گئے۔ تعارف پر علم ہوا کہ وہ میری کتابیں پڑھتے ہیں اور پسند بھی کرتے ہیں۔

"میرا نام اسد علوی ہے اور یہ میرا بیٹا اسامہ۔"

انہوں نے اپنا اور اپنے بیٹے کا تعارف کروایا۔

خدا جانے ان کی شخصیت میں کیا جادو سمایا تھا کہ میں اگلے چند گھنٹوں میں اس کا اسیر ہوتا چلا گیا۔ کسی بھارتی مجاہد سے یہ میری پہلی ملاقات نہیں تھی لیکن علوی بھائی سے الگ ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ مجھے یہیں معلوم پڑا کہ وہ مجاہدین میں ایک بہادر کمانڈر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں اور ہر مجاہد ان کے کارناموں کی وجہ سے ان کا گرویدہ ہے۔

میں نے وہ رات مجاہدین کے کیمپ میں اسد علوی بھائی کے خیمے میں گزاری اور ان کی داستان سنی۔ معلوم ہوا وہ دہلی یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں۔ انہوں نے میرے اصرار پر ماضی کے اسرار سے پردہ ہٹاتے ہوئے بتایا کہ ایک مرتبہ دوران تعلیم ان کے کالج کو مقبوضہ کشمیر کے تفریحی ٹرپ پر جانے کا موقع ملا۔ اسد علوی بزنس مین کے صاحبزادے تھے اور بھارت کا چپہ چپہ گھوم چکے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"میں نے کشمیر نہیں دیکھا تھا۔ اسے اتفاق ہی سمجھو کہ بزنس کے حوالے سے بھی میں کبھی کشمیر نہیں گیا تھا۔ البتہ دو تین مرتبہ پنجاب جانے کا اتفاق ضرور ہوا تھا۔ اس روز مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے بھی اپنا نام لکھوا دیا۔ کالج کے چالیس لڑکے اور لڑکیاں سری نگر جا رہے تھے۔ دہلی سے پٹھانکوٹ اور پھر وہاں سے جموں اور ادھم پور تک ہم نے ریل کے ذریعے سفر طے کیا۔ تمام راستے ہم ہلا گلا کرتے رہے۔

ادھم پور سے آگے ہمیں بس کے ذریعے سفر کرنا تھا۔ کیونکہ یہاں ریلوے لائن ختم ہو جاتی ہے۔ ہمارے لئے کالج انتظامیہ نے الگ بس کا بندوبست کیا تھا لیکن عین موقع پر علم ہوا کہ وہ بس خراب ہو گئی ہے اور اگلے دو روز تک ٹھیک ہو گی۔ چونکہ وہ پہاڑی علاقہ ہے اور چڑھائی کا سفر ہے، اس لئے بس میں ہونے والی معمولی سی خرابی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس بس کا بھی شاید کوئی ایسا تکنیکی مسئلہ آن پڑا تھا۔ سب نے مل کے طے کیا کہ دو دن ادھم پور میں ضائع کرنے کی بجائے کیوں نہ ہم عام مسافروں کے ساتھ ہی سفر کر لیں کیونکہ ہمارا یہ تفریحی ٹور صرف دس روزہ تھا اور کشمیر کو دس روز میں مکمل دیکھا نہیں جا

WWW.PAKSOCIETY.COM

سکتا۔ ہم نے روانگی سے پہلے کشمیر سے متعلق لٹریچر پڑھا اس سے اندازہ ہوا جیسے ہم کسی دوسرے سیارے پر جا رہے ہیں۔

اس سیاحتی لٹریچر نے ہمارا اشتیاق بہت بڑھا دیا تھا اور ہم چاہتے تھے کہ کون سی گھڑی ہو جب ہم سب اڑ کر سری نگر پہنچ جائیں۔ کشمیر کے جنت نظیر ہونے کا ثبوت تو ہمیں جموں سے روانہ ہونے کے فوراً بعد ہی مل گیا تھا۔ میں نے بھارت کا کونہ کونہ نہ دیکھا ہے لیکن اسے مبالغہ نہ جاننا کہ کشمیر بھارت ہی کیا، شاید دنیا کی حسین ترین وادی ہے۔

ہم عام مسافر کوچ سے روانہ ہوئے۔ ہماری بس میں ہمارے علاوہ کچھ کشمیری تھے جو شاید سری نگر کے رہنے والے ہوں گے۔ بے چارے بہت غریب دکھائی دیتے تھے۔ ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے اور خواتین بھی تھیں۔ یہ دراصل وہ لوگ تھے جو محنت مزدوری کرنے جموں آیا کرتے تھے اور دو تین ماہ کا دال دلیہ ملنے کے بعد سری نگر واپس چلے جاتے تھے۔

اخبارات کے ذریعے یہ اطلاعات تو ہم تک پہنچتی رہتی تھیں کہ کشمیر میں تحریک آزادی شروع ہو چکی ہے اور وہاں ایک بغاوت کی سی کیفیت طاری ہے لیکن ہم چونکہ یکطرفہ پروپیگنڈہ ہی سنتے آئے تھے اسی لئے یہ بات علم میں نہیں تھی کہ دہلی کا پریس جسے پاکستان کے ذریعے چلائی جانے والی دہشت گردی کی معمولی سی تحریک کہہ رہا ہے وہ دراصل جہاد آزادی ہے۔ ایسا جہاد آزادی جس کی مثال صرف قرون اولیٰ ہی میں دکھائی دیتی ہے۔"

گفتگو کے دوران اسد علوی کے چہرے کے تاثرات بار بار بدل رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے آپ میں نہیں ہے۔ اس کی باتیں تو سمجھ میں آتی تھیں لیکن اس کے جذبات کو سمجھنا کار دارد تھا۔

"میرے سامنے والی سیٹ پر سفید داڑھی اور سرخ سپید چہرے والے ایک بزرگ اور ایک نوجوان لڑکی بیٹھی تھی۔" اس نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بزرگ کے چہرے پر جو جلال میں نے دیکھا اور اس لڑکی کے چہرے پر نور کا جو ہالہ مجھے دکھائی دیا، اس نے میرے اندر ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔

یہاں دہلی میں نے ہم نے کیا نہیں دیکھا تھا؟ شہری اور دیہاتی حسن کے ایسے ایسے مظاہر دکھائی دیتے ہیں کہ انسان انگشت بدنداں رہ جائے۔ لیکن واللہ میں نے زندگی میں ایسی بزرگی اور ایسا حسن کہیں نہیں دیکھا تھا۔ اسے مبالغہ مت سمجھنا۔ میں پہلی نظر میں مبہوت سا ہو کر رہ گیا تھا۔ نہ لڑکی کے چہرے سے نظر ہٹتی تھی نہ بزرگ کے چہرے پر ٹکتی تھی۔ کسی سحر زدہ معمول کی طرح میں بار بار ٹکٹکی باندھے ان کی

طرف دیکھ رہا تھا۔ جب کبھی ان دونوں میں سے کسی کی نظریں مجھ سے ٹکراتیں، تو میں اپنی چوری پکڑی جانے کے احساس سے نگاہیں جھکا لیتا۔

کشمیر کے مرغزار، دریا، پہاڑ اور دلفریب نظارے ہمارے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ سورج کبھی پہاڑوں کے طویل سلسلے کے دائیں اور کبھی بائیں طرف دکھائی دینے لگتا۔ شاید شام ڈھلنے لگی تھی۔ پہاڑی سلسلوں پر پھیلے چناروں کی سبزی میں سورج کی لہورنگ کرنیں اٹھکیلیاں کرتیں تو عجیب سا احساس ہونے لگتا۔

میرا جی چاہ رہا تھا کہ ان بزرگ اور لڑکی سے گفتگو کروں لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی۔

ہمارے ساتھی ایک دوسرے سے اٹھکیلیاں کرتے آ رہے تھے اور میں گم صم اپنے خیالات کی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔

ہم بٹوٹ نامی قصبے کے پاس پہنچ چکے تھے۔ یہ قصبہ تو میں نہیں دیکھ پایا لیکن یہاں تھوڑی دیر کے قیام نے میری دنیا ہی بدل ڈالی۔

بٹوٹ جیسے جیسے نزدیک آ رہا تھا بس کے مسافروں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ جب کہ ہم سب نارمل تھے اور ہلکی مذاق میں مصروف تھے۔ باقی مسافر سکڑے سمٹے بیٹھے تھے، اس کی وجہ اگلے چند منٹ بعد سمجھ میں آ گئی جب ڈرائیور نے سڑک کے کنارے ایک قدرے وسیع بلڈنگ کے سامنے بس روک لی۔

ہمیں بتایا گیا کہ یہ پولیس چیک پوسٹ ہے جہاں تمام مسافروں کی چیکنگ ہوگی جس کے بعد ہی بس کو آگے جانے کی اجازت ملے گی۔

میں نے اس سے پہلے بھی یہ بات بطور خاص نوٹ کی تھی کہ جیسے ہی ہماری ٹرین جموں میں داخل ہوئی، کئی مشتبہ چہرے ہمارے ڈبے میں بھی دکھائی دیئے تھے۔ یہ سب دراصل خفیہ ایجنسیوں کے لوگ تھے جو کشمیر میں داخل ہونے والی ہر بے جان اور جاندار شے کو بڑے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

کسی اور نے تو ممکن ہے ان پر زیادہ توجہ نہ دی ہو لیکن نجانے کیوں مجھے ان لوگوں کا اس طرح مشتبہ نظروں سے اپنی طرف دیکھنا اچھا نہیں لگا۔ وہ بڑے عجیب و غریب لوگ تھے۔

ہمارے گروپ کے تقریباً ہر نوجوان سے انہوں نے اس کا نام ضرور پوچھا۔ میرے ساتھی شاید ان کا تمسخر اڑانے کے لئے اپنے نام غلط بتا رہے تھے۔ تین چار ہندو لڑکوں نے اپنا مسلمانوں والا بتایا تو وہ عجیب سے انداز میں سر ہلانے لگے۔

WAQAR@URDUPAN...

شاید انہیں جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ ہمارے مذاق کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے جلد ہی ہماری جان چھوڑ دی لیکن بٹوٹ میں جن سے ہمارا واسطہ پڑا، انہوں نے آسانی سے کسی کو بھی نہیں جانے دیا۔ وہ ہمارے گروپ انچارج پروفیسر شکلا سے بحث کرتے رہے کہ وہ اپنے ہر اسٹوڈنٹ کی شناخت کرائیں، لیکن شکلا صاحب نے اسے اپنی اور اسٹوڈنٹس کی توہین جانا اور ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

بڑے بحث مباحثے کے بعد انہوں نے فون پر اپنے افسر اعلیٰ سے شکلا صاحب کی بات کروائی تو ہماری جان چھوٹی۔ اب میرے ساتھ میرے باقی ساتھیوں کو بھی کم از کم اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم دہلی کے اخبارات میں کشمیر کے بارے میں جو کچھ پڑھ رہے ہیں، وہ کافی نہیں۔ بات اس سے بہت آگے جا چکی ہے۔

بٹوٹ پر باقی مسافروں کی جان شاید ہماری ہی وجہ سے جلدی چھوٹ گئی۔ بعد میں ہمیں اس بات کا علم ہوا کہ یہاں تلاشی لینے میں کم از کم دو تین گھنٹے ضرور لگتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کا طریقہ بڑا عجیب و غریب ہے۔ تمام مسافروں کو حکم ملتا ہے کہ اپنے سوٹ کیس وغیرہ کے تالے کھول کر سامان وہیں پڑا رہنے دیں اور خود نیچے اتر آئیں۔ جب مسافر نیچے اتر جاتے ہیں تو انہیں بھیڑوں کی طرح ہانک کر ایک طرف لے جایا جاتا ہے اور ان کی اس طرح تلاشی لی جاتی ہے جیسے وہ بہت خوفناک دہشت گرد ہیں۔ خواتین کے ساتھ یہ لوگ جان بوجھ کر زیادتی کرتے ہیں۔

میں نے دیکھا وہ خواتین کو الگ کمرے میں لے جاتے ہیں ایک دو لیڈی پولیس کانسٹیبل ضرور موجود ہوتی تھی لیکن بعد میں میرے علم میں یہ بات آئی کہ یہ عورتیں کم اور فاحشائیں زیادہ ہوتی ہیں اور وہ عموماً ہر لڑکی کو بلیک میل کرنے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔ وہاں کے معاملات دیکھ کر مجھے طیش آنے لگا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کشمیریوں کا سب سے بڑا جرم شاید ان کا مسلمان ہونا ہے کیونکہ میں نے بھارت کے کونے کونے میں سفر کیا ہے۔ آسام ایسے علاقے میں تو اکثر میرا بزنس کے سلسلے میں آنا جانا لگا رہتا تھا جہاں کئی علیحدگی پسند تحریکیں چل رہی ہیں۔ تم جانتے ہی ہو، یہاں سوائے ہندو برہمنوں کے اور کون سی جاتی یا دھرم کے لوگ حکومت سے مطمئن ہیں۔

آسام میں بھی میں نے پولیس والوں کے ہاتھوں عام شہریوں کی ذلت کے ایسے مناظر نہیں دیکھے تھے۔ بٹوٹ پہنچ کر مجھے شدت سے اپنے مسلمان کا احساس ہوا۔

ہم سب بس میں سوار ہو رہے تھے جب میری سیٹ کے سامنے بیٹھے بزرگ نے پوچھا۔

"کیا نام ہے بیٹا تمہارا؟"

انہوں نے اچانک ہی پوچھا تو نجانے میں کیوں گھبرا گیا۔ "جی اسد، اسد علوی۔"

میرے منہ سے یوں نکلا جیسے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔

"ہوں، تو مسلمان ہو الحمدللہ، شاید سیر کے لئے سری نگر جا رہے ہو؟" انہوں نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"جی اپنے کالج کی طرف سے!" میں نے مختصر جواب دیا۔

"پہلے بھی کشمیر دیکھا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں جناب، میں پہلی مرتبہ جا رہا ہوں۔ میں اب قدرے سنبھل گیا تھا۔

اس دوران وہ لڑکی بھی کنکھیوں سے کبھی کبھی میری طرف دیکھ لیتی تھی۔ اس نے کشمیری عورتوں کی طرح ڈھیلے ڈھالے سیاہ رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ جسم پر بڑی سی سیاہ چادر تھی اور اس نے اپنے بال اسکارف سے باندھ رکھے تھے۔

"یہاں تک آنے کے بعد کیا محسوس کرتے ہو؟" بزرگ نے اچانک ہی عجیب سا سوال کر دیا۔

میں نے غیر ارادی طور پر اس سوال کا جواب دینے سے پہلے اپنے ساتھی کملیش پر نظر ڈالی جو گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ شاید کچھ زیادہ ہی تھک گیا تھا۔ پہاڑی سلسلے کی چکر دار سڑکوں نے ہمیں بھی چکرا دیا تھا لیکن کملیش کچھ زیادہ ہی تھکن محسوس کر رہا تھا۔

پروفیسر شکلا جو اس سے پہلے بھی کالج کے ٹرپ وہاں لے جاتے رہے تھے، شاید پیش آنے والی صورت حال سے باخبر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے دہلی سے روانگی پر ہی مختلف قسم کی میڈیسن ساتھ رکھ لی تھیں۔ بٹوٹ پہنچنے پر جب کملیش کو تھکی ہوئی تو انہوں نے اسے کوئی ایسی گولی دے دی تھی جس سے اس کی طبیعت تو سنبھل گئی لیکن اس پر نیند نے غلبہ پا لیا تھا۔

"مجھے اچھا نہیں لگا۔" میں نے ہمت کر کے بزرگ سے کہا۔

"ابھی تو تم نے کچھ دیکھا ہی نہیں بیٹا، آگے آگے دیکھو گے تو شاید ہمارے جیسے بن جاؤ گے۔" انہوں نے بڑی عجیب سی بات کہہ دی۔

میں خاموش رہا۔ اس بات کا کیا جواب دیتا۔

اس وقت بس میں اپنے ساتھیوں میں سے شاید میں اکیلا جاگ رہا تھا۔ باقی لوگ یا تو سو رہے تھے یا پھر اپنے کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے واک مین سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سورج اب پہاڑیوں کے

WAQAR@URDUFANS

پیچھے چھپ گیا تھا جنہوں نے یک دم اندھیرے کی گہری چادر تان لی تھی۔ پہاڑی سلسلوں میں دور دور پھیلے دیہاتوں کے گھروں میں جلتی زرد رنگ کی روشنیاں بالکل جگنوؤں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔

کملیش کھڑکی کی طرف بیٹھا تھا۔ اس نے اونگھتے ہوئے اپنا سر میرے کندھے سے ٹکا دیا تھا۔ کبھی کبھی میں اس کے سر کے اوپر سے باہر کا منظر دیکھ لیتا اور کبھی چوری چوری بزرگ اور لڑکی پر نظر بھی ڈال لیتا۔

لڑکی کھڑکی کی طرف بیٹھی تھی اور مسلسل باہر دیکھ رہی تھی۔ جب بھی وہ اپنی گردن اس طرف گھماتی عموماً ہم دونوں کی نظریں ٹکرا جاتیں۔ جب سے اسے میرے مسلمان ہونے کا علم ہوا تھا، اس نے خلاف توقع میری طرف کچھ زیادہ ہی دیکھنا شروع کر دیا تھا، شاید دل ہی دل میں ہنس رہی ہوگی کہ مسلمان ایسے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ جانے مجھے بزرگ کی یہ بات کیوں بہت پریشان کر رہی تھی جو انہوں نے کچھ دیر پہلے ہی مجھ سے کہا تھا کہ مزید آگے دیکھو گے تو شاید ہمارے جیسے بن جاؤ گے۔

❁❁

بس اچانک ایک جھٹکے سے رکی تو اونگھتے ہوئے مسافر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔

"کیا ہوا؟"

"کیا بات ہے؟"

"اب کیا مصیبت آ گئی؟"

مختلف آوازیں یکے بعد دیگرے بلند ہوئیں۔

"آرمی والوں نے ایمرجنسی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ ہمیں یہاں رکنا پڑے گا۔ آپ لوگ ازراہ مہربانی نیچے اترنے کی تیاری کر لیں۔"

ڈرائیور نے بلند آواز میں کہا۔ وہ شاید کوئی مسلمان کشمیری تھا۔

"او مائی گاڈ، شکلا صاحب ہم یہاں تفریح کرنے آئے ہیں یا تفتیش کا ٹنے۔"

کملیش نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔ ایک تو اس کی طبیعت خراب تھی دوسرے بار بار تلاشی اور چیکنگ نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔

"سر! مجھے تو واپس ہی بھیج دیں۔" نیلما کی آواز بلند ہوئی۔

اس کے ساتھ ہی باقی لڑکیوں نے بھی غصے سے بڑبڑانا شروع کر دیا۔

"Calm Down، صبر کرو یار، کیوں گھبرا رہے ہو۔ اسے بھی Enjoy کرو۔ مائی ڈیئر، یہ

ایڈونچر تمہیں زندگی بھر یاد رہے گا۔" شکلا صاحب نیلم کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور دوسری لڑکیوں کو بھی نارمل کرنا چاہا۔

"Enjoy کریں، مائی فٹ۔" ارادھنا نے بھنا کر کہا، جواب تک خاموشی سے دانت پیس رہی تھی۔

ہمارا ہر ساتھی کچھ نہ کچھ بول کر اپنے غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ میں ان سب کی طرف متوجہ تو تھا لیکن خاموش تھا۔ میرے کان ان کی طرف اور آنکھیں بزرگ اور لڑکی کی طرف لگی تھیں جنہیں میں نے قدرے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے دیکھا تھا۔

مجھے یوں لگا جیسے وہ کچھ پریشان ہو گئے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ پھر خود ہی مجھے اس سوال کا جواب مل گیا۔ ظاہر یہ کوئی خوشگوار صورت حال نہیں تھی۔ وہ بہر حال کشمیری تھے، ہماری طرح دہلی کے طالب علم نہیں تھے جن کے لئے یہ سب ایڈونچر ہوتا۔

میں نے اندھیرے میں کھڑکی سے باہر جھانکا تو ٹارچوں کی روشنیاں بس کو ایک طرف جانے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ ٹارچ بردار فوجی تھے۔ اس کا اندازہ میں نے ان کی حرکات اور ان کے سروں پر بندھے ہوئے کالے رنگ کے بڑے بڑے رومالوں سے لگایا جو اس اندھیرے ہی کا ایک حصہ دکھائی دے رہے تھے۔

جہاں ان لوگوں نے ناکہ لگایا تھا، یہ کوئی ہموار میدان نہیں بلکہ پیچیدہ پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ وہ جگہ ایسی تھی کہ بس رکنے کے بعد سڑک کا کچھ حصہ خالی بھی دکھائی دے رہا تھا۔ شاید یہاں پہاڑی کاٹ کر کچھ جگہ ہموار کی گئی تھی۔

بنوٹ کے برعکس یہاں یوں لگا جیسے ہم پر دہشت گردوں نے حملہ کر دیا ہو۔ بس رکتے ہی تین چار فوجی جوان اندر گھس آئے۔ بقیہ نے بس کو گھیرے میں لے لیا۔ ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی خودکار اور جدید ترین رائفلو پکڑ رکھی تھیں۔ مجھے بعد میں علم ہوا کہ انہیں اوزی گن کہتے ہیں۔

گنوں کا رخ ہماری طرف تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ابھی یہ فوجی فائرنگ کر دیں گے اور ہم سب ایک ایک کر کے بے موت مارے جائیں گے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس صورت حال سے میں بھی گھبرا گیا۔ باقی ساتھیوں کا کیا حال ہوگا، اس کا اندازہ بھی میں بخوبی لگا سکتا تھا۔

"دہلی کالج کے اسٹوڈنٹس نیچے آ جائیں۔" ایک کرخت چہرے والے فوجی نے جو شاید اس گروپ کا لیڈر تھا، بڑے درشت لہجے میں کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اللہ جانے اس کی آواز میں کیا تھا یا پھر یہ ہمارا نادیدہ خوف تھا۔ ایک لفظ اپنی زبان سے نکالے بغیر ہم سب ایک ایک کر کے چپ چاپ نیچے اترنے لگے۔ میں اب بھی بزرگ اور لڑکی کی طرف متوجہ تھا۔ یہ میرا واہمہ تھا جو بعد میں یقین بن گیا کہ بزرگ کشمیری نے کوئی چیز لڑکی کو دی تھی جسے اس نے اپنی بڑی سی چادر میں چھپا لیا تھا۔

ہم سب ایک قدرے ہموار جگہ اکٹھے کھڑے ہو گئے۔ پروفیسر شکلا بہت غصے میں دکھائی دے رہے تھے۔

''کیا بکواس ہے یہ؟'' ان سے رہا نہ گیا اور انہوں نے اپنے نزدیک کھڑے ایک کیپٹن سے کہا۔

کیپٹن نے بڑے عجیب سے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔ ''آپ کا شبھ نام؟'' اس نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے شکلا صاحب سے پوچھا۔ وہ نہ جانے کیوں ضبط کر گیا ورنہ شکلا صاحب کو اپنی بات کا جواب کسی اور ہی طرح ملتا کیونکہ ان لوگوں سے کسی بھی مہذب پن کی توقع عبث تھی۔

''پروفیسر اے۔ آر۔ شکلا۔'' شکلا صاحب کا غصہ برقرار تھا۔

''شاید آپ دہلی سے تشریف لا رہے ہیں؟'' کیپٹن نے پھر اسی انداز میں پوچھا۔

''جی ہاں، ہم نے شاید یہی گناہ کیا ہے۔'' اس کے نرم لہجے سے شکلا صاحب کا غصہ کم ہو گیا۔

''آپ خوش قسمت ہیں پروفیسر کہ میرا تعلق بھی دہلی سے ہے اور میں اسی یونیورسٹی سے فارغ ہوا ہوں۔ اگر آپ نے یہ بات کسی اور سے کی ہوتی تو آپ کو اپنے سوال کا بہت غیر متوقع جواب ملتا۔ پروفیسر صاحب! ہم یہاں ''اگروادیوں'' سے جوجھ (لڑ) رہے ہیں اگر اتنی سخت چیکنگ نہ کریں تو شاید.....'' اس نے غصے سے دانت پیستے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر شکلا صاحب کی طرف دیکھا۔

''آئی ایم سوری آفیسر!'' اگر ہمیں صورت حال کا اندازہ ہوتا تو شاید میں یہ ٹرپ لے کر ہی نہ آتا۔'' پروفیسر شکلا کے لئے اب نارمل ہونا ناگزیر تھا۔

ہم لوگ ایک طرف سکڑ سمٹ کر کھڑے ہو گئے اور ان کشمیریوں کا تماشا دیکھنے لگے جو کئی سالوں سے تماشا بنے ہوئے ہیں۔

اچانک ہی میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اب بزرگ کشمیری اور ان کے عقب میں وہی لڑکی نیچے اتر رہے تھے۔ فوجیوں نے ان سب کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا۔

اچانک ایک افسر آگے بڑھا اور اس نے قطار میں کھڑے بزرگ کا گریبان پکڑ کر اس طرح اپنی طرف کھینچا کہ وہ منہ کے بل زمین پر جا گرے۔

میرا دل دھک سے رہ گیا۔ نجانے کیوں مجھے شدید غصہ آ گیا۔

''کھڑے ہو جاؤ۔'' فوجی آفیسر نے غصے سے انہیں گھورتے ہوئے توہین آمیز لہجے میں کہا۔

باقی فوجیوں نے مظلوم کشمیری مسافروں کی طرف بندوقیں تان رکھی تھیں۔

بزرگ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' آفیسر نے انتہائی درشت لہجے میں پوچھا۔

''نام پوچھنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟'' اس بزرگ کے لہجے میں جلال تھا۔

آفیسر نے انہیں گندی سی ایک گالی دی اور کہا۔ ''کیا لگتا ہے تیرا کمانڈر شاہین۔''

''اپنی زبان کو لگام دو۔'' بزرگ کو شاید خوف چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔

''لیڈر بنتا ہے۔'' آفیسر نے انہیں گالیاں دیتے ہوئے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

میں مبہوت سا ہو کر ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بزرگ نہ صرف نڈر تھے بلکہ خوددار بھی تھے۔ نہ وہ گڑگڑائے، نہ اس افسر سے رحم کی بھیک مانگی۔

''کیا لگتا ہے کمانڈر شاہین تیرا؟'' افسر نے بزرگ کے ایک زوردار ٹھوکر رسید کرتے ہوئے پوچھا۔

جواب میں خاموشی طاری رہی۔

''سر! یہ ایسے نہیں بتائے گا۔'' مکروہ صورت والے ایک فوجی نے کہا اور آگے بڑھ کر ان کی کمر میں اپنی گن کا بٹ پوری قوت سے دے مارا۔

ضرب اتنی شدید تھی کہ تکلیف سے بزرگ کا چہرہ مسخ پڑ گیا اور وہ ایک طرف لڑھک گئے۔

''اے لڑکی ہاتھ باہر نکال!'' اچانک آفیسر نے اسی لڑکی کو مخاطب کیا۔ شاید اس نے کچھ بھانپ لیا تھا۔

لڑکی نے ہاتھ باہر نکال لئے۔ میں بری طرح چونک اٹھا۔ اس کے ہاتھ میں دستی بم تھا۔

''اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو کتے کی مات مارے جاؤ گے۔'' لڑکی نے قہرناک آواز میں اسے للکارا۔

اس کی آواز میں بجلی کی سی کڑک تھی۔ میں اور میرے ساتھی تو سہم گئے تھے، فوجیوں کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

''پیچھے ہٹو۔'' اس نے آفیسر کو بری طرح ڈانٹ دیا۔

وہ سورما جو نہتے بزرگ کو ٹھوکریں مار رہے تھے، فوراً ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"دیکھو، پاگل مت بنو لڑکی....." آفیسر نے کچھ کہنا چاہا۔

"بکواس بند کرو۔" لڑکی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو تم میں سے کم از کم آدھے ضرور میرے ساتھ مریں گے۔"

ممکن ہے وہ فوجی بہت بہادر رہے ہوں، لیکن انہیں علم تھا کہ جونہی ان میں سے کسی نے اس پر حملہ کیا لڑکی بم کی پن نکال لے گی۔ بم پھٹ جائے گا اور وہ مرنا نہیں چاہتے تھے۔

میرے کچھ ساتھی تو خوف سے کپکپا رہے تھے۔ میں کملیش کے بارے میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اگر یہی صورت حال کچھ دیر اور برقرار رہتی تو شاید وہ غش کھا کر گر پڑتا۔ اس کی جسمانی حالت پہلے ہی اچھی نہیں تھی۔

"بابا سے الگ ہو جاؤ۔" لڑکی نے انہیں للکار کر کہا۔

"بزرگ کے نزدیک کھڑے فوجی اس طرح پیچھے ہٹے جیسے انہوں نے اچانک بجلی کے ننگے تاروں کو چھو لیا ہو۔

"اٹھو بابا!" لڑکی نے آگے بڑھ کر کہا۔

میں جوادھم پور سے یہاں تک اسے دیکھتا آیا تھا، میری حالت یہ تھی کہ اس وقت اس کے چہرے پر نگاہ نہیں ٹکتی تھی۔

"بیٹی، تم نکل جاؤ، میں چل نہیں پاؤں گا۔" بزرگ نے اٹھنے کی کوشش کی مگر پھر گر پڑے۔ شاید ان کی کمر کی ہڈی پر بہت زوردار ضرب لگی تھی۔

"اٹھو بابا ہمت کرو۔" لڑکی نے قدرے بے چینی سے کہا۔

بزرگ نے پھر اٹھنا چاہا، لیکن وہ کھڑے نہ ہو سکے۔

"بیٹی اللہ کے لئے میری بات مانو، تم نکل جاؤ۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب جنت میں ملاقات ہوگی۔"

بزرگ کی تکلیف کا اندازہ تو میں کر سکتا تھا کیونکہ ان کی عمر کا تقاضا..... پھر اس وحشی نے گن کے بٹ سے ان پر جو ضرب لگائی تھی اس نے انہیں بالکل لاچار کر دیا تھا۔

"بابا!" لڑکی نے ایسی بے بسی سے ان کی طرف دیکھا کہ میرا دل بھر آیا۔

"بیٹی میں تجھے حکم دیتا ہوں اپنی جان بچا کر نکل جا، اللہ تیری حفاظت کرے گا۔" پھر شاید ان پر غشی طاری ہو گئی۔

"دیکھ لیا تم لوگوں نے!" لڑکی نے غضب ناک آواز اور انداز میں اب ہماری طرف دیکھ کر کہنا

شروع کیا۔ "یہ ہے تمہاری بہادر سینا..... ایک نہتے بوڑھے پر ظلم کر کے یہ خود کو بہادر سمجھ رہے ہیں۔ ہاں ہمارا تعلق تحریک جہاد سے ہے۔ ہم اپنے وطن کی آزادی کے لئے آخری دم تک لڑیں گے۔ جب تم لوگ یہاں سے واپس جاؤ تو اپنے نیتاؤں کو بتا دینا کہ وہ اس سے دس گنا زیادہ فوج کے ساتھ بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ارے بزدلو! تم ہمیں موت سے ڈراتے ہو، ہم تو شہادت کو گلے لگانے کے لئے ہر لمحہ تیار رہتے ہیں۔"

اس وقت مجھے وہ کسی فلم کی ہیروئن دکھائی دے رہی تھی، کسی تاریخی فلم کی ہیروئن، وہ بے خوف و خطر سب کچھ کہے جا رہی تھی اور ہم سب سہمی ہوئی بھیڑوں کی طرح خوف زدہ اور رحم طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"اپنی گن میرے حوالے کرو۔" لڑکی نے ڈپٹ کر نزدیک کھڑے فوجی سے کہا۔

فوجی نے متذبذب انداز سے اپنے کیپٹن کی طرف دیکھا۔

شاید کیپٹن نے صورت حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے لڑکی کے احکامات پر عمل کرنے کا اشارہ دے دیا تھا۔

اس نے اپنی گن لڑکی کی طرف بڑھائی۔

"زمین پر رکھ کر پیچھے ہٹو۔" لڑکی اس سے زیادہ تربیت یافتہ دکھائی دے رہی تھی۔

اس نے اپنا پاؤں آگے بڑھا کر گن کو نزدیک کیا، پھر جھک کر گن اٹھائی۔ یہ سب کچھ پلک جھپکنے میں ہو گیا۔

اوزی گن کو اس نے کمانڈوز کے انداز میں اس طرح ایک ہاتھ میں پکڑ کر رکھا تھا جیسے ایک لمحے بعد فائر کر سکتی ہو۔ فوجی شاید ہم سے زیادہ صورت حال کو سمجھتے تھے۔ انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کا واسطہ کسی عام لڑکی سے نہیں۔ ایک کشمیری مجاہدہ سے ہے۔ جس کے لئے جان لے لینا یا جان دے دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کوئی مداخلت نہیں کی۔

"خبردار! اگر کسی نے ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی۔" اس کی آواز میں جانے کیا قہر چھپا تھا۔ مجھے تو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے کشمیری زبان میں کچھ باتیں بزرگ سے کیں جن کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ جواب میں نے بزرگ بھی کچھ کہا۔ وہ قدرے ہوش میں آ گئے تھے اور شاید اسے چلے جانے کا حکم دے رہے تھے۔

"ادھر آؤ۔" لڑکی نے ہمارے نزدیک کھڑے آفیسر کو للکار کر حکم دیا۔

WAQAR@URDUFANS

میں نے وہاں موجود معمولی سی روشنی میں آفیسر کے چہرے پر موت کی زردی پھیلتے دیکھی۔ اس نے بے بسی سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور ایک قدم آگے بڑھ گیا۔ شاید وہ ان لمحات میں اپنے ساتھیوں کے سامنے کسی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تم میرے ساتھ کچھ دور تک چلو گے۔ اگر کوئی چالاکی نہ دکھائی تو تمہاری زندگی کی ضمانت دی جا سکتی ہے ورنہ....." اس نے اپنی نامکمل چھوڑ دی۔

"سر!....." ایک نوجوان نے کچھ کہنا چاہا۔

"شٹ اپ!" لڑکی چیخ کر بولی۔ میں نے کہا تھا کہ تم میں سے کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلا تو....."

لڑکی کی ڈانٹ سے جوان سہم کر رہ گئے۔

"چلو۔" اس نے دہاڑتے ہوئے آفیسر کو حکم دیا جس نے اپنی گن وہیں پھینک دی اور اس کے آگے آگے چلنے لگا۔ سڑک کے موڑ تک ہم نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا، اس کے بعد وہ غائب ہو گئے۔

آفیسر پر کیا گزری؟ اس کا علم نہ ہو سکا۔

"آپ کو علم ہو گیا کہ ہم کیوں بار بار چیکنگ کرتے ہیں۔" ان کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی کیپٹن نے گھور کر پروفیسر شکلا کی طرف دیکھا جو ہماری طرح مبہوت کھڑے تھے۔ پندرہ بیس منٹ تک وہاں موت کا سناٹا طاری رہا۔ ہر فرد اپنی جگہ ساکت تھا۔

❁❁

تقریباً بیس منٹ بعد کیپٹن کے اشارے پر تمام فوجی ان نہتے کشمیریوں پر پل پڑے۔ بزرگ سمیت وہ تمام کشمیریوں کو وحشیانہ انداز میں پیٹ رہے تھے۔

ہم اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکتے تھے کہ ان میں سے شاید ہی کسی کی ہڈی پسلی سلامت رہی ہو گی۔ ان کی چیخوں سے کوہسار لرز رہے تھے۔

فوجیوں کی ٹھوکروں اور بندوقوں کے بٹ سے بچنے کے لئے کئی کشمیری ہمارے قدموں سے لپٹے جا رہے تھے کہ شاید ہم انہیں بچا سکیں۔

میرا کلیجہ کٹ کر رہ گیا۔ یہ نظارہ میرے لئے ناقابل برداشت ہونے لگا تھا لیکن میں خاموش کھڑا تھا۔

مجھے اس بات کا خوب اندازہ تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ میرے کسی ساتھی کے منہ سے ان کی حمایت میں کوئی لفظ نکل بھی جاتا تو ممکن ہے کہ اس کا نوٹس نہ لیا جاتا لیکن میرے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی مجھے معتوب بنا دیتا۔

تقریباً دس منٹ تک وحشیانہ مار پیٹ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں تمام کشمیری مسافر بے ہوش ہو چکے تھے۔ ان کے جسموں سے خون بہہ رہا تھا اور مسلسل چیخنے چلانے سے وہ نیم مردہ نظر آ رہے تھے۔

"ادھر آؤ۔" کیپٹن نے ایک کونے میں سکڑے سمٹے بس ڈرائیور اور کنڈیکٹر کو اپنے قریب بلایا۔

وہ دونوں مرے مرے قدموں سے کیپٹن کی طرف بڑھے۔ کیپٹن نے دونوں کے منہ پر ایک ایک تھپڑ رسید کیا تو باقی فوجیوں نے بھی اپنا اپنا حصہ ڈال دیا۔

شاید کسی مصلحت کے تحت ان کی جان بخشی ہو گئی اور وہ مصلحت ہمارے وجود تھے۔ یہ لوگ کم از کم ہمیں بخیر و عافیت سری نگر پہنچانا چاہتے تھے۔

"ان کا سامان باہر نکالو۔" کیپٹن نے کشمیریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈرائیور اور کنڈیکٹر کو حکم دیا۔

اس دوران میں انہوں نے نیم مردہ کشمیریوں کو ایک ٹرک میں بٹھانا شروع کر دیا تھا۔ پھر ان کا سامان بھی ان کے ساتھ ہی ٹرک میں پھینک دیا تھا۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے پانچ چھ جوان ٹرک پر چڑھ گئے۔ شاید وہ کشمیریوں کو ٹارچر سیل کی طرف لے گئے تھے جن کا گناہ صرف یہ تھا کہ وہ اس بس میں سفر کر رہے تھے جس میں وہ لڑکی اپنے بزرگ کے ساتھ موجود تھی۔

"آپ لوگوں کو جو زحمت ہوئی اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں، لیکن یہاں یہ سب کچھ معمول کی کارروائی ہے۔ میں نے اپنے جوانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کو ہماری طرف سے چائے پیش کریں گے اور اسی بس میں آپ کو بہ حفاظت سری نگر پہنچا دیں گے۔" کیپٹن نے ہمیں ایک طرف لگے بڑے ٹینٹ کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔

ہم میں سے کوئی اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پاتا تھا کہ ان کا شکریہ ادا کر سکے۔ سحر زدہ معمول کی طرح ہر فرد پروفیسر شکلا کے پیچھے پیچھے ٹینٹ کی طرف چل دیا۔

ٹینٹ خاصا بڑا تھا۔ وہاں بہت سے اسٹول پڑے تھے۔ ہم ان پر بیٹھ گئے۔ ابھی تک ہمارے

WAQAR@URDUPOINTS

دلوں پر ہیبت طاری تھی۔ ہم سہمے ہوئے کبھی کبھی کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ لیتے تھے۔ شاید ماحول کے تناؤ کم کرنے کے لئے کیپٹن مسلسل بول رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کو پریشانی ہوئی لیکن ہم مجبور ہیں۔ یہ لڑکی ایک بہت بڑے اگروادی کمانڈر شاہین کی بہن تھی اور وہ بوڑھا شاید ان کا باپ یا پھر کوئی اور عزیز تھا۔ ہم نے انٹیلی جنس رپورٹ پر کارروائی کی تھی۔ عام طور پر ہم اس طرح ناکہ نہیں لگاتے۔ افسوس کہ اس کے باوجود ہم اپنے مقصد میں ناکام رہے۔ بہت خطرناک لڑکی ہے یہ۔ بہر حال کب تک بچے گی، اگلے دو تین روز میں ہم اسے مار ڈالیں گے۔" اس نے بڑے یقین سے کہا۔

"آپ بالکل صحیح کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اسی سلوک کے مستحق ہیں۔" میرے عقب سے رویندر کی آواز آئی۔

سب نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ رویندر جین دہلی کے ایک متعصب ہندو گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ مسلم دشمنی میں اس کے خاندان نے خاصا نام کمایا تھا۔

"اور کیا۔" نیلما کماری نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

اس کے ساتھ ہی باقی لوگ بھی بادل نخواستہ ہی سہی، کشمیریوں کے ساتھ ہونے والی اس درندگی کو جائز قرار دینے لگے۔

"آپ نے دیکھا، کتنے چالاک لوگ ہیں۔ وہاں بنوٹ میں تلاشی کے باوجود اس لڑکی کے پاس ہینڈ گرنیڈ موجود تھا۔" کیپٹن کو ہماری گفتگو سے قدرے حوصلہ ملا تھا۔

اس دوران میں اس کے نوجوانوں نے ہمارے سامنے بڑے سی ایک میز پر چائے رکھنا شروع کر دی تھی۔

"آپ کو اسے مار دینا چاہئے تھا۔" رویندر نے چائے کا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

"ہمارے لئے یہ کچھ مشکل نہیں تھا لیکن ایک دہشت گرد مارنے کے لئے ہم کسی سویلین کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔" وہ اپنی بزدلی پر پردہ ڈالنے کے لئے ہمیں ڈھال بنا رہا تھا۔ گویا اگر ہم وہاں موجود نہ ہوتے تو وہ اپنی جانوں کی پرواہ کئے بغیر اسے مار ہی ڈالتے۔

ہم سب جانتے تھے وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ہم نے دیکھا تھا جب مجاہدہ بولتی تھی تو ان کے چہروں کا رنگ کیسے بدلتا تھا۔

ہتھیار کسی بھی سپاہی کے لئے اس کی عزت کا سمبل ہوتا ہے اور اس نے کس طرح دھمکی دے کر

ان کی ایک گن پر قبضہ کر لیا تھا۔

"بزدل۔" میرے دل نے ان کے لئے شدید نفرت کا اظہار کر دیا تھا لیکن میں خاموش رہا۔ فی الوقت ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ نجانے کیوں مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا تعلق ان لوگوں سے نہیں بلکہ ان مجبور کشمیریوں سے ہے جنہیں ان لوگوں نے مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا اور اب انہیں مزید مشق ستم کے لئے کسی ٹارچر کیمپ کی طرف لے گئے تھے۔ معلوم نہیں وہ بزرگ جنہوں نے مجھ سے دو چار باتیں کی تھیں، زندہ بھی تھے یا انہیں مار دیا گیا تھا۔

یہ اس کیپٹن کی چرب زبانی کا کمال تھا یا پھر انسانی فطرت کہ وہ ہر طرح کے ماحول سے جلد یا بدیر آخر کار مانوس ہو ہی جاتا ہے۔ بظاہر ہم بھی نارمل ہو گئے تھے۔

رات ایک پہر بیت چلی تھی جب ہم فوجی جوانوں کی حفاظت میں اسی بس میں عازم سری نگر تھے۔ میں نے جان بوجھ کر اپنی سیٹ تبدیل کر لی تھی۔ وہ سیٹ جس پر کچھ دیر پہلے زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھی، خالی دیکھ کر مجھے عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ کسی نے مجھے کشمیری بزرگ سے باتیں کرتے نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی ان فوجیوں نے ہمارے نام دریافت کئے تھے۔ عین ممکن تھا کہ وہ میرا نام سن کر شاید مجھے اس گروپ کے ساتھ جانے کی اجازت نہ دیتے کیونکہ اس گروپ میں صرف میں ہی مسلمان تھا۔ بہر حال جان بچی سو لاکھوں پائے کے مصداق اگلے روز صبح ہونے پر ہم سری نگر پہنچ گئے۔

❁❁

اسی دوران کملیش نے میرے ساتھ اور تو بہت سی باتیں کی تھیں لیکن یہ بات بطور خاص کہی تھی "یار علوی! لڑکی تھی ایک دم پٹاخہ، سالی نے ایک مرتبہ تو سب کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی تھی۔" افسوس میں اس کی ہاں میں ہاں بھی نہ ملا سکا۔

تم جانتے ہو۔ ہم شہر والے بڑے بڑے واقعات ہضم کر جاتے ہیں۔ اگلے روز شام تک ہم سب کچھ بھول گئے۔ مقامی حکومت نے یہ تاثر دینے کے لئے کہ اس شہر میں لاء اینڈ آرڈر کی صورت حال بالکل ٹھیک ہے، قدم قدم پر سخت حفاظتی اقدامات کئے ہوئے تھے۔

ہمارا قیام ایک شاندار سرکاری ریسٹ ہاؤس میں تھا۔ ہم یہاں حکومت کے مہمان تھے۔ مجھے بعد میں علم ہوا کہ حکومت نے بھارتی شہریوں کو یہ تاثر دینے کے لئے کہ یہاں سب اچھا ہے، ملک کے بہت سے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے یہاں تفریحی ٹرپ بھیجنے اور ان کی میزبانی کا باقاعدہ سرکاری اہتمام کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

رکھا تھا۔ یہ تو ان کی بدقسمتی تھی کہ ہمارے ساتھ یہ حادثہ پیش آ گیا، ورنہ تو انہوں نے صورت حال کو نارمل بنائے رکھنے کا مکمل اہتمام کر رکھا تھا۔

ہمارا قیام یہاں نسیم باغ کے پاس تھا۔ نسیم باغ جھیل ڈل کے کنارے حضرت بل کے پہلو میں واقع ہے۔ جس کے سامنے ڈل کے وسط میں ایک چھوٹا سا جزیرہ چار چنار واقع ہے۔ اس جزیرے کو چاروں طرف سے چناروں کے بلند قامت درختوں نے گھیر رکھا ہے۔ اس کے بالکل سامنے دوسرے کنارے پر عہد مغلیہ کے شاندار نشاط اور شالیمار باغ ہیں جن کو دیکھ کر کشمیر کے جنت نظیر ہونے کا یقین کرنا پڑتا ہے۔ انہی باغات کے عقب میں چشمہ شاہی بھی موجود ہے جس کے دامن میں مغلیہ طرز تعمیر کا شاہکار پری محل واقع ہے۔ رات کے اندھیرے میں جب یہ روشن ہوتا ہے تو بلاشبہ سری نگر کا سارا حسن یہاں سمٹ آتا ہے۔ یہ نظارہ قابل دید ہے۔

ہمیں نسیم باغ کے نزدیک جس ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا تھا اس کی حفاظت کے لئے کم از کم تین کلومیٹر کے علاقے میں چپے چپے پر سادہ لباس والے اور وردی پوش فوجی اور نیم فوجی دستے موجود تھے۔

صبح ہم سری نگر پہنچے تھے۔ کشمیریوں کا روایتی ناشتا کرنے کے بعد شام ڈھلے تک لمبی تان کر سوتے رہے کیونکہ دہلی سے یہاں تک کے مسلسل سفر اور اس کے دوران میں ہونے والے واقعات نے ہمیں واقعی تھکا مارا تھا۔

دوپہر ہونے پر پروفیسر شکلا نے ہمیں زبردستی نیند سے جگایا کیونکہ سری نگر ٹورازم کے افسران ہمیں لے جانے آئے تھے۔ ان لوگوں نے ہمارے لئے چار چنار میں خصوصی ڈنر کا بندوبست کیا تھا۔ سورج اپنی آخری کرنیں سری نگر کے مرغزاروں پر نچھاور کر رہا تھا جب ہم سب تیار ہو کر جھیل ڈل کی طرف جا رہے تھے۔

میں حیران تھا کہ یہ کیسا امن ہے جسے ثابت کرنے کے لئے ہمیں یہاں لایا گیا ہے، ہم سب ٹورسٹ ویگن میں سفر کر رہے تھے، اس کے آگے پیچھے، دائیں بائیں فوجی گاڑیاں ہماری حفاظت کے لئے موجود تھیں۔ اب میری سمجھ میں آ رہا تھا کہ یہ دورہ تفریحی سے زیادہ سیاسی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی یونیورسٹی اپنے اسٹوڈنٹس کو اس طرح جہنم میں جھونکنے کا تصور نہیں کیا کرتی۔ شاید خصوصی سرکاری ہدایات کے تحت اس دورے کا بندوبست کیا گیا تھا۔

ہم بے وقوف صرف کشمیر دیکھنے کے شوق میں یہاں چلے آئے تھے۔ مشکل تو یہ تھی کہ یہاں دس روز قیام کرنا بھی ضروری تھا کیونکہ جس بس کمپنی نے ہمیں واپس جموں پہنچانا تھا اس کی بکنگ ہم نے دہلی

ہی میں کرائی تھی اور یہاں اتنے بڑے گروپ کے لئے جلد بسوں وغیرہ کی بکنگ ممکن نہیں تھی۔ جہاز کے ذریعے ہم سفر نہیں کر سکتے تھے۔

سنگینوں کے سائے میں سفر کرتے ہوئے ہم جھیل ڈل کے کنارے پہنچ گئے۔ ہمیں جان بوجھ کر حضرت بل کی بجائے دوسرے راستے سے اس طرف لایا گیا تھا۔ شاید حضرت بل کی طرف اتنی حفاظت کے ساتھ جانے کا خطرہ بھی مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔

جھیل ڈل کی تصاویر اور بعض فلموں میں اس کے مناظر میں نے دہلی میں دیکھے تھے۔ لیکن اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ کر میں مبہوت رہ گیا۔ خدا کی پناہ، ایسا بلا خیز حسن کہ چشم نظارہ تاب نہ لا سکے۔

سورج کی رخصت ہوتی کرنوں نے چناروں میں گویا آگ لگا رکھی تھی۔ سامنے موجود پہاڑی منظر کے سلسلے کے پیچھے ڈوبتے سورج کا آتشیں گولہ ہماری نظروں کے سامنے موجود تھا۔

❁❁

جھیل ڈل کے کنارے پر پہلے ہی سے ہمارے لئے ایک بڑی لانچ موجود تھی جس کے دونوں کناروں پر فوج کے مسلح جوان موجود تھے۔ دو تین چھوٹی چھوٹی کشتیاں جوادھر ادھر دکھائی دے رہی تھیں، وہ بھی مشتبہ ہی دکھائی دیتی تھیں۔ اسی لانچ کے ذریعے ہمیں چار چنار پہنچایا گیا۔

جھیل ڈل کے عین دامن میں واقع اس خوبصورت جزیرے میں موجود ریسٹورنٹ آج بطور خاص آباد کیا گیا تھا لیکن کوئی عقل کا اندھا بھی اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں، یہ سب ڈرامے بازی ہے۔ ہمارے اردگرد موجود ریسٹورنٹ کی سیٹوں پر دو چار غیر ملکی چہرے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن زیادہ تعداد ان سرکاری اہلکاروں کی تھی جو یہاں ٹورسٹوں کا روپ دھارے موجود تھے۔

میں نے وہاں موجود ایک ایک شخص کو اپنی آنکھوں کے ذریعے تولا تب یہ اندازہ قائم کیا تھا لیکن کملیش نے بغیر کسی تردد کے مجھ سے کہا۔ ”علوی یار! مجھے تو یہ سارا گورکھ دھندہ ہی دکھائی دے رہا ہے۔ ہم کسی طلسم ہوشربا میں آ گئے ہیں۔ انہوں نے اس ریسٹورنٹ کو کسی فلم کے سیٹ میں تبدیل کر دیا ہے۔ ہمارے علاوہ باقی تمام ایکسٹرا دکھائی دے رہے ہیں۔“

کملیش نے یہ بات سرگوشی میں کہی تھی تاکہ ہماری میز سے آگے نہ جا سکے۔

میرا بھی اندازہ یہی تھا۔ لیکن میں یہ بات اس کی طرح کھل کر اس لئے نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں مسلمان تھا۔ گو کہ دہلی میں ہم نے اتنے فسادات دیکھے ہیں لیکن اپنے مسلمان ہونے پر اتنی بے بسی کا

WAQAR@UrduFans

احساس کبھی نہیں ہوا تھا جتنا یہاں آنے کے بعد ہونے لگا تھا۔

مجھے ہر دم یہ خوف دامن گیر رہتا تھا کہ کہیں یہ لوگ مجھے کسی الزام میں نہ دھر لیں

کملیش بہت سیکولر مزاج نوجوان تھا۔ یونیورسٹی میں بھی وہ کمیونسٹوں کے ساتھ ہی زیادہ وقت گزارتا تھا۔ پچھلے سال تو اس نے کمیونسٹ پارٹی کے اسٹوڈنٹس ونگ کی طرف سے یونیورسٹی کے الیکشن میں حصہ بھی لیا تھا۔ لیکن یہ الگ بات کہ وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

''تم کیوں گونگے بنے ہوئے ہو؟'' آخر کار کملیش نے میری چوری پکڑ ہی لی۔

''بس یار یوں ہی۔'' میں نے اسے ٹالنا چاہا۔

''علوی! کسے بے وقوف بنا رہے ہو۔ میں سب سمجھتا ہوں۔ بچہ نہیں ہوں۔'' اس نے قدرے چڑ کر کہا۔

''کمرے میں چل کر بات کریں گے۔'' میں نہیں چاہتا تھا کہ دوسرے لوگ ہماری طرف متوجہ ہوں۔

''جیسے تمہاری مرضی، لیکن یہاں بات کرنے سے بھی کوئی قیامت نہیں آنے والی۔ اگر تم مسلمان ہو تو میں بھی نام ہی کا ہندو ہوں۔'' اس نے میرا حوصلہ بڑھانا چاہا۔

ہم دونوں باتیں کر رہے تھے تبھی ویٹر اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ مجھے علم نہیں کہ وہ ویٹر ہی تھا یا پھر کوئی خفیہ ایجنسی والا۔ اب تو اپنے سائے سے بھی خوف آنے لگا تھا۔ میں اسے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ شاید کملیش نے میری یہ احتیاط نوٹ کر لی تھی۔

''بزدل کہیں کا۔'' اس نے ویٹر کے واپس مڑتے ہی مجھے طعنہ دیا۔

میں مسکرا دیا۔ سوائے اس کے اور کچھ میرے اختیار میں نہیں تھا۔

رات دیر گئے تک ہماری محفل جمی رہی۔ یہاں جھیل ڈل میں موجود چھوٹی چھوٹی ڈونگی نما کشتیوں کے ذریعے مہمانوں کی آمد و رفت بھی جاری رہی۔ ان میں کچھ سیاح بھی تھے لیکن زیادہ تعداد انٹیلی جنس کے لوگوں ہی کی تھی۔ ہمارے لئے بطور خاص وائن کا اہتمام کیا گیا تھا لیکن میں نے کبھی دہلی میں بھی اس کا تصور نہیں کیا تھا، یہاں کیسے کرتا۔

تقریباً آدھی رات کے بعد ہم اپنے ریسٹ ہاؤس آئے اور اپنے اپنے کمروں میں گھس گئے کیونکہ رات کو یہاں خنکی بہت بڑھ گئی تھی اور مجھے اچھی خاصی سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ کملیش میرے ساتھ تھا۔

میں نے اس بات پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ کملیش کو میرے ساتھ رکھا گیا ہے اور رویندر جین یا

اس جیسا کوئی اور ہوتا تو شاید میرے لئے بات کرنا ہی ممکن نہ رہتا۔

جب سے میں نے ٹورسٹ نقشے سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ہم یہاں حضرت بل کے نزدیک موجود ہیں، تب سے میرے دل میں بے اختیار یہ خواہش جنم لے رہی تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو میں حضرت بل کی زیارت کر لوں۔ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی تھی لیکن ابھی میں نے مارے خوف کے اس خواہش کا ذکر کملیش سے بھی نہیں کیا تھا۔ میرا دل کہتا تھا کہ آئندہ تین چار دنوں میں مجھے ایسا موقع ضرور مل جائے گا کیونکہ میں وہاں کسی کو بتائے بغیر جانا چاہتا تھا۔

اگلے روز وہ لوگ ہمیں نسیم باغ ہی کے دوسرے سرے پر موجود شیخ عبداللہ کی قبر پر لے گئے۔ یہاں ایک مقبرہ بنا ہوا تھا اور دور دور تک کسی ذی ہوش کا نام و نشان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہمیں یہاں کس لئے لایا گیا ہے۔ پھر مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ بھی پروپیگنڈے کا ایک حصہ ہے کہ حکومت اس شخص کو کشمیر کا محسن اور ہیرو بنانے پر تلی ہوئی تھی جسے سارا کشمیر غدار اور وطن فروش کہتا ہے۔

میں نے اپنی زندگی میں شاید ''مقبرہ'' نام کی یہ پہلی چیز دیکھی تھی جس پر بے پناہ لعنت برس رہی تھی۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ میں نے اس مقبرے پر فاتحہ پڑھنے کا رسمی تکلف بھی نہیں کیا۔ یہاں ہم نے سفید پوش اور سیاہ پوش بلیک کیٹس کی زیر نگرانی کچھ وقت گزارا اور جب طبیعت زیادہ ہی مکدر ہوئی تو واپس چل دیئے۔

اب ہمیں قافلے کی صورت کشمیر یونیورسٹی کیمپس لے جایا گیا۔ اس کیمپس کو ویران مقبرہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ فرق صرف یہ تھا کہ شیخ عبداللہ کے مقبرے پر نحوست برس رہی تھی اور یہاں اسٹوڈنٹس کی موجودگی کے باوجود ویرانی کا راج تھا۔ ہم نے کیمپس کی ویران سڑکوں اور کوریڈورز میں گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں ایک استقبالیہ قسم کا تکلف بھی موجود تھا۔ لیکن کسی اسٹوڈنٹ نے ہمیں منہ لگانے کا تکلف نہیں کیا۔ البتہ ہم نے یونیورسٹی کی دیواروں کو آزادی کے نعروں سے بھرا پایا۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ یہ نعرے تھوڑی دیر پہلے ہی لکھے گئے ہیں کیونکہ ہماری آمد کی اطلاع پر انتظامیہ نے تمام دیواروں پر لکھی تحریریں صاف کروا دی تھیں۔

❁❁❁

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہم اس وقت یونیورسٹی کے ایک ہال میں کشمیری قہوے کی پیالیاں ہاتھوں میں لئے پرنسپل کے ساتھ گپ شپ کر رہے تھے، جب اچانک ہال کے مین دروازے سے ایک طوفان بدتمیزی اندر گھس آیا۔ یہ تقریباً ساٹھ ستر طالب علم تھے جن میں لڑکیاں زیادہ تعداد میں تھیں۔ انہوں نے آتے آزادی کے نعرے لگانا شروع کر دیئے۔

ہمارے لئے یہ صورت حال بالکل خلاف توقع اور اچانک تھی۔ سب گھبرا گئے کیونکہ کیمپس کی حدود میں آرمی والے ہمارے ساتھ نہیں تھے۔

اچانک ان کے نعرے تھم گئے اور ایک کشمیری طالبہ اونچی سی میز پر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنے سر پر اسکارف باندھ رکھا تھا اور بڑی سی چادر میں سے صرف اس کی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ شاید ان کی لیڈر تھی۔ اس نے بلند آواز میں ہمیں بتانا شروع کیا کہ کشمیری مسلمانوں کے ساتھ بھارتی فوج کیا سلوک کر رہی ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ یونیورسٹی سال میں دس مہینے بند رہتی ہے اور یہاں فوج نے اپنی چھاؤنی بنا رکھی ہے۔ گزشتہ دو ماہ سے یونیورسٹی میں کچھ کلاسز صرف نمائش کے لئے لگائی جا رہی ہیں کیونکہ بھارتی حکومت انسانی حقوق کی تنظیموں کو مطمئن کرنے کے لئے دوسرے شہروں کی یونیورسٹیوں اور کالجوں سے مختلف وفود کو یہاں کے دورے کروا کر یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ یہاں سب اچھا ہے۔ لیکن یہاں سب اچھا نہیں ہے۔ اس نے ہماری انسانی غیرت کو للکارتے ہوئے کہا کہ ہم اسٹوڈنٹس ہونے کے ناطے بھارتی حکومت کی اس منافقت کا پردہ چاک کر دیں اور دہلی واپس جا کر اپنے ساتھیوں کو حقائق سے آگاہ کریں۔

اس تقریر سے ہال گونج رہا تھا۔ ہم سب سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ کیا مجال جو پرنسپل یا اسٹاف کا کوئی ممبر ایک لفظ بھی بول سکتا ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس ''سازش'' میں شامل ہیں اور یہاں جو

کچھ بھی ہو رہا ہے اسے ان لوگوں کی مکمل حمایت حاصل ہے۔

مجھے بعد میں علم ہوا کہ وہ کشمیری طالبہ جو کچھ کہہ رہی ہے، اسے واقعی ان سب لوگوں کی تائید حاصل تھی جو سرکاری ملازم ہونے کے ناطے کھل کر اپنے جذبات کا اظہار تو نہیں کر سکتے تھے البتہ خاموش رہ کر ان کا ساتھ ضرور دے رہے تھے۔

اللہ جانے یہ سلسلہ کب تک چلتا، ہماری پوزیشن تو محصورین کی سی ہو گئی تھی، اچانک باہر سے ایک سیٹی کی آواز سنائی دی۔ ہماری سمجھ تو میں تو اس سیٹی کا مطلب نہ آیا مگر وہ لوگ خوب سمجھتے تھے۔ یہ ان لوگوں کا سگنل تھا۔ سیٹی کی آواز سنتے ہی وہ باہر کی طرف بھاگے۔ شاید انہیں پولیس کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی۔

ان کے ہال سے نکلنے کے بمشکل تین چار منٹ بعد ہی بی ایس ایف اور سی آر پی کے ٹرکوں پر سوار جوانوں نے ہمیں اپنے محاصرے میں لے لیا۔ میں حیران ہو کر رہ گیا جب انہوں نے بغیر کسی وجہ کے ہال کے باہر ہوائی فائرنگ شروع کر دی حالانکہ وہاں کوئی چڑیا کا بچہ بھی موجود نہیں تھا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' سہمی اور گھبرائی ہوئی سدرشنا نے چلا کر پوچھا۔

''اپنی مردانگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں ہمارے ویر جوان!'' کملیش نے کہا۔

ہم چونک کر اس کو دیکھنے لگے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' شاید رویندر جین کو اس کی بات پر غصہ آ گیا تھا۔

''میرا مطلب تم اچھی طرح سمجھتے ہو اور ہاں شکلا صاحب، کیا آپ یہ سب تماشا دکھانے ہمیں یہاں لائے ہیں؟'' کملیش کے اندر انقلابی جاگ اٹھا۔ وہ رویندر جین کو جواب دے پروفیسر شکلا سے مخاطب ہوا۔

''آئی ایم ویری سوری!'' پروفیسر شکلا نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''کمال کرتے ہیں سر آپ!'' رویندر جین بولا۔

''تمہارا کمال تو ہم نے دیکھ لیا ہے۔ اب کسی اور کو بھی دکھانے دو۔'' کملیش نے غصے سے کہا۔

مجھے ڈر تھا کہیں یہ دونوں آپس میں لڑنے نہ لگیں، کوئی بدمزگی نہ ہو جائے۔ میں کملیش کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔

دوسرے اسٹوڈنٹس نے بھی صورتحال کو مزید بگڑنے سے بچانے کے لئے یہی عمل رویندر جین کے ساتھ کیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''چھوڑیئے سر! سرکار تو ہم دلی میں چھوڑ آئے ہیں۔ یہاں کی سرکار وہ نہیں۔ اب تو سب نے دیکھ ہی لیا ہے۔ یوں بھی ہم یہاں سیر و تفریح کے لئے آ رہے ہیں۔ ممکن ہے ہم گروپ کی شکل میں غیر محفوظ ہوں۔ پلیز ہمیں اپنی مرضی سے انجوائے کرنے دیجئے۔'' اس نے پروفیسر شکلا کی بات کاٹ دی۔

پروفیسر شکلا کو کملیش کی طبیعت اور مزاج کا بخوبی اندازہ تھا۔ یوں بھی شاید وہ یہ نہیں چاہتے ہوں گے کہ ہم اس ٹرپ سے متعلق کوئی غلط تاثر قائم کریں یا خود کو قیدی سمجھنے لگیں۔

انہوں نے بادل نخواستہ ہمیں اجازت دے دی۔ ''ٹھیک ہے لیکن اپنا خیال رکھنا، بہر حال تمہاری ذمہ داری مجھ پر ہے۔'' انہوں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو سر! تھینک یو۔'' کملیش نے بڑے پر جوش لہجے میں کہا۔

''ہم دونوں تھوڑی دیر بعد ہی حضرت بل کے لئے رخت سفر باندھ رہے تھے۔ اس وقت میری حالت بہت عجیب تھی۔ آقائے نامدار ﷺ کے موئے مبارک کی زیارت کس مسلمان کی خواہش نہیں رہی ہوگی۔ لیکن حالات کا جو نظارہ گزشتہ تین چار روز سے ہم نے کیا تھا، اس نے مجھے قدرے پریشان بھی کیا تھا۔

''پیدل چلیں گے۔'' کملیش نے باہر نکلتے ہی اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''ایمانداری کی بات تو یہ تھی کہ میں نے اسے میر کارواں بنا لیا تھا۔ کچھ بھی ہو اس مبارک سفر کا محرک تو اس کی ذات ہی بنی تھی۔

❁❁

کملیش بڑا ذہین ثابت ہوا۔ اس نے یہاں ریسٹ ہاؤس ہی میں سارا راستہ سمجھ لیا تھا۔ شہر باگ سے حضرت بل کا سفر اس نے یوں طے کیا جیسے ہم سری نگر کی بجائے دہلی کے کسی بازار میں گھوم رہے ہوں۔

حضرت بل سے کچھ فاصلہ پر ہی ٹریفک جام ہو چکی تھی۔ اس کی وجہ کوئی غیر معمولی نہیں بلکہ معمول کی تلاشی اور نگرانی تھی۔ بھارتی فوجی جب چاہتے جہاں چاہتے ساری ٹریفک روک کر گاڑیوں میں سوار اور پیدل ایک ایک کشمیری کی جامہ تلاشی شروع کر دیتے۔ اس جامہ تلاشی میں اگر کوئی معمولی سا بھی مشتبہ ثابت ہوتا تو اسے بغیر وجہ بتائے آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جاتے اور اس کے لواحقین کو عموماً ڈیڑھ دو ماہ بعد اس کی مسخ شدہ لاش ہی دیکھنے کو ملتی تھی۔ بہت کم ایسے خوش قسمت تھے جن کے لواحقین کو ان کے پیارے زخمی حالت میں کسی اسپتال یا کسی جیل میں ہونے کی اطلاع کچھ عرصہ بعد ملا کرتی تھی۔ یہ یہاں کی نارمل پریکٹس تھی۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ انہوں نے ہم دونوں کو چیک نہیں کیا۔ صرف ہماری شناخت دیکھی تھی شاید ہمیں ٹورسٹ سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہو۔

ہم اب حضرت بل کے باہر کھڑے تھے جب اچانک ہی شور و غل اور نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ یہ ''دختران ملت'' کا جلوس تھا جو اس طرف آ رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ جلدی سے اندر داخل ہو جاؤں اور موئے مبارک کی زیارت کے بعد اپنا راستہ ناپوں لیکن یہاں پھر کملیش میرے آڑے آیا۔

''یار ہم کوئی دودھ پیتے بچے ہیں کہ گود میں اٹھا لئے جائیں گے۔ مجھے بھی دیکھنے دو۔ آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ ان کا دماغ تو خراب نہیں ہوا کہ یوں فوج کی گولیوں کے سامنے اپنا سینہ تان کر کھڑے ہیں۔''

اس کا لیکچر جاری ہی تھا جب جلوس کا پہلا حصہ یہاں تک پہنچ گیا۔ جلوس بڑے منظم انداز میں یہاں تک پہنچا تھا۔ ہم حضرت بل کے مین گیٹ کے سامنے اپنے جوتے اتار کر سنبھال رہے تھے جب اچانک ہی بھگدڑ مچ گئی۔ فضا فائرنگ کی آوازوں سے گونجنے لگی۔ گولیاں چل رہی تھیں لیکن گولیاں چلانے والے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

''مروا دیا نا یار۔'' اچانک ہی میرے منہ سے نکلا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔'' یہ کہہ کر کملیش میرے بازو پکڑ کر ایک طرف چلنے لگا۔

اس اثناء میں کچھ خواتین بھاگ کر اندر آتی دکھائی دیں۔ وہ سب آپس میں کشمیری زبان بول رہی تھیں۔

ہمارے پلے کچھ نہیں پڑا۔ لیکن ایک بات بہر حال سمجھ میں آ گئی کہ ان میں سے ایک لڑکی دوسروں کو ہدایات جاری کر رہی تھی اور باقی اس پر عمل کر رہی تھیں۔

ہم اب حضرت بل کے اندر داخل ہو چکے تھے جب اچانک کچھ مسلح افراد فائرنگ کرتے ہوئے اندر آ گئے۔

میں تو سہم کر رہ گیا لیکن میری توقعات کے برعکس یہاں موجود زائرین نے انہیں دیکھ کر نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

ہم حیرانی سے کبھی ان کی طرف اور کبھی ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

دوسرے ہی لمحے ہم پر یہ انکشاف ہوا کہ یہ مجاہدین ہیں اور یہ لوگ انہیں دیکھ کر استقبالیہ انداز میں آزادی کے نعرے لگا رہے ہیں۔

WAQAR@UrduPoint.com

اس اثناء میں جولڑ کی اپنی ساتھیوں کو ہدایات دے رہی تھی، اچانک ہی ہماری طرف مڑی اور میں مبہوت ہو گیا۔ یہ تو وہی مجاہدہ تھی جس نے میرے ساتھ سفر کیا تھا۔

اس نے میری طرف غور سے دیکھا۔ ہم دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرائیں۔ شناسائی کی جھلک اس کی آنکھوں میں بڑی واضح دکھائی دی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی اور اس سے پہلے کہ میری گنگ زبان میں زندگی پیدا ہو، جس طرح تیزی سے وہ ہماری طرف آئی تھی اس طرح دوسری طرف نکل گئی۔

کملیش مجاہدین کی طرف متوجہ تھا۔ شاید اس نے یہ منظر نہیں دیکھا تھا۔ مجھے جیسے سکتہ سا ہو گیا۔ میں اس لڑکی کو آواز دینا چاہتا تھا۔ لیکن اس کا نام کیا ہے؟ کیا کہہ کر پکاروں؟ ابھی میں یہ فیصلہ ہی نہیں کر پایا تھا جب وہ ہجوم میں غائب ہو گئی۔

''کہاں پہنچ گئے ہو علوی؟ کہیں حواس باختہ تو نہیں ہو گئے؟'' کملیش نے مجھے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا تو میں خیالات کی دنیا سے لوٹ آیا۔

''اب نکل چلیں، کوئی لمبا پھڈا نہ ہو جائے۔'' میں نے اس سے کہا اور مین گیٹ کی طرف بڑھنا چاہا لیکن سامنے سے آنے اولوں نے ہمیں پیچھے دھکیل دیا۔

''کوئی باہر نہیں جائے گا، اندر چلو، اندر چلو۔'' کسی نے چلا کر اردو پھر کشمیری زبان میں کہا اور ہماری آنکھوں کے سامنے انہوں نے باہر جانے والے گیٹ کو بند کر دیا۔ اب ہم اندر محصور ہو چکے تھے۔

گھبراہٹ میں میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ شاید کملیش کی حالت بھی کچھ بہتر نہیں تھی۔ واقعات اس تیزی سے وقوع پذیر ہو رہے تھے کہ میں بوکھلا گیا۔

میں نے چاروں طرف دیکھا۔ مرد، عورتیں، بچے ہر طرف دکھائی دے رہے تھے لیکن وہ لڑکی غائب تھی۔

کہاں گئی وہ؟

یہاں کیا کر رہی ہے؟

کون ہے یہ؟

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا جب ایک گن بردار ہماری طرف بڑھا۔

❁❁

''کیا نام ہے آپ کا؟'' اس نے شاید میرا گندمی رنگ دیکھ کر میری شناخت چاہی۔

''اسد۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اور یہ میرے دوست ہیں، ہم دہلی سے آئے ہیں۔'' میں نے

مزید سوالات سے بچنے کے لئے اسے قدرے طویل جواب دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کملیش کے بارے میں کچھ پوچھے۔

''آپ ادھر آ جائیں۔'' اس نے ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

کملیش شاید میرا مطلب سمجھ گیا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی چل رہا تھا لیکن خلاف توقع بالکل پرسکون تھا۔ جیسے اس کے لئے یہ سب معمول کی کارروائی ہو۔

اس کے برعکس میں قدرے گھبرایا ہوا تھا، سچی بات تو یہ ہے کہ میں اب کچھ سوچنے سمجھنے کے لائق ہی نہیں رہا تھا، اچانک لڑکی کا دکھائی دینا اور پھر اس صورت حال میں پھنسنا..... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ مجھے اس وقت سب سے زیادہ اپنی جان بچانے کی فکر ہونی چاہئے تھے لیکن حیرت انگیز طور پر میں اس وقت صرف اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ خدا جانے وہ کہاں غائب ہو گئی؟

ایک بات طے تھی کہ وہ ابھی تک حضرت بل کے اندر ہی موجود ہے کیونکہ اب باہر جانے کے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔ اندر سے مجاہدین نے دروازے بند کر دیئے تھے اور پوری عمارت کو باہر سے بھارتی سکیورٹی فورسز نے گھیر لیا تھا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ افراتفری میں نکل گئی ہو؟ میں نے سوچا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ میں تو دہلی یونیورسٹی کا طالب علم ہوں اور یہاں بھارتی فوج اور مجاہدین کے درمیان پھنس گیا ہوں۔ اس عمارت میں موجود تمام لوگوں کی حیثیت یرغمالیوں کی سی تھی۔

ہمارے چاروں طرف شور سنائی دے رہا تھا۔ باہر فائرنگ ہو رہی تھی۔ شاید اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لئے سکیورٹی فورسز فائرنگ کر رہی تھیں لیکن خیریت گزری کہ ابھی تک اندر کوئی گولی نہیں آئی تھی۔

حضرت بل میں موجود لوگ شاید خوفزدہ بھی رہے ہوں کیونکہ یہ غیر معمولی صورت حال تھی جس سے وہ اچانک دوچار ہوئے تھے لیکن میں حیران رہ گیا جب میں نے انہیں اچانک زور زور سے نعرے بلند کرتے دیکھا۔ وہ سب یک زبان ہو کر کشمیر کی آزادی کے لئے نعرے بلند کرنے لگے۔

باہر اچانک فائرنگ تھم گئی۔ اس کی وجہ دراصل اندر سے ہونے والی ہوائی فائرنگ تھی۔ شاید اندر مجاہدین نے سکیورٹی فورسز کو یہ پیغام دے دیا تھا کہ وہ ان کی گولیوں سے ڈرنے یا جھکنے والے نہیں اور مقابلے کے لئے تیار ہیں۔ ہم دونوں اسی مجاہد کے ساتھ اب ایک کمرے میں آ گئے۔ وہاں پہنچ کر مجھے ایک اور ذہنی جھٹکا لگا۔ کمرے میں دو نقاب پوش موجود تھے۔ ان میں سے ایک نقاب پوش خاتون تھی کیونکہ اس نے عورتوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کا سارا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا، صرف آنکھیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

دکھائی دے رہی تھیں اور یہ آنکھیں میرے لئے ہرگز اجنبی نہیں تھیں۔

میں چوروں کی طرح بظاہر نظریں چرائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ الگ بات کہ وہ ضرور دل ہی دل میں مجھ پر ہنس رہی ہوگی۔

''تشریف رکھئے۔'' ایک نقاب پوش نے ہمیں مخاطب کیا۔ شاید وہ ان کا کمانڈر تھا۔

ہم دونوں ہی ان کرسیوں پر بیٹھ گئے جن کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔

''میرا نام اسد علوی ہے اور ہم دونوں دہلی یونیورسٹی سے آئے ہیں۔'' اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر کہا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ کملیش سے سوالات شروع نہ کردے۔

پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا، کمانڈر نے کملیش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کے دوست کا بھی یقیناً کوئی نام ہوگا؟''

اس سے پہلے میں کچھ بولتا، وہ خود ہی بول اٹھا ''جی میرا نام کملیش ہے، کملیش بکھر جی، میں بھی اسد کے ساتھ ہی آیا ہوں۔''

''موسٹ ویلکم۔'' اس نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہمیں افسوس ہے کہ آپ کا تفریح ٹور اچھا نہیں رہا۔ شاید آپ خوشگوار یادیں لے کر واپس نہ جائیں۔'' اس کے نقاب پوش ساتھی نے کہا۔

''نہیں، ہمارے تجربات میں اس ٹور سے بہت اضافہ ہوا ہے۔'' کملیش پر اعتماد تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' نقاب پوش کمانڈر نے پوچھا۔

''میرے دوست کا مطلب ہے.....'' میں نے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

''میں ان کا مطلب سمجھتا ہوں۔''

ایک مرتبہ پھر مجھ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔

''ہم امن پسند لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ شاہد ہے ہم نے ایسا کبھی نہیں چاہا، جیسا ہو رہا ہے۔ آپ تو پڑھے لکھے ہیں، آپ ہی بتائیے کوئی صحیح الدماغ شخص اتنی بڑی فوج کے سامنے ہتھیار اٹھا کر کھڑا ہو سکتا ہے؟'' اس نے ہماری طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

''مجھے اندازہ ہے اس بات کا۔ میں بھی اپنے آپ کو چھوٹا سا سہی، انقلابی سمجھتا ہوں۔'' کملیش بدستور پر اعتماد تھا۔

''ہم مجبور ہیں۔ ہمیں مجبور کر دیا گیا ہے۔ یہ لوگ ہمیں اپنی مرضی کی آزادی کی زندگی نہیں جینے دیتے۔ پچاس سال سے یہ ہماری آواز دبانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے ہمارے تمام حقوق غصب کر رکھے ہیں۔ بیداری کے اس دور میں جب آزادی کو ہر انسان کا پیدائشی حق تسلیم کیا جاتا ہے، یہ لوگ ہمیں جانوروں سے بدتر زندگی جینے پر مجبور کر رہے ہیں۔ جب ہم پرامن رہ کر ان سے آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں تو ہم پر گولیاں چلائی جاتی ہیں، ہمارے گھر جلائے جاتے ہیں، ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے بچوں پر ظلم ڈھائے جاتے ہیں، عورتوں کی عصمت دری کی جاتی ہے۔ آپ ہی بتائیے، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کیا آپ نے انگریز سے لڑ کر آزادی حاصل نہیں کی؟ پھر ہمیں غلام رکھنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟ بتائیے ہم کیا کریں؟'' وہ بولتے بولتے جذباتی ہوگیا۔

میں ہونقوں کی طرح کبھی بولنے والے کو دیکھنے لگتا، کبھی ان آنکھوں کو جو مجھے اپنے جسم میں اترتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''میں آپ کے درد کو سمجھتا ہوں۔'' کملیش نے کہا۔ ''میں تو کشمیر کی سرحد میں داخل ہوتے ہی آپ کے روگ کو جان گیا تھا۔ کیا ہوا اگر میں ہندو ہوں، آپ کی طرح انسان ہوں میں بھی۔ میرا باپ نکسل باڑی تحریک میں اس فوج کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے، یہ فوج جو اس عمارت باہر موجود ہے۔ اس وقت میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ میری ماں مجھے لے کر دہلی آ گئی۔ یوں ہم اپنے ہی وطن میں اجنبی ہو گئے، شرنارتھی کہلائے، لیکن اسے شاید ابھی آپ کے درد کا احساس نہ ہو۔''

اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''یہ اس کرب سے نہیں گزرا ناں، مسلمان ہے تو کیا، امیر باپ کا بیٹا ہے۔ زندگی بہت عیش و آرام سے گزری ہے اس کی۔''

ایسا لگا جیسے کملیش مجھ پر طنز کر رہا ہو۔ میں شرم سے پانی پانی ہوگیا۔

❁❁

میں کبھی کملیش کی طرف دیکھتا، کبھی نقاب پوش مجاہدین کی طرف دیکھنے لگتا۔ حیرت مجھے اس بات پر تھی کہ ایک ہندو جو میرے ساتھ اتفاقاً حضرت بل میں موجود تھا، مسلمان مجاہدین کا ہمدرد دکھائی دے رہا تھا اور میں مسلمان ہونے کے باوجود خوف زدہ تھا۔

مجھے اپنی اور کملیش کی سلامتی کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ باہر فوج تھی، اندر دہشت گرد تھے اور ان دونوں کے درمیان ہم پھنسے ہوئے تھے۔

ابھی تک وہ لڑکی خاموش تھی جس کی آواز سننے کے لئے میں بے چین تھا۔

''آپ کو زحمت تو ہوگی لیکن تھوڑی دیر کے لئے آپ کو رکنا پڑے گا۔ ہم کوشش کریں گے کہ

عورتوں اور بچوں کے ساتھ آپ کو باہر نکال دیں۔ شرط یہ ہے کہ فوج ہمیں اتنی مہلت دے۔"

اس نے ہماری طرف دیکھ کر کہا۔

"گھبرائیے مت، آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔"

اس مرتبہ لڑکی کی مترنم آواز سنائی دی۔ یہ کہہ کر اس نے شاید ترحم آمیز نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔

"جی شکریہ۔"

میں نے آہستہ سے کہا۔

آپ دونوں تشریف رکھیں، ہم فوج سے مذاکرات کی کوشش کرتے ہیں۔"

نقاب پوش کمانڈر پھر لڑکی سے مخاطب ہوا۔ "آؤ آسیہ بہن۔"

کمانڈر نے پہلی مرتبہ اس کا نام لیا تو میں چونکا۔ یہ نام میں نے بھارتی اخبارات میں پڑھا تھا۔ آسیہ بہت سرگرم مجاہدہ تھی جس کے متعلق عجیب وغریب کہانیاں اخبارات کی زینت بنا کرتی تھیں۔

ہمارے گھر ہندی اور اردو کے اخبارات کے علاوہ دو اخبارات سری نگر سے بذریعہ ڈاک آتے تھے۔ ان اخبارات میں اکثر آسیہ کا ذکر ہوتا تھا۔

"تو تم آسیہ ہو۔" میں نے دل ہی دل میں کہا۔

❁❁

ہم دونوں کو وہاں چھوڑ کر وہ لوگ باہر نکل گئے۔

"تمہارے یہ ایڈونچر کسی روز ہم دونوں کو مروا دیں گے۔" ان کے باہر نکلتے ہی میں پھٹ پڑا۔ مجھے کملیش پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا جس کی وجہ سے ہم دونوں یہاں پھنسے ہوئے تھے۔

"مرے کیوں جا رہے ہو؟" کملیش نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کیوں پریشان ہوتے ہو صاحبزادے۔ بے فکر رہو، کچھ نہیں ہوگا۔"

مجھے اب یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ ہم باہر کب نکلیں گے۔ ظاہر ہے باہر موجود سکیورٹی فورسز نے پوری عمارت کو محاصرے میں لے رکھا ہوگا۔ کملیش میرے جذبات، میرے خدشات سے بخوبی آگاہ تھا گو کہ اس کے نزدیک یہ بزدلی تھی لیکن اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے۔

"اب باہر نکلنے کی فکر بھی کرو گے یا انہی مجاہدین میں شامل ہونے کا ارادہ ہے؟" میں نے کملیش کے اطمینان پر قدرے زچ ہو کر کہا۔ وہ زیر لب کوئی دھن گنگنا رہا تھا۔

"یار علوی! کیا تم واقعی مسلمان ہو؟" اس کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

میں بھنا گیا۔ یہ تو میری غیرت للکارنے والی بات تھی۔ "ہاں ہوں، تمہیں کوئی شبہ ہے میرے مسلمان ہونے میں؟" میں نے قدرے غصے سے کہا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

اس کی مسکراہٹ پر میں مزید مشتعل ہو گیا لیکن اس سے پہلے کہ میں جواب کچھ کہتا، اچانک دروازہ کھلا اور آسیہ ایک نوجوان کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ نوجوان نے اپنے ہاتھ میں ایک ٹرے پکڑ رکھی تھی جس میں ہمارے لئے چائے اور کشمیری نان خطائیاں رکھی تھیں۔ خدا جانے انہوں نے ان حالات میں یہ اہتمام کیسے کیا تھا۔

"لیں چائے پئیں۔" آسیہ نے کہا۔ نوجوان نے جلدی سے ایک میز پر ٹرے رکھی اور میز ہمارے سامنے رکھ دی۔

"شکریہ لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی۔" میں نے کہا۔

"یہ صرف اس کا خیال ہے۔ میں تو شدت سے ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ آپ کی نمکین چائے کا مزہ ہی اور ہے۔" کملیش نے مسکراتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ اٹھا لیا۔

"ہم کشمیری اپنے مہمانوں کی بہت عزت کرتے ہیں۔ آپ بہر حال ہمارے مہمان ہیں۔" آسیہ نے میری طرف دیکھا۔ ابھی تک اس نے نقاب نہیں اتارا تھا۔

"جی ہاں، اس کا اندازہ تو ہو رہا ہے۔" میں نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"یار علوی چائے پیو، بسکٹ کھاؤ اور نارمل ہو جاؤ۔" کملیش نے مجھے ٹوکا۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ میری کسی بات پر آسیہ کو غصہ آ جائے۔

میں بھی نہیں چاہتا تھا لیکن ابھی تک شاید میری بوکھلاہٹ ختم نہیں ہوئی تھی۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں ذرا باہر کا منظر دیکھ لوں۔" کملیش نے اچانک آسیہ سے کہا۔

"کیوں نہیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے یہ کہہ کر اپنے ساتھ آنے والے نوجوان کو اشارہ کیا۔

پھر کملیش ہاتھ میں چائے کا کپ لئے اس کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"آپ ناراض ہیں کیا؟" آسیہ نے اچانک مجھ سے پوچھا۔

"جی نہیں، ابھی تک تو میں صرف حیران ہوں۔" میں نے اپنا لہجہ قدرے نارمل کر لیا۔

"دیکھئے مسٹر علوی! یہ سب کچھ اتفاقاً ہوا ہے۔ بس والا واقعہ بھی اور یہاں جو کچھ ہوا یہ بھی اتفاق

WAQAR@URDUFANS

ہے کہ آپ، دونوں جگہ موجود ہیں۔"

اس نے شاید میرے لہجے کی تلخی محسوس کر لی تھی۔

"آپ کے خیال سے اس طرح آپ کو آزادی مل جائے گی؟"

میں نے اس سے پوچھا۔

اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی اور وہ قدرے بدلی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں نہیں، کیا دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا؟ شاید آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اتنی بڑی اور منظم فوج کے ساتھ لڑ نہیں سکتے؟"

اس کا لہجہ استفہامیہ تھا۔

میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگر آپ صرف نام کے مسلمان نہیں اور میں آپ میں ذرا سی غیرت ایمانی باقی ہے تو اس سوال کا جواب میری بجائے اپنے ضمیر سے مانگئے گا۔"

اس کے جواب نے مجھے لرزا کر رکھ دیا۔ ذہن میں ایک زوردار چھناکا سا ہوا جیسے اچانک کوئی نیند سے بیدار ہو جائے۔ مجھے یوں لگا جیسے اس کے منہ سے الفاظ نہ نکلے ہوں، کوئی نشتر اچانک میرے دل میں اتر گیا ہو۔ مارے شرمندگی کے میں کٹ کر رہ گیا۔ واقعی میں نے بہت غلط سوال کیا تھا۔ جن لوگوں نے سرفروشی کی راہ اختیار کی ہو، وہ نتیجہ کو کب خاطر میں لاتے ہیں۔

"معافی چاہتا ہوں۔ مجھے یہ بات نہیں کہنی چاہئے تھی۔" میں نے قدرے شرمسار ہو کر جواب دیا۔

"نہیں مسٹر علوی، میرا مقصد خدانخواستہ آپ کو شرمندہ کرنا نہیں تھا۔" شاید اسے بھی میری شرمندگی کا احساس ہو گیا تھا۔

"محترمہ، آج آپ نے میرے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ مجھے یقین ہو چلا ہے کہ ابھی میرا ضمیر مردہ نہیں ہوا۔ میرا دل کہتا ہے کہ آپ کو ضرور آزادی ملے گی لیکن خدارا، مجھ سے یہ سوال نہ کیجئے کہ ہم اس راستے پر آپ کے ہمسفر کیوں نہیں ہیں۔ سری نگر اور دہلی کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

اس نے ایک مرتبہ پھر استفہامیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

"ہم میں کسی ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کی سکت نہیں ہے۔ خوش قسمت ہیں آپ کہ ظلم کے خلاف ہتھیار اٹھا لئے۔"

میں نے اپنی بات مکمل کی۔

"شاید آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔" اس نے کہا۔

"لیکن یاد رکھئے ایک روز آپ بھی ایسا ہی محسوس کریں گے۔ آپ کو بھی ایسا ہی کرنا ہوگا، ہمیں مجبور کیا گیا ہے۔ پچاس سال سے ہم ظلم برداشت کرتے آ رہے تھے، لیکن آخر کب تک۔"

اچانک دروازہ کھلا اور کملیش اندر داخل ہوا۔ اس کے عقب میں وہی نوجوان آ رہا تھا جو اس کے ساتھ باہر گیا تھا۔

"شاید وہ لوگ عورتوں اور بچوں کو باہر نکالنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔" اس نے ہماری طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ ان کے ساتھ ہی باہر نکل جائیں۔ یہ لوگ آپ کو روکیں گے ضرور لیکن شناخت کروانے پر کچھ نہیں کہیں گے کیونکہ آپ دہلی سے آئے ہیں۔ مسٹر علوی! اگر مہلت ملی تو سری نگر کے گلی کوچوں میں گھوم پھر کر ضرور دیکھئے گا۔ شاید آپ کو اس سوال کا جواب مل جائے کہ ہم نے ہتھیار کیوں اٹھائے ہیں۔"

"چلئے چلئے جلدی نکلیں۔" نقاب پوش مجاہد نے ہمیں تنگی وقت کا احساس دلایا۔

"شکریہ، زندگی رہی تو دوبارہ آپ سے ملاقات ہوگی۔" میں نے نہ جانے یہ بات کیوں کہی، مگر اب سوچتا ہوں کہ شاید قدرت نے خود ہی میری زبان سے یہ لفظ ادا کروا دیئے تھے۔

"شکریہ بہن! میں کوشش کروں گا کہ آپ کا کیس ایمانداری سے اپنے لوگوں کے سامنے پیش کر دوں تاکہ انہیں بھی معلوم ہو کہ آپ کن مظالم سے گزر رہے ہیں۔" کملیش نے کہا اور باہر نکل گیا۔

❁❁

ہم دونوں باہر صحن میں آ گئے۔ جہاں ایک طوفان بدتمیزی ہمارا منتظر تھا۔ یہاں موجود بچے، بوڑھے، عورتیں اور نوجوان ایک دوسرے کو دھکیل کر باہر نکل جانا چاہتے تھے لیکن ایسے بدترین حالات میں بھی وہ آزادی کشمیر کے نعرے ضرور لگا رہے تھے۔

ہجوم کو کنٹرول کرنے کے لئے چاروں طرف بندوق بردار نقاب پوش مجاہدین موجود تھے۔

اچانک ہی ان میں سے ایک نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی، ہجوم پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔

"خبردار! کوئی بدنظمی نہیں ہوگی۔ تمام نوجوان ایک طرف ہٹ جائیں۔" اس نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے مجمع چھٹ گیا۔

خدا جانے اس کی آواز میں کیا تھا کہ اگلے ہی لمحے اس کے حکم پر عمل ہونے لگا۔ نوجوان ایک طرف ہٹ گئے، بوڑھے، بچے اور عورتیں اسی دروازے سے باہر جانے لگیں جہاں سے انہیں نکلنے کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

اجازت دی گئی تھی۔

ایک اور نقاب پوش وہاں موجود نوجوانوں میں سے صرف انہیں باہر نکلنے کی اجازت دے رہا تھا جو عورتوں کے ساتھ آئے تھے۔ شاید اس ہجوم میں ہم دو نوجوان ہی ایسے تھے جنہیں خصوصی طور پر باہر جانے کی اجازت ملی تھی۔

یہاں سے نکلتے ہوئے مجھے کم از کم یہ اطمینان ضرور تھا کہ میں نے موئے مبارک ﷺ کی زیارت کر لی تھی۔ ایک طمانیت یہ بھی تھی کہ اب میں مردہ ضمیر نہیں تھا۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ لوگ میرے اپنے ہیں۔ صرف ہمارے رنگ اور زبان میں فرق تھا۔ جب ایک ہونے کا احساس ہوا تو ان کا دکھ بھی مجھے اپنا دکھ محسوس ہونے لگا۔

سب لوگ اب منظم ہو کر ایک قطار کی صورت میں باہر نکل رہے تھے۔ کملیش اور میں ایک ساتھ باہر نکلے۔

دروازے کے نزدیک ایک نوجوان نے ہمیں روکنے کی کوشش کی لیکن ہمارے ساتھ آنے والے نقاب پوش نے اس سے کشمیری زبان میں کچھ کہا تو وہ ایک طرف ہٹ گیا اور ہم آگے بڑھ گئے۔

باہر عجیب منظر دکھائی دیا۔ عمارت کے صدر دروازے سے کوئی سو گز کے فاصلے پر فوجی گاڑیاں دائرے کی صورت میں کھڑی تھیں جن کے عقب میں مسلح فوجی جوان مورچہ بند تھے۔

ہم دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے چلے گئے۔ جیسے ہی ہم فوجی گاڑیوں کے نزدیک پہنچے، اچانک ہالٹ کی آواز نے ہمارے قدم تھام لئے۔

سیاہ وردی میں ملبوس ایک فوجی بندوق تھامے ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔

ہم نے بتانا چاہا کہ ہم دہلی یونیورسٹی کے طالب علم ہیں مگر اس نے کوئی بات سنے بغیر بائیں طرف جانے کا اشارہ کیا جہاں ہم سے پہلے سات آٹھ نوجوانوں کو انہوں نے ایک دائرے کی صورت میں بٹھا رکھا تھا اور تین چار گن بردار گالیاں بکتے ہوئے ان کی تلاشی لے رہے تھے۔

ہم اس صورت حال کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

"اپنے افسر سے بات کرواؤ۔ ہم دہلی سے آئے ہیں۔" مجھ سے پہلے کملیش نے فوجیوں کے نزدیک پہنچ کر انگریزی زبان میں قدرے غصے سے کہا۔

فوجی شاید کوئی مرہٹہ تھا۔ اس نے بے یقینی کے انداز میں ہماری طرف دیکھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہم اتنے ہی بے وقوف ہیں جتنے شکل سے دکھائی دے رہے ہیں۔

"بات سمجھ میں نہیں آئی کیا؟" اس مرتبہ میں نے مراٹھی میں چیخ کر کہا۔

اس نے اپنے ساتھی سے مشورہ کیا اور ہم دونوں کو لے کر سامنے کھڑی ہوئی جیپ کی طرف بڑھا۔

ہم نے اپنے ہاتھ نیچے گرا لئے تھے۔

جیپ میں ایک میجر اور دو جوان موجود تھے۔ انہوں نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔

ہمارے ساتھ آنے والے فوجی نے زمین پر ایڑیاں بجا کر اسے سلوٹ کیا اور ہمارے بارے میں بتایا۔

میجر جیپ سے اتر کر ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا اور بولا۔ "یس۔"

"آئی ایم کملیش، ہم دہلی یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس ہیں اور یہاں ٹرپ کے ساتھ آئے ہیں۔"

کملیش نے میجر کو انگلش میں جواب دیا۔

"یو آر ویل کم۔"

میجر کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔ "کیا آپ لوگ اپنی شناخت کروائیں گے؟"

"آف کورس آفیسر۔" کملیش نے کہا، پھر اپنا شناختی کارڈ نکال کر میجر کی طرف بڑھایا۔

اس نے باری باری ہمارے یونیورسٹی کارڈز چیک کئے۔ میرا کارڈ دیکھ کر وہ چونکا اور بولا۔

"ادھر کیسے آ گئے آپ؟"

"حضرت بل دیکھنے آئے تھے کہ یہ مصیبت آن پڑی۔"

میں نے جواب دیا۔

"ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔ اس کی ہوں خاصی طویل تھی۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمیں ہمارے ریسٹ ہاؤس تک پہنچا دیں۔"

شاید کملیش اسے مزید کچھ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

"اوو ائی ناٹ!" میجر نے کہا۔ "پلیز ویٹ۔"

وہ ہمارے کارڈ لئے ہوئے جیپ کی طرف لوٹ گیا۔

اس نے جیپ میں موجود وائرلیس پر کسی سے رابطہ کیا تھا۔ تقریباً تین منٹ بعد جب اس نے ہر طرح تصدیق کر لی کہ ہم واقعی وہی ہیں جو دکھائی دے رہے ہیں تو ہماری طرف لوٹ آیا۔

"سوری کیجئے گا۔ سیکورٹی کے لئے ہمیں مکمل چیک کرنا پڑتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہاں حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ یہ گروادی کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا کرتے رہتے ہیں۔ اب دیکھئے نا اپنے پوتر استھال میں اسلحہ لے کر داخل ہو گئے ہیں۔" اس نے قدرے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔ پھر ہم سے مخاطب ہوا۔ "میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ہم نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ تم پریشان تھے نا، اچھا ناشتہ کرلو، میں نے ویٹر سے کہہ دیا ہے۔ ہم لوگ تو جا رہے ہیں۔ جب ناشتے سے فارغ ہو جاؤ تو میر صاحب کو بتا دینا، وہ تمہیں ہمارے پاس پہنچا دیں گے۔" پروفیسر شکلا نے میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی سارا پروگرام سنا دیا۔

میر صاحب اس ریسٹ ہاؤس کے منیجر تھے جہاں ہمارا قیام تھا۔ وہ ایک طرح سے ہمارے پروٹوکول آفیسر بھی تھے۔ ہمارے آرام و انصرام کی ذمے داریاں انہوں نے خوب نبھائیں۔

"ٹھیک ہے سر! کملیش دکھائی نہیں دے رہا۔" میں نے اپنے ساتھیوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"معلوم نہیں۔ آج پھر کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی کر دے۔ تم ہی سمجھاؤ اسے علوی، یہاں پہلے ہی انقلاب آنے کو ہے، وہ کیا چاہتا ہے..... ایسی حرکتیں دہلی میں تو ٹھیک ہیں۔ یہاں مناسب نہیں۔ تم جانتے ہو ہمارے لئے بہت سے پرابلمز کھڑے ہو جائیں گے۔ وہ تمہارا دوست ہے، اس سے کہو کہ عقل سے کام لے، کم از کم میرا ہی خیال کرلے۔ اگلے سال میں ریٹائر ہو رہا ہوں۔" پروفیسر شکلا مجھے یوں سمجھا رہے تھے جیسے طعنہ دے رہے ہوں، جیسے کملیش کی ساری حرکتوں کا ذمے دار مجھے سمجھ رہے ہوں۔

"سر! آپ جانتے ہیں وہ کسی کی نہیں مانتا۔ خیر میں کوشش کروں گا کہ اسے کچھ سمجھا سکوں لیکن مجھے نہیں لگتا کہ وہ میری کوئی بات سننے کو تیار ہوگا۔" میں نے کہا۔

ڈرائیور نے ہارن بجا کر روانگی کا اشارہ دیا تو مسٹر شکلا یہ کہتے ہوئے چل دیئے۔ "ٹھیک ہے، انجوائے یور سیلف۔"

❁❁

وہ لوگ تو بس میں سوار ہو کر چلے گئے۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں ڈائننگ روم کی طرف چل دیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کملیش کہاں چلا گیا؟ پھر میں نے خود کو تسلی دی کہ جہاں کہیں بھی ہو، ٹھیک ہی ہوگا۔ اسے کوئی اپنی مرضی سے نہیں چلا سکتا۔ اچانک ہی اس خیال نے مجھے جکڑ لیا کہ آسیہ کو کہیں بھارتی سکیورٹی فورسز نے گرفتار تو نہیں کرلیا۔ بٹوٹ میں فوج کی ناکہ بندی اور اس کے ساتھ موجود بزرگ کی گرفتاری سے تو یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ان لوگوں کے لئے اجنبی نہیں ہے لیکن یہاں سری نگر میں وہ یوں آزادی سے کیسے گھوم پھر رہی ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے آخر؟

ایک عجیب سی الجھن نے مجھے گرفتار کرلیا۔ ابھی تک اس سوال کا جواب مجھے نہیں مل سکا تھا کہ اس طرح لاء اینڈ آرڈر کا مذاق اڑاتے ہوئے وہ آزاد کیسے رہ سکتی ہے؟

پھر شام تک مجھے اس سوال کا جواب مل گیا۔ اس مرتبہ بھی اس کا سبب کملیش ہی بنا تھا۔

میں ناشتے سے قریباً بارہ بجے فارغ ہو کر باہر لان میں پڑی کرسی پر آنکھیں موندے پڑا تھا جب اچانک کسی کے قدموں کی آہٹ نے مجھے چونکا دیا۔ برآمدے میں کملیش کھڑا تھا۔

"ویلکم بیک۔" میں نے اسے دیکھ کر کہا۔

"اوہو! تو صاحبزادے کی آنکھ کھل ہی گئی۔ میں نے تو سوچا تھا کہ ابھی تک حضرت بل ہی میں گھوم رہے ہوں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار کملیش! تم کیوں سارے ٹرپ کا بیڑہ غرق کرنے پر تل گئے ہو؟" میں نے قدرے تلخی سے کہا۔

"کیوں بھئی کیا ہو گیا؟" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بہت بے نیازی سے پوچھا۔ جب وہ اچھے موڈ میں ہوتا تو سگریٹ پیا کرتا تھا۔

"اگر تمہیں اپنی من مانی ہی کرنا تھی تو اکیلے آنا چاہئے تھا۔ یار ہم کسی ڈسپلن کے پابند ہیں یا نہیں؟ تم جہاں جی چاہے منہ اٹھا کر چل دیتے ہو۔" میں نے غصے سے اسے گھورا۔

"دیکھو مائی ڈیئر! اگر ڈسپلن کی بات ہے تو ہمیں صبح آٹھ بجے ناشتے کی میز پر ہونا چاہئے تھا جبکہ یہ لوگ صبح نو بجے سو کر اٹھے ہیں۔ میں ان کے انتظار میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے سے رہا۔ ڈسپلن کی خلاف ورزی تو ادھر سے ہو رہی ہے۔ ان لوگوں سے کس نے کہا تھا یوں ندیدوں کی طرح مفت کی مے پی کر اگلے روز دوپہر تک سوتے رہو۔ مجھے یہاں ایک ایک منٹ انجوائے کرنا ہے، سو میں کر رہا ہوں۔" اس نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔

میں جانتا تھا کہ اس کے پاس ہر سوال کا جواب پہلے سے موجود ہوتا ہے۔

"تم سے تو بحث کرنا ہی فضول ہے۔" میں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"اچھا! اب سوتنوں کی طرح منہ پھلا کر ہی بیٹھے رہو گے یا یہاں سے ہلنا بھی پسند کرو گے۔" اس نے سگریٹ کا ایک اور کش لے کر پوچھا۔

"مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا۔ تھوڑی دیر بعد ہم دونوں اپنے ساتھیوں کے پاس جا رہے ہیں۔" میں نے اس کے مزید لیکچر سے بچنے کے لئے کہا۔

"شاباش میاں شاباش! آپ بے حس ہو چکے ہیں تو دوسروں کو اپنے جیسا کیوں بنانا چاہتے ہیں؟ اس نے سگریٹ کا آخری کش لیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میرا مطلب تم اچھی طرح سمجھتے ہو علوی، وہ لوگ بظاہر کسی سرکاری ڈنر یا لنچ پر گئے ہوں گے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

جہاں سارا دن درباری لوگ انہیں اپنی مرضی کی عیاشی کرواتے رہیں گے۔ کیا تفریحی ٹرپ اسے کہتے ہیں؟ یہ تو سرکاری ٹرپ ہوا ناں، پیارے بھائی! ان گدھوں کے چکر میں نہ پڑو۔ معلوم نہیں زندگی میں دوبارہ یہاں آنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ آؤ تمہیں سری نگر شہر دکھالائیں۔ بہت شہرت سنی ہے لال چوک کی، دیکھو گے نہیں کیا؟'' اس نے اطمینان سے اپنی بات مکمل کی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے کہا۔ ''کیا پھر کسی نئی مصیبت میں پھنساؤ گے؟''

''نہیں دوست! میں تمہیں کچھ دکھانے کا پروگرام بنا رہا ہوں۔ اگر تم دیکھنا پسند کرو، اگر تمہارے اندر ضمیر نام کی کوئی شے موجود ہے؟'' اس نے قدرے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

اس بات پر نجانے کیوں مجھے غصہ آ گیا۔ یہ بات مجھ سے آسیہ نے بھی کہی تھی۔

''تم کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو؟ ٹھیک ہے تمہارے پتاجی ٹکسل باڑی تھے۔ تمہارے نزدیک وہ انقلابی رہے ہوں گے، ممکن ہے تمہارے خیال میں یہ لوگ بھی انقلابی ہوں لیکن بھارت کے آئین کے مطابق یہ غدار ہیں، دیش دروہی ہیں، سمجھے۔'' میں نے قدرے تلخی سے کہا۔

کملیش شاید اس غصے کے پس منظر میں موجود میری اس بے بسی تک پہنچ گیا تھا جس کا ادراک مجھے ابھی نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے وہ غصہ کرنے کی بجائے مسکراتا رہا اور بولا۔ ''اچھا، اچھا مہاراج، شریمان اسد علوی صاحب! غصہ تھوک دو، آؤ تمہیں جھیل ڈل کی سیر کروالائیں۔ اپنے خرچ پر سیر کرنے کا مزہ ہی اور ہے۔ رات کو تو ہم سرکاری ضیافت پر گئے تھے۔ اب کہیں ڈرنا مت شروع کر دینا۔'' اس نے جان بوجھ کے میری انا کو جھنجھوڑا تھا۔

''چلو یار، دیکھتا ہوں تم بھی کتنے بہادر ہو۔'' میں نے غصے سے کہا۔

پھر ہم دونوں چل دیئے۔

❁❁

تھوڑی دیر بعد ہم جھیل ڈل کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ وسیع و عریض نیلگوں پانی والی جھیل ڈل تاحد نگاہ پھیلتی چلی گئی تھی۔ ساحل پر اکا دکا کشتیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

ہمیں اس طرف آتے دیکھ کر دو تین بچے بھاگتے ہوئے ہمارے قریب آ گئے۔ یہ سب ملاحوں کے بچے تھے جو بے چارے تقریباً بے روزگار ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ سب ہمیں اپنی اپنی کشتیوں میں سوار ہونے کے لئے کہہ رہے تھے۔ بمشکل ہم نے ان میں سے ایک کا انتخاب کیا۔ چھوٹا سا بچہ کشتی چلا رہا تھا۔ سطح آب پر ہچکولے کھاتی کشتی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ نیلے پانی کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا

گیا تھا۔ ہماری ایک جانب نسیم باغ، یونیورسٹی کیمپس اور حضرت بل کی درگاہ تھی جسے فوج نے گھیرے میں لے رکھا تھا اور اندر مجاہدین قابض تھے۔ دوسری طرف نشاط باغ اور شالیمار جن کا ہم نظارہ کر چکے تھے۔ کبھی کبھی کوئی اکا دکا کشتی دور کہیں دکھائی دیتی تھی ورنہ تو ہر طرف یاسیت نے ڈیرے جما رکھے تھے۔ کہتے ہیں کبھی اس جھیل میں کشتیاں ایک دوسرے سے رگڑ کھا کر گزرا کرتی تھیں۔ لیکن اب ایسا نہیں تھا۔ یہاں سے ہمیں گو کہ فوج دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن نجانے کیوں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہمیں چاروں طرف سے محافظ نگاہوں نے جکڑ رکھا ہو۔

کشتی دوسرے کنارے پر پہنچ گئی جو قدرے آباد دکھائی دے رہا تھا۔ ابھی تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کل والے واقعے کے بعد میں ایک مرتبہ پھر کملیش کے کہنے میں کیوں آ گیا ہوں حالانکہ حضرت بل سے نکلتے ہوئے میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اب اس کے کہنے پر اس کے ساتھ سری نگر میں کہیں نہیں جاؤں گا۔

کیا میں بھی لاشعوری طور پر ان لوگوں کے لئے ہمدردی تو محسوس نہیں کرنے لگا؟ اچانک ہی میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

دوسرے لمحے ہی مجھے اس سوال کا جواب بھی ہاں میں مل گیا۔ جس کا مطلب تھا کہ واقعی میرا ضمیر ابھی زندہ تھا۔

نجانے کیوں میں پروفیسر شکلا کی باتیں بھول گیا۔

معلوم نہیں میر صاحب میرے متعلق کیا سوچ رہے ہوں گے کیونکہ انہوں نے میرے لئے گاڑی منگوائی تھی اور میں انہیں بتائے بغیر غصے میں کملیش کے ساتھ اس طرف آ گیا تھا۔ البتہ کملیش کے لئے سب کچھ نارمل تھا۔ واقعی وہ انقلابی باپ کا انقلابی بیٹا تھا۔ وہاں یونیورسٹی میں بھی سب سے الگ تھلگ اور یہاں سری نگر میں بھی۔

آج تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اسے مجھ میں کیا دکھائی دے رہا تھا۔ اگر کسی مسلمان سے ہی دوستی مقصود تھی تو یونیورسٹی میں کئی مسلمان لڑکے اور بھی موجود تھے۔ بہرحال وجہ کچھ بھی رہی ہو، مجھے اس کی دوستی پر ہمیشہ فخر رہے گا۔

ہم ایک ٹیاڈار گاڑی میں بیٹھ کر لال چوک کی طرف روانہ ہو گئے۔ کملیش نے بتایا نہیں لیکن مجھے یقین ہونے لگا تھا کہ وہ سری نگر پہلی مرتبہ نہیں آیا۔ کوئی شخص محض ٹورازم کی کتابوں سے شہر کا نقشہ یاد نہیں کر سکتا۔ اسے تو جیسے پورا شہر ازبر تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ٹیاڈار سے ہم اسمبلی ہال کے نزدیک اتر گئے۔ گاڑی سے باہر نکلتے ہی مجھے یوں لگا جیسے ہم دوسری جنگ عظیم کے لئے بنائی گئی فلموں کے کسی منظر کا حصہ بن گئے ہیں۔

اسمبلی ہال سے لال چوک تک تاحد نگاہ فوجیوں کے دستے گھومتے دکھائی دے رہے تھے۔ ان لوگوں کی تیاریاں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ حالت جنگ میں ہوں۔ چھوٹی چھوٹی خودکار رائفلیں شانوں پر لٹکائے سروں پر آہنی خود جمائے وہ ہر مسافر کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

گاڑیاں، موٹر سائیکل روک کر ان کی تلاشی لے رہے تھے۔ کسی بھی راہگیر کو روک کر اسے ایک کونے میں لے جاتے اور اس کی جامہ تلاشی لینے لگتے۔

ہم ان سے بچتے بچاتے آخرکار لال چوک پہنچ گئے۔ لال چوک کو سری نگر کا ہائیڈ پارک کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ میرے ذہن میں یہ بات بری طرح کھٹک رہی تھی کہ اخبارات کے مطابق یہاں صورت حال نارمل تھی تو چپے چپے پر فوج کیوں نظر آتی تھی۔

زندگی میں شاید پہلی مرتبہ میں نے اپنی سرکار کے لئے دل میں بے پناہ نفرت محسوس کی۔ کملیش کیا سوچ رہا تھا، اس کا علم تو نہیں لیکن میں جانتا تھا کہ اس کے نظریات اور خیالات پہلے بھی کچھ اچھے نہیں تھے۔ جب سے اس کا باپ مارا گیا تھا، ایک بغاوت اس کے اندر پل رہی تھی اور کوئی دم جاتا تھا جب یہ سلگتی ہوئی چنگاری شعلہ بن جاتی۔

ہم خاموشی سے صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہاں کے مناظر دیکھ کر میرا دل گھبرانے لگا۔ فوجیوں نے ہماری آنکھوں کے سامنے تین چار کشمیری نوجوانوں کو زدوکوب کیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو یہاں سے عام مسافروں کی طرح گزر رہے تھے۔ بھارتی فوجی کسی کو بھی رکنے کا حکم دیتے، اس سے کوئی سوال کرتے اور اسے وحشیوں کی طرح پیٹنے لگتے۔

اچانک ہی ہمیں زوردار نعروں کی آوازیں سنائی دیں لیکن کوئی دکھائی نہ دیا۔ پھر خواتین کا ایک جلوس اس طرف آتا دکھائی دیا۔

"چلو، نکلو کملیش۔" میں نے لاشعوری طور پر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

"صبر کرو یار!" اس نے حسب معمول بے نیازی سے کہا۔

"پاگل مت بنو کملیش، اگر ان لوگوں کو ہم پر شک گزرا تو اس کی تصدیق سے پہلے ہماری ہڈی پسلی برابر کر دیں گے۔" میں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"یار تم کیسے مرد ہو۔ وہ عورتیں ہیں اور تم مرد ہو کر ڈر رہے ہو۔"

اس نے عورتوں کے جلوس کی طرف اشارہ کیا جو زوردار نعرے لگاتی ہماری طرف آ رہی تھیں۔

جلوس کو اس طرف آتے دیکھ کر وہاں موجود اکا دکا راہگیر بھی سمٹنے لگے تھے اور فوجیوں نے اپنی گنیں شانوں سے اتار کر ہاتھوں میں پکڑ لی تھیں۔ وہ مختلف کونوں کھدروں میں اس طرح پوزیشنیں لے رہے تھے جیسے اچانک ان پر حملہ ہو گیا ہو۔

میں نے جلوس کو اس طرف بڑھتے دیکھ کر کملیش سے مزید کچھ کہنے کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتے ہوئے اسی راستے کی طرف واپس چلنا شروع کر دیا جس سے گزر کر ہم یہاں تک پہنچے تھے۔

❁❁

ہم اسمبلی ہال کی طرف بھاگ رہے تھے۔ جلوس کا رخ بھی اسی طرف تھا۔ اسمبلی ہال کے باہر فوج کے جوان قطاریں باندھے کھڑے تھے۔ جلوس کیا نعرے لگا رہا تھا، وہ تو سمجھ میں نہیں آ رہے تھے لیکن ان کا جوش و خروش دیدنی تھا۔

اچانک ہی زمین نے جیسے ہمارے پاؤں پکڑ لئے۔ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونجنے لگی۔ میں نے بوکھلا کر ارد گرد نظر دوڑائی۔ بھارتی سورما عورتوں کو ہوائی فائرنگ کر کے خوفزدہ کرنا چاہ رہے تھے، شاید وہ لوگ جلوس کو وارننگ دے رہے تھے۔

اس اثناء میں ہمارے نزدیک سے سی آر پی ایف (سینٹرل ریزرو پولیس فورس) کے دو تین ٹرک گزرے جس پر ڈنڈا بردار جوان سوار تھے۔ ہمارے اور جلوس کے درمیان بمشکل آدھے فرلانگ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

تجسس یا پھر ان مظلوموں کے لئے لاشعوری طور پر پیدا ہونے والی ہمدردی، نجانے کون سا جذبہ تھا جو مجھے اور کملیش کو بار بار رک کر اس طرف دیکھنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

اب ہم قدرے محفوظ جگہ پر پہنچ گئے تھے۔ ہمارے اور جلوس کے درمیان بھارتی فوج اور سی آر پی ایف کے جوان موجود تھے۔

اچانک ہی وہاں طوفان بدتمیزی در آیا۔ سی آر پی والوں نے شاید جلوس پر ہلہ بول دیا تھا۔ وہ منظر دیکھ کر زندگی میں پہلی مرتبہ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ سامنے کا منظر بڑا واضح دکھائی دے رہا تھا۔ بھارتی فوجی کشمیری خواتین پر وحشیوں کی طرح لاٹھیاں برسا رہے تھے۔ ان کے سروں سے خون فواروں کی طرح ابل رہا تھا لیکن کیا مجال جوان کے جوش و خروش میں کوئی کمی آئی ہو۔

سی آر پی ایف کے درندے انہیں بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ رہے تھے، جانوروں کی طرح لاٹھیوں

WAQAR@URDUPOINT.COM

سے پیٹ رہے تھے لیکن آفرین ہے ان پر، کیا مجال کسی کے پائے ثبات میں لغزش آئی ہو۔ وہ اپنے ہی خون میں نہائی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔

اچانک ہی کسی فوجی نے شاید اس خوف سے جلوس پر گولی چلا دی کہ وہ ان پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی ادھر سے بھی گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

جلوس میں موجود کچھ نوجوانوں میں سے کسی نے جوابی فائرنگ کی تھی۔ اس کے بعد منظر دیکھنے کی تاب مجھ میں کہاں تھی۔

فوجی سیدھی گولیاں چلا رہے تھے اور کشمیری مجاہدات گر گر کر سنبھلتی ہوئی کسی جائے امان کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں۔

کملیش با آواز بلند فوجیوں کو گالیاں دے رہا تھا اور میں..... میں تو وہ منظر دیکھ کر گنگ ہو کے رہ گیا تھا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے اپنی بزدلی پر شرم آئی۔ میں نے سوچا لعنت ہے میری مردانگی پر کہ میری مسلمان بہنیں میرے سامنے پٹ رہی ہیں، مر رہی ہیں اور مجھے اپنی جان کے لالے پڑے ہیں۔

فائرنگ کی آواز کے ساتھ ہی جانے کون سے کونوں کھدروں میں چھپے نوجوان دیوانہ وار باہر کو لپکے۔ انہوں نے عقابوں کی طرح اپنی زخمی بہنوں اور بیٹیوں کو سنبھالا اور انہیں سہارا دیتے ہوئے پناہ کی تلاش میں دوڑنے لگے۔

فائرنگ کے ساتھ ہی سی آر پی ایف کے بزدل سپاہی بدحواس ہو کر فوج کی طرف بھاگے۔ فوجی تاک تاک کر نشانے لگا رہے تھے، بالکل یوں جیسے کوئی ماہر شکاری مرغابیوں کا شکار کرتا ہے۔

"علوی! آؤ نکل چلیں۔ کہیں یہ موذی اس طرف سے فارغ ہو کر ہماری طرف نہ آ جائیں۔" اس مرتبہ کملیش نے میرے کندھے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ تو حیران ہوگا کہ پہلی مرتبہ مجھ سے کسی حفاظتی اقدام کے لئے کہہ رہا تھا حالانکہ اس کی فکر عموماً مجھ ہی کو رہا کرتی تھی۔ مجھے خود بہت عجیب سا محسوس ہو رہا تھا، میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے میری آنکھوں میں جھانک کر شاید میرے دل کا حال پڑھ لیا تھا۔ اسے مجھ سے ہمدردی بھی ہو گئی تھی۔ اس نے میرا بازو پکڑا اور ہم دونوں چلنے لگے۔

گولیاں اب تھم تھم کر چل رہی تھیں۔ جلوس منتشر ہو چکا تھا۔ جلوس کے بعد کی تباہی کا منظر دیکھنے

کے لئے ہم وہاں نہیں رکے۔

❁❁

کملیش نے مجھے ایک ٹیکسی کار تک کب پہنچایا، میں کن قدموں پر چل کر اس کے ساتھ یہاں تک آیا تھا۔ اس کا احساس اور علم مجھے نہیں تھا۔ میں تو ایک عجیب سے جذبے سے سرشار تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی ماہر سرجن نے بڑی ہوشیاری سے چیر پھاڑ کر کے میرے اندر کا سارا نظام ہی تبدیل کر دیا ہے۔ نفرت، غصہ، بے چارگی، بے بسی اور احتیاط، میں انہی کیفیات میں لپٹا ہوا کملیش کے ساتھ ریسٹ ہاؤس تک پہنچا جس کے دروازے پر میر صاحب حیران پریشان میرے منتظر تھے۔

"آپ لوگ کہاں چلے گئے تھے؟" انہوں نے بلند آواز سے پوچھا۔

"جہنم میں۔" میری بجائے کملیش نے بڑے غصے اور تلخی سے کہا۔

میر صاحب نے حیرت سے ہم دونوں کو دیکھا، پھر وہ ایک طرف ہٹ گئے۔ نہ جانے انہیں ہمارے چہروں پر ایسا کیا دکھائی دیا تھا جس سے گھبرا کر وہ کوئی جواب دیئے بغیر واپس چلے گئے۔

کملیش میرے ساتھ ہی کمرے تک آیا۔ مجھے پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

"اب کیا عورتوں کی طرح منہ پھلا کر بیٹھے ہی رہو گے یار....." کملیش نے کچھ کہنا چاہا۔

اس کی بات نامکمل ہی تھی جب اچانک ہی میرے اندر پنپتا طوفان آنکھوں کے راستے باہر بہہ نکلا۔ میں بے اختیار بچوں کی طرح رونے لگا۔ میری سمجھ میں خود نہیں آ رہا تھا کہ میں کیوں رو رہا ہوں؟ ان آنسوؤں کے پیچھے کون سا جذبہ ہے جو مجھے رلا رہا ہے؟

کملیش کے لئے یہ بھی یہ صورت حال غیر متوقع تھی۔ وہ بے چین ہو کر آگے بڑھا اور مجھے گلے سے لگا لیا۔ میں بچوں کی طرح سسکیاں لے رہا تھا۔ وہ عورتیں جو میری آنکھوں کے سامنے قہر کا نشانہ بنیں، جن کے جوان لاشے میری نظروں کے سامنے گرے تھے، میری کوئی دور پرے کی بھی رشتے دار نہیں تھیں، کوئی خون کا رشتہ ہمارے درمیان نہیں تھا۔ زبان، رنگ، نسل، کچھ بھی تو مشترک نہیں تھا لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سب میرے ہی جسم کا حصہ ہوں، جیسے میں خود کٹ کر رہ گیا ہوں۔ میں خود لہو لہو گیا ہوں۔

بمشکل کملیش نے مجھے نارمل کیا۔ وہ خود بہت زیادہ متاثر ہوا تھا، وہ نام کا ہندو ضرور تھا لیکن اس میں اور روبندر جین میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

"علوی! تم میرے دوست ہی نہیں بھائیوں کی طرح ہو۔ تم جانتے ہو میں تمہارے متعلق کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

جذبات رکھتا ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ خود کو نارمل رکھنا۔ یہ بات ایک لمحے کے لئے بھی مت بھولنا کہ اقلیتی جنس کے لوگ یہاں سائے کی طرح ہمارے ساتھ چپٹے ہوئے ہیں۔ خاص طور پر تمہارے ساتھ کیونکہ تم کوئی بھی دعویٰ کرتے پھرو، کتنے ہی آزاد خیال بن جاؤ، یہ بات کبھی فراموش نہ کرنا کہ تمہارا نام مسلمانوں والا ہے اور دہلی یونیورسٹی کے طالب علم ہونے کے باوجود تم ان لوگوں کے لئے مشتبہ بن سکتے ہو۔ اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔ صرف تمہارے ہی نہیں میرے لئے بھی۔'' اس نے مجھے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

''مطمئن رہو دوست۔ کم از کم میں تمہارے لئے کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں کروں گا۔'' میں نے مسکرا کر اسے تسلی دی۔

''نہیں علوی! ایسا مت کہو۔ تم جانتے ہو تم میرے لئے کبھی مسئلہ نہیں رہے لیکن سب میری طرح فراخ دل نہیں ہیں۔'' اس نے تڑپ کر کہا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کی تشفی کرتے رہے۔

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی ضد پر میں نے ریسٹ ہاؤس کے باہر والی کینٹین میں دو تین لقمے زہر مار کر لئے اور واپس آ گئے۔

ہم ریسٹ ہاؤس کے ریکریشن ہال میں آ بیٹھے۔ ہم نے چائے وہیں منگوائی۔ ہمارے سامنے ٹی وی چل رہا تھا۔ ایک نوجوان خبریں پڑھ رہا تھا جس کے چہرے ہی سے صاف دکھائی دیتا تھا کہ اسے زبردستی اپنے سامنے دھرے کاغذ پڑھنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

ان خبروں میں بتایا جا رہا تھا کہ چھ پاکستانی گھس بیٹھیوں نے آج پھر لال چوک میں بھارتی سکیورٹی فورسز پر حملہ کیا۔ فوج کی جوابی فائرنگ پر وہ بھاگ گئے لیکن ان کی اندھا دھند فائرنگ کی زد میں کچھ لڑکیاں آ گئیں جو وہاں پر امن احتجاج کر رہی تھیں۔ تین لڑکیوں کے مارے جانے اور پندرہ کے زخمی ہونے کی خبر تھی۔

ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیئے کم از کم اس جھوٹ کے تو ہم عینی شاہد تھے۔

دوسری خبر میں بتایا گیا کہ اگر وادیوں نے سرکار سے مذاکرات کے بعد حضرت بل سے قبضہ ختم کر دیا ہے۔ مقامی سرکار نے انہیں محفوظ راستہ دے دیا ہے۔

ان اگر وادیوں کو آزادی کے پر جوش نعرے بلند کرتے اور ایک محفوظ راستے سے باہر جاتے ہوئے دکھایا بھی گیا تھا۔ چونکہ یہ سب نقاب پوش تھے اس لئے مجھے اندازہ نہ ہو سکا کہ ان میں آسیہ بھی

موجود ہے یا نہیں۔

شام ڈھلے ہمارے ساتھی بھی لوٹ آئے۔ کملیش کی ہدایت اور حفظ ماتقدم کے طور پر اس وقت میں بالکل نارمل تھا۔ ہم نے انہیں یہ بتایا ہی نہیں کہ کہاں گئے تھے۔ اس نے البتہ یہ کہہ دیا تھا کہ ہم شطرنج کھیلتے اور سوتے رہے ہیں۔ سب لوگ جانتے تھے کہ میں شطرنج کا بہت شوقین ہوں۔

رویندر جین ہمیں مشتبہ نظروں سے دیکھتا رہا، اس کے سوا کسی نے کچھ جاننے کا تکلف نہیں کیا۔ شام تک ہم نے آپس میں ہنس کھیل کر وقت گزارا۔

حیرت تو مجھے اس بات پر ہو رہی تھی کہ یہاں آنے والی قیامت سے ان لوگوں کو مکمل بے خبر رکھا گیا تھا۔ اس کے لئے ان لوگوں نے خصوصی اہتمام بھی کر رکھا ہوگا۔ اگر ہم دونوں بھی ان کے ساتھ ہی رہتے اور عملاً واقعات کا حصہ نہ بنتے تو شاید ہمارے خیالات بھی کچھ مختلف نہ ہوتے۔

❁❁❁

WWW.URDUFANS

رات کا کھانا ہم نے اکٹھے کھایا۔ رات دیر تک ہم آپس میں انتاکشری کھیلنے کے بعد اپنے اپنے کمروں کو لوٹ آئے اور بستروں میں دبک گئے۔

میں نے لائٹ آف کر دی اور کروٹیں بدلنے لگا۔ بستر پر لیٹتے ہی دن کے سارے مناظر زندہ ہونے لگے۔ کشمیری لڑکیوں کے نعرے، فائرنگ، لاٹھی چارج، بہتا ہوا خون، گرتے ہوئے جوان لاشے۔ ایک ایک کر کے سارے مناظر میری وحشت میں اضافہ کرنے لگے اور میں بے بسی سے آنکھیں بند کیے سوچتا رہا۔

اچانک ہی منظر تبدیل ہوا اور آسیہ نمودار ہوئی۔ اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں سوال تھے۔ اس نے تو مجھ سے کچھ نہیں کہا البتہ میں نے اس سے بہت سی باتیں کیں۔

میں نے اسے بتایا کہ وہ میرے متعلق اپنی رائے بدل دے۔ میں ان کا دکھ جان گیا ہوں۔ میں نے ان کے لئے آنسو بہائے ہیں اور .....اور.....اب میں اس سے آگے بھی کچھ سوچنے لگا ہوں۔ ایسی سوچ جو انسان کو باغی بنا دیا کرتی ہے۔ رات کے نہ جانے کس پہر میری آنکھ لگ گئی۔

صبح دم آنکھ کھلی تو جانے کس مسجد سے موذن کی مسحور کن آواز بلند ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نیند پر نماز کی فضیلت کے اعلان نے بہت عرصے بعد مجھے اپنی سچائی کا قائل کیا۔ میں بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

کملیش گہری نیند سو رہا تھا۔ میں اٹھا اور دبے پاؤں ملحقہ باتھ روم کی طرف بڑھا۔ وضو کر کے میں نے نماز کی تیاری کی اور اندازے سے قبلے کے رخ کا تعین کر کے اپنے بستر پر چادر بچھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو گیا۔

جانے کتنے عرصے بعد میں نے نماز پڑھی تھی۔ میں نے تو کبھی ان معاملات کو اپنی زندگی کا حصہ

جانا ہی نہیں تھا لیکن آج ایک عجیب سے احساس طمانیت نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

❁❁

میں کافی دیر تک کھڑکی میں کھڑا صبح کے منظر سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر ناشتے کے لئے ڈائننگ روم کی طرف چلا گیا۔ میں نے کملیش کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا۔

ڈائننگ ہال میں ہمارے کچھ دوسرے ساتھی بھی موجود تھے۔ وہاں پروفیسر شکلا بھی تھے۔

''دو روز کے بعد ہم واپس جا رہے ہیں۔'' پروفیسر شکلا نے اچانک ہی اعلان کیا۔

''کیوں سر؟'' کماری نیلما نے پوچھا حالانکہ سب کو اس کی وجہ کا علم تھا۔

''بھئی آپ سب لوگوں کے اصرار پر ہی میں نے ٹرپ مختصر کیا ہے۔ یوں بھی حالات شاید بہتر نہیں ہیں۔ ممکن ہے اگلے سال جب آپ لوگ یہاں آئیں تو حالات بہتر ہو چکے ہوں۔'' انہوں نے بہت بدمزگی سے کہا۔

شاید انہوں نے حالات کی سنگینی کا احساس کرنے کے بعد کسی بھی پریشانی سے بچنے کے لئے یہ فیصلہ کیا تھا۔ ''آپ لوگ دو روز تک اپنے طور پر انجوائے کر سکتے ہیں لیکن پلیز کہیں بھی روانگی سے پہلے مجھے ضرور بتا کر جایئے گا۔'' شکلا صاحب نے کہا۔

میں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اب ان لوگوں کے ساتھ بندھے رہنے کی حجت سے نجات مل گئی تھی۔ اس اعلان سے بظاہر تو سب مایوس تھے۔ ہم یہاں دس روز کے لئے آئے تھے اور ساتویں دن واپس جا رہے تھے لیکن فیصلہ بادل نخواستہ اور سب کی خواہش پر کیا گیا تھا اسی لئے کسی نے اعتراض بھی نہیں کیا۔

سب لوگ گروپس میں شہر جا کر شاپنگ کا پروگرام بنا رہے تھے اور میرے علاوہ کوئی بھی کملیش کا ساتھی بننے پر تیار نہیں تھا، اس لئے ہم دونوں اکیلے رہ گئے۔

''کملیش میں حضرت بل جا رہا ہوں لیکن اکیلا۔'' میں نے اچانک ہی اس سے کہا۔

وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا اور بولا۔ ''واقعی؟''

شاید اسے میری بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

''ہاں۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

حضرت بل جانے کا فیصلہ میں نے اچانک نہیں کیا تھا۔ نہ ہی یہ میرا اختیاری فیصلہ تھا۔ یہ فیصلہ مجھ سے کسی نادیدہ قوت نے کروایا تھا۔ شاید قدرت خود ہی میرے لئے کسی دوسرے راستے کا انتخاب کر چکی

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی۔ جانے کیوں مجھ پر آسیہ سے ملنے کی دھن سوار تھی۔

میں اس کے ادھورے سوال کا جواب دینا چاہتا تھا۔ میں اسے بتانا چاہتا تھا کہ میں نے ان کا دکھ جان لیا ہے اور میں اس دکھ کو شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ میرا اور اس کا ایک مضبوط رشتہ ہے جو ہم دونوں نے نہیں، ہمارے بزرگوں نے بھی نہیں بلکہ بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے بنایا تھا اور میں اس مضبوط رشتے سے پہلو نہیں بچا سکتا تھا۔

''گڈ لک!'' میری روانگی پر کلیش نے میرا حوصلہ بڑھایا۔

اسے اس فیصلے سے خوشی ہوئی تھی۔ میرے اندر آنے والی تبدیلی کو اس نے جان لیا تھا کیونکہ وہ میرے ساتھ رہا تھا اور جس کرب سے میں گزرا، وہ بھی گزر چکا تھا۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور باہر نکل آیا۔

ریسٹ ہاؤس سے کچھ فاصلے پر ایک رکشا میں سوار ہو کر میں حضرت بل پہنچ گیا جسے آج بھی چاروں طرف سے فوج نے یوں گھیر رکھا تھا جیسے یہ دشمن کا کوئی مضبوط قلعہ ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے انہیں ابھی تک اگر وادیوں کے یہاں سے نکل جانے کا یقین نہ آیا ہو۔

وہ ہر آنے جانے والے کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے تھے جس پر ذرہ برابر بھی شک گزرتا، اس کی تلاشی لیتے اور مطمئن ہونے کے بعد ہی اسے آگے جانے دیتے۔

حیرت تو مجھے اس بات پر ہوئی کہ انہوں نے مجھے روکا نہیں۔ حالانکہ میں ان سب لوگوں سے بالکل مختلف اور الگ تھلگ دکھائی دے رہا تھا۔

جھیل ڈل کے کنارے واقع حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کے اس روحانی مرکز کو سری نگر کے نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے نزدیک اہم حیثیت حاصل رہی ہے۔ ایران سے آنے کے بعد حضرت امیر کبیر نے جھیل ڈل کے کنارے اسی مقام پر قیام کیا تھا جو آج مرجع خلائق ہے۔

اس سے پہلے تو مجھے ڈھنگ سے عمارت دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ آج جب میں ایک نئے عزم کے ساتھ یہاں آیا تو اس عالی شان عمارت کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ لیکن اس خوبصورت مسجد اور ملحقہ درگاہ کے اردگرد لٹے پٹے انسانوں کا ایک بحر بیکراں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ دو روز پہلے یہ لوگ یہاں موجود نہیں تھے۔ پہلے تو میں یہی سمجھا شاید یہ زائرین ہیں لیکن جلد ہی یہ تلخ حقیقت عیاں ہوئی کہ یہ نور باغ، بلبل نگر، کاؤ ڈارہ اور نا... مارروڈ کے وہ معزز ساکنین ہیں جو دو روز پہلے تک اپنے آرام دہ اور عالی شان گھروں میں سکھ کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

حضرت بل پر مجاہدین کے قابض ہونے کا غصہ بھارتی فوجیوں نے سارے سری نگر پر نکالا تھا۔ اسی روز نالہ مارروڈ پر بھارتی فوج پر مجاہدین نے حملہ کیا تھا جس میں فوج کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا تھا اس لئے فوج نے علاقے کے مکانوں کو جلا کر رکھ کر دیا تھا۔ فوج کا خیال تھا کہ مجاہدین نے اسی علاقے میں پناہ لے رکھی ہے۔ انہوں نے اس علاقے کو گھیرے میں لے کر یہاں کے مکینوں کو باہر نکلنے کا حکم دیا۔ انہیں ایک میدان میں اکٹھا کرنے کے بعد اس علاقے کو آگ لگا دی گئی۔

سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے جل کر راکھ ہو گیا اور اب یہ لوگ حضرت بل میں پناہ لئے بیٹھے تھے۔

مجھے ان لوگوں کی حالت پر بہت رحم آ رہا تھا لیکن میں ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

''موئے مبارک'' کی زیارت کے بعد میں نے اس کمرے کا رخ کیا جہاں آسیہ سے آخری ملاقات ہوئی تھی۔

مجھے نجانے کیوں امید تھی کہ میں اس سے مل پاؤں گا۔ اس سے ملنے کے لئے میں اتنا بے چین کیوں ہوا جا رہا تھا؟ اس وقت میں اپنی اس خواہش کو کوئی نام نہ دے سکا۔

کمرے میں ایک بزرگ اکیلے بیٹھے تھے۔ شاید وہ سرکاری ملازم تھے کیونکہ یہ کمرہ کوئی سرکاری دفتر ہی دکھائی دیتا تھا۔ بعد میں علم ہوا کہ اس کمپلیکس کے نگران تھے۔

میں نے انہیں سلام کیا اور ان کے نزدیک ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

وہ حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے میری خیریت دریافت کی۔

میں نے انہیں بتایا کہ میں دہلی سے آیا ہوں اور اخبارات میں آسیہ کے تذکرے پڑھ کر اس سے ملنے آ گیا ہوں۔

بزرگ کی حیرانی مزید بڑھ گئی۔ ''بیٹا! میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔''

انہوں نے جس لہجے میں مجھے جواب دیا اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور میری مدد کر سکتے ہیں اور میرا یہ اندازہ بالکل صحیح نکلا کہ یہاں کے تمام لوگ مجاہدین سے تعاون کرتے تھے۔

''دیکھئے آپ حالات کی نزاکت سے آگاہ ہیں۔ میں بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچا ہوں۔ میں کوئی سرکاری جاسوس نہیں، ایک طالب علم ہوں۔'' یہ کہہ کر میں نے اپنا شناختی کارڈ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

بزرگ نے غیر ارادی طور پر میرا کارڈ دیکھنا شروع کر دیا۔ پھر مجھے کارڈ لوٹاتے ہوئے بولے۔

''لیکن بیٹا! میں اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔'' ان کا لہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ وہ ضرور آسیہ کو جانتے ہیں۔

اس مرتبہ تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ بزرگ ضرور مجھے آسیہ تک پہنچا دیں گے۔ میں نے قسمیں کھا کر انہیں یقین دلانے کی کوشش کی اور آخر میں نے کہا جب تک میں آسیہ کو نہیں دیکھ لوں گا، یہاں سے نہیں جاؤں گا۔

وہ بے چارے مخمصے کا شکار دکھائی دے رہے تھے۔ میری قسموں سے زیادہ شاید میرے لہجے کی سچائی سے متاثر ہو گئے تھے۔

❁❁

پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ باہر نکل گئے۔ اس مرتبہ وہ ایک نوجوان کے ساتھ اندر آئے اور دروازہ بند کر لیا۔

اس نوجوان نے بڑی درشتی سے میرا مکمل جغرافیہ دریافت کیا اور مجھے بلا کم و کاست اسے سارا قصہ سنانا پڑا۔

''ہوں۔'' نوجوان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر بزرگ سے کشمیری زبان میں باتیں کرنے لگا۔

دونوں ایک دوسرے سے تین چار منٹ باتیں کرتے رہے جس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑا۔ اس دوران میں وہ کبھی کبھی میری طرف بھی دیکھ لیتے تھے۔ آخر کار وہ کسی نتیجے پر پہنچ کر خاموش ہو گئے۔

اب نوجوان مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''دیکھو میرے بھائی! ہم اسلام کے رشتے سے تمہاری باتوں پر یقین کرتے ہوئے تمہیں آسیہ بہن تک پہنچا دیں گے لیکن ایک بات کا خیال رکھنا، کسی بھی مرحلے پر اگر ہمیں شک گزرا اور اس کی تصدیق ہو گئی تو سارے بھارت کی فوج مل کر بھی تمہیں نہیں بچا سکے گی۔''

''آپ مطمئن رہیں، وہ مجھے پہچان لیں گی۔''

اس نے میری طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی ہدایت کے مطابق میں عمارت سے باہر نکل آیا جہاں کچھ فاصلے پر وہ موجود تھا۔ اس نے میرے آگے آگے چلنا شروع کیا۔ مجھے اس کا تعاقب کرنا تھا لیکن میری چھٹی حس مجھے بار بار احساس دلا رہی تھی کہ کوئی میرا بھی تعاقب کر رہا ہے۔

ہم دونوں فوجیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ڈل جھیل تک پیدل پہنچ گئے۔ جہاں ایک کشتی کے ذریعے ایک دوسرے سے اجنبی بنے سفر کرتے ہوئے ہم دوسرے کنارے آ گئے۔

نوجوان پہلے باہر نکلا۔ اس کی ہدایت کے مطابق میں بعد میں اترا پھر پہلے کی طرح اس کا تعاقب کرتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اس مرتبہ سفر قدرے طویل تھا۔

تقریباً ڈھائی تین کلومیٹر پیدل چلنے کے بعد وہ نوجوان ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ شاید کسی کا منتظر تھا۔ ہدایات کے مطابق مجھ اس سے کچھ فاصلے پر رہنا تھا۔

اللہ اللہ کر کے مطلوبہ شخص آ گیا۔

اب مجھے اس کا تعاقب کرنا تھا۔ اگلے ایک گھنٹے میں اس طرح مختلف مقامات پر رک کر دو اور گائیڈ تبدیل ہوئے۔ آخر کار ہم چھانہ پورہ پہنچ گئے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری منزل کہاں ہے۔

چھانہ پورہ کے تنگ و تاریک بازار سے گزرتے ہوئے اچانک ہی ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور کسی نے مجھے علوی کہہ کر پکارا۔

میں اچانک ہی پلٹا کہ پکارنے والے کو دیکھ سکوں لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے زبردست جھٹکا لگا جب طاقتور ہاتھوں نے مجھے جھٹکا دے کر دروازے کے اندر کھینچ لیا۔ میرے عقب میں دروازہ بند ہو گیا۔

اس اچانک جھٹکے سے میں بمشکل ہی سنبھل پایا تھا۔ میرے سامنے چار مسلح نوجوان موجود تھے۔ ان میں سے ایک نے معذرت کرتے ہوئے مجھے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ابھی تک ان کے رویے سے کسی شک و شبے کا تو نہیں البتہ انتہائی محتاط ہونے کا تاثر ضرور مل رہا تھا۔

''معاف کیجئے، آپ کو زحمت تو ہو گی لیکن جب تک ہم پوری طرح مطمئن نہ ہوں، کسی پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔''

''مجھے آپ کے طریق کار سے مکمل اتفاق ہے اور زحمت کی بجائے خوشی ہو رہی ہے۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو شاید اس سے بھی زیادہ حفاظتی اقدامات کرتا۔'' میں نے دیانت داری سے کہا۔

اسی اثناء میں سامنے کا دروازہ کھلا۔ ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ جس نے مقامی زبان میں ان سے کچھ باتیں کیں اور چاروں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے باری باری پہلے ایک دوسرے کی طرف پھر میری طرف دیکھا اور آخر میں وہی نوجوان مجھ سے مخاطب ہوا جس نے مجھے کرسی پر بٹھایا تھا۔

''ٹھیک ہے، ہم نے دہلی سے تصدیق کر لی ہے۔ آپ آسیہ بہن جی سے مل سکتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

میں نے دل ہی دل میں ان کے حفاظتی نظام اور اقدامات کو سراہا۔ بڑے محتاط لوگ تھے۔ انہوں نے جب تک دہلی میں اپنے کسی ساتھی کو فون کر کے میری فراہم کردہ معلومات کی تصدیق نہیں کی، مجھے

WWW.PAKSOCIETY.COM

مصروف رکھا۔

''آپ کو یہاں سے جیپ میں سفر کرنا پڑے گا۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ اب کچھ دیر کے لئے ہم آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھیں گے۔''

''مجھے منظور ہے۔'' میں نے اپنی خوشی کو دباتے ہوئے کہا۔ مجھے عجیب سے جوش اور روحانی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔

اس مرتبہ زیادہ دیر نہیں لگی۔ بمشکل پندرہ بیس منٹ کے سفر کے بعد ہم منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ جیپ میں سوار ہوتے ہی انہوں نے میری آنکھوں پر کالی پٹی چڑھا دی تھی اور اب میں کسی کا ہاتھ تھامے زگ زیگ انداز میں چل رہا تھا۔

مجھے علم نہیں تھا کہ ہم کہاں سے سوار ہوئے اور کہاں پہنچے تھے۔ جب آنکھوں سے پٹی اتری تو میں ایک کمرے میں موجود تھا۔ وہاں ایک الماری میں قرآن پاک اور دینی کتب سجی ہوئی تھیں۔ مجھے یہاں پہنچانے والا معذرت خواہ تھا کہ مجھے زحمت ہو رہی ہے۔

اچانک ہی کمرے کا عقبی دروازہ کھلا اور آسیہ ایک بزرگ کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ بے اختیار میرا ہاتھ سلام کے لئے اٹھا اور نظریں جھک گئیں۔

اس نے اپنا سر اچھی طرح ڈھانپ رکھا تھا لیکن چہرہ مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں اسے دیکھ کر اچانک ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ایسا پروقار حسن میں نے زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''تشریف رکھئے۔'' اس نے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے بڑے شائستہ انداز میں بیٹھنے کو کہا۔

''شکریہ۔'' کہہ کر میں بیٹھ گیا۔

''خیریت! آپ کو مجھ سے ملنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' اس نے کہا۔

''میں آپ سے کبھی نہ ملتا اور پرسوں دہلی واپس چلا جاتا لیکن کل لال چوک میں جلوس اور اس کا انجام دیکھنے کے بعد میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ اب میں واپس اپنے گھر جاؤں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

آسیہ نے بے یقینی کے انداز میں میری طرف دیکھا۔

''آپ شاید جذباتی ہو رہے ہیں، نوجوانوں میں یہ کمزوری بہرحال ہوتی ہے۔'' وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔

''نہیں براہ کرم آپ اتنی بے رحمی سے فیصلہ نہ دیں۔'' اس کے جواب سے میری خودداری کو ٹھیس پہنچی تھی۔

''آپ میری کسی بات کا برا مت مانئے گا علوی صاحب۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''دراصل بھارتی مسلمانوں کی طرف سے جس بے حسی کا مظاہرہ ہو رہا ہے اس نے ہمیں خاصا بددل کیا ہے۔''

''میں کوئی جذباتی نوجوان نہیں ہوں، نہ ہی یہاں بھارتی مسلمانوں کی نمائندگی کرنے آیا ہوں۔ میں تو یہاں ایک تفریحی ٹرپ پر آیا تھا۔ پے در پے ہونے والے حادثات نے میری کایا پلٹ دی ہے۔ مجھے شدت سے اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ بطور مسلمان میں نے اپنے فرض میں کوتاہی کی ہے۔ شاید آپ میری اس بات سے اتفاق نہ کریں کہ حضرت بل میں آپ سے آخری گفتگو ہونے تک میرے نظریات کشمیریوں کے بارے میں وہی تھے جو ہمیں بتائے اور سمجھائے گئے ہیں لیکن اب.....''

''اب کیا؟'' اس نے اچانک میری بات کاٹ دی۔

''اب میں دو روز پہلے والا لاابالی نوجوان نہیں رہا اور آج میں یہاں سے واپس دہلی جانے کے لئے نہیں آیا۔'' میں نے یہ بات قدرے جوش سے کہی تھی۔

انہوں نے باری باری ایک دوسرے کی طرف دیکھا، کشمیری زبان میں کچھ باتیں کیں۔ اسی اثناء میں وہاں قہوہ آ گیا جس کے ساتھ کچھ اور لوازمات بھی تھے۔

ہم سب زمین پر ایک دسترخوان کے گرد بیٹھ گئے۔

پھر وہ بزرگ مجھ سے مخاطب ہوئے جو آسیہ کے ساتھ آئے تھے۔

''میرے عزیز! ہمیں آپ کے جذبات کی قدر ہے، احساس ہے، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی آپ نے ان مشکلات کا اندازہ نہیں لگایا جن سے اس فیصلے کے بعد آپ گزر سکتے ہیں۔''

''مجھے خوب اندازہ ہے ان مشکلات کا۔'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''سب کچھ سوچنے سمجھنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔''

دس پندرہ منٹ تک وہ مجھے مختلف دلائل سے سمجھاتے رہے کہ میں غلطی کر رہا ہوں۔ شاید وہ مجھے آزمانے کے لئے ایسا کر رہے تھے لیکن میں اپنی بات پر ڈٹا رہا۔

آخرکار میں انہیں یقین دلانے میں کامیاب رہا کہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر جہاد کا فیصلہ کیا ہے اور اب میں ہرگز اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔

''ٹھیک ہے، الحمدللہ! ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں اور مبارکباد دیتے ہیں کہ آپ نے یہ فیصلہ

Waqar Azeem

کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عزم کو سلامت رکھے، استقامت نصیب فرمائے اور آپ کو جہاد کی تمام تبرکات سے مستفید کرے۔" انہیں آخری میری بات پر یقین آ ہی گیا۔

انبساط کی ایک تیز لہر میرے اندر ہی اندر اٹھی اور مجھے یوں لگا جیسے میرے دل و دماغ پر موجود سارا بوجھ ہٹ گیا ہو۔

"فی الوقت آپ کو دہلی واپس جانا ہوگا۔ آپ کا واسطہ بڑے چالاک دشمن سے ہے۔ شاید آپ کو اس بات کا علم نہیں لیکن ہمارے ذرائع کے مطابق خصوصاً آپ اور آپ کے دوست کملیش کی سرگرمیوں کو مانیٹر کیا جا رہا ہے۔ حضرت بل تک آپ کا تعاقب کیا گیا لیکن تعاقب کرنے والے کو اس بات کا علم نہیں کہ آپ وہاں سے جا چکے ہیں۔ وہ ابھی تک دروازے پر آپ کا منتظر ہے۔ ابھی آپ کو ہم بحفاظت ریسٹ ہاؤس تک پہنچا دیں گے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آپ اپنے کسی عزیز ترین دوست سے بھی اس ملاقات کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ ابھی معمول کے مطابق دہلی واپس جائیے۔ پھر سوچئے اور اگر اللہ آپ کو استقامت دے، اس فیصلے پر قائم رکھے تو آپ دوبارہ سری نگر آئیں۔ ہم آپ کے منتظر ہوں گے۔" آسیہ نے بہت پروقار انداز میں کہا۔

میں جانتا تھا کہ وہ ایسا حفظ ماتقدم کے طور پر کر رہے ہیں اگر میں یہاں غائب ہو جاتا تو دہلی میں سکیورٹی کے لوگ میرے خاندان بھر کو زندہ درگور کر دیتے۔

تقریباً آدھ گھنٹے بعد میں وہاں سے دعاؤں اور عزم کے ساتھ رخصت ہو رہا تھا۔ اس مرتبہ پھر انہوں نے مجھے آنکھوں پر پٹی باندھ کر وہاں سے نکالا اور ایک مخصوص مقام پر پہنچ کر آنکھوں سے پٹی کھول دی۔

میں ریسٹ ہاؤس پہنچا تو شام اتر رہی تھی۔

میں نے بطور احتیاط کچھ خریداری کر لی تھی تاکہ اتنی دیر تک غائب رہنے کا جواز پیش کر سکوں۔

کملیش میرا منتظر تھا۔ اس نے میرا بدلا ہوا اور روپیہ اور تیور دیکھ لئے تھے۔ ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی اور اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے میرے کندھوں پر ہاتھ مار کر شاید اس فیصلے پر داد دی تھی جس کا علم تو اسے نہیں تھا کیونکہ میں نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا لیکن جس کا اندازہ اس نے بالکل صحیح لگایا تھا۔

اگلا روز میں نے کملیش کے ساتھ سیر و تفریح کر کے گزارا۔ ستم رسیدہ کشمیریوں کے چہروں پر کرب و الم کی ایک داستان رقم تھی۔ وہ زبان سے کچھ بھی نہ کہتے تو ان کے چہروں خود پر ٹوٹنے والی قیامت کی

کہانیاں سنانے کے لئے کافی تھے۔

❁❁

شام کو ہم ریسٹ ہاؤس لوٹے تو پروفیسر شکلا کو اپنا منتظر پایا۔

"علوی! کوئی صاحب تم سے ملنے آئے ہیں۔" انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

"کون ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"معلوم نہیں، شاید کوئی سرکاری آدمی ہے۔ تبھی سے بات کرنے پر بضد ہے۔" پروفیسر شکلا مجھے کچھ بدلا بدلا سا دکھائی دے رہا تھا۔

"میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔" میں نے قدرے پریشانی سے کہا۔

"کمال ہے، شکلا صاحب! سرکاری آدمی صرف علوی ہی سے کیوں ملنے آیا ہے؟ آخر ہم سب بھی اس ٹرپ میں شامل ہیں؟" کملیش نے قدرے غصے سے کہا۔

"دیکھو کملیش! یہ سرکاری معاملات ہیں۔ میں تو اس وقت کو پچھتا رہا ہوں جب میں نے اس تفریحی ٹور کے لئے رضامندی ظاہر کی تھی۔ پلیز تم معاملات کو بگاڑو مت۔ میں نے اس سے بات کی ہے۔ یہاں قانون ان کی مرضی کے مطابق چلتا ہے۔ ہماری طرف سے معمولی سی مداخلت بھی شاید علوی کے لئے زیادہ پریشانیاں پیدا کر دے۔" انہوں نے قدرے زچ ہو کر کہا۔

"رہنے دو کملیش! میں دیکھتا ہوں کون ہے یہ ذات شریف اور انہیں مجھ سے ہی کیا کام آن پڑا ہے۔" میں نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

میرے ذہن و دل پر خوف کی کوئی پرچھائیں تک نہ تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں کامن روم کی طرف جا رہا تھا جہاں وہ "سرکاری آدمی" بے چینی سے میرا منتظر تھا۔

"تشریف رکھیں۔" اس نے میری شکل دیکھتے ہی سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

مختنی سے جسم اور ناٹے قد کے اس شخص کو دیکھنے کے بعد فوراً اس سے متعلق کوئی بھی غلط رائے قائم کی جا سکتی تھی۔

نہ جانے کیوں مجھے غصہ آ گیا۔ "فرمائیے، کون ہیں آپ؟ کیا کام ہے آپ کو مجھ سے؟" میں نے قدرے تلخی سے کہا۔

"میرا نام حسن میر ہے اور میں انٹیلی جنس آفیسر ہوں۔ آپ کو زحمت دینے کے لئے معذرت خواہ ہوں لیکن یہاں حالات ایسے ہیں کہ..... آپ ہماری مجبوری سمجھتے ہی ہوں گے۔" اس نے بڑی مکاری

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے گھنی مونچھوں تلے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے ان حالات سے کچھ لینا دینا نہیں۔ آپ مطلب کی بات کریں۔" میرا لہجہ سرد تھا۔

"آپ ناراض دکھائی دیتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک یہ کوئی غیر معمولی بات ہے لیکن یہاں یہ معمول کی بات ہے۔ غصہ تھوک دیجئے اور میرے سوال کا جواب دیجئے۔" اس نے گویا الفاظ چبا چبا کر کہا۔

"میں بھی تو آپ سے یہی عرض کر رہا ہوں۔" میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ "فرمایئے، کیا سوال ہے آپ کا؟"

"آپ حضرت بل گئے تھے؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"ہاں گیا تھا۔" میں نے بے خوفی سے جواب دیا۔ "کیا وہاں جانے کے لئے اجازت لینا پڑتی ہے؟"

"حضرت بل سے باہر آنے کے بعد آپ اچانک غائب ہو گئے اور یہاں دو گھنٹے بعد پہنچے ہیں۔ اس عرصے میں آپ کہاں رہے؟" اس نے میرے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے پولیس والوں کا مخصوص لہجہ اپنا لیا۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بعد میں ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا تو تفصیلات لکھتا رہتا۔ میری یادداشت کچھ ایسی غیر معمولی نہیں۔" میں نے بھی اپنے لہجے میں تلخی برقرار رکھی۔

"آپ کو شاید یہ سب کچھ اچھا نہیں لگا لیکن ایک بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اس طرح آپ اپنے لئے مسائل پیدا کر لیں گے۔ آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ انڈین شہری ہونے کے علاوہ آپ مسلمان بھی ہیں۔" اس نے مجھے صورت حال کی سنگینی کا اس انداز سے احساس دلانا چاہا۔

"یہ الزام تو آپ پر بھی عائد کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ نے مجھے اپنا نام صحیح بتایا ہے۔" میں نے قدرے غصے سے کہا۔ "اور میں نہ صرف بھارتی ہوں بلکہ ایک پڑھا لکھا باشعور شہری ہونے کے ناطے مجھے اپنے حقوق و فرائض کا بھی بخوبی علم ہے۔ بھارتی آئین میں کہیں نہیں لکھا کہ میں آپ کو اپنی دن بھر کی کارروائی سے آگاہ کروں۔ اس سے پہلے کہ میں یہ سارے واقعات اپنے ساتھیوں کے علم میں لاؤں، آپ مہربانی فرما کر یہاں سے تشریف لے جائیں۔" یہ کہہ کر میں غصے سے پیر پٹختا باہر نکل آیا۔

"آپ اچھا نہیں کر رہے۔" پیچھے سے مجھے اس کی آواز سنائی دی لیکن میں نے اس پر توجہ دینا مناسب نہ جانا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

کوریڈور میں پروفیسر شکلا اور کملیش میرے منتظر تھے۔

"خیریت؟" کملیش نے میرے چہرے سے میرے اندر بپا طوفان کا قدرے اندازہ کر لیا تھا۔

"شکلا صاحب! آپ کو علم نہیں تھا کہ یہ کون شخص ہے۔ کیا آپ ہمیں سی آئی ڈی کے ہاتھوں ذلیل کرنے کے لئے لائے ہیں؟" میں نے کملیش کی بجائے شکلا صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔

"کیا..... کیا مطلب ہے تمہارا..... کون تھا وہ؟" شکلا صاحب کے جواب دینے سے پہلے کملیش نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"آئی ایم سوری یار! مجھے اس نے کچھ نہیں بتایا۔ میں تو یہی سمجھا کہ وہ تمہارے کوئی جاننے والا ہے۔" پروفیسر شکلا نے اپنی صفائی پیش کی۔

پھر پروفیسر شکلا قدرے بدحواس ہو گئے کیونکہ کملیش کا رخ اب میری بجائے ان کی طرف تھا اور وہ اس سے بحث کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

"آپ کو سب معلوم تھا سر!" اس نے تلخی سے کہا۔ "غلط بیانی کیوں کر رہے ہیں آپ؟"

ہمارے ساتھی بھی وہاں جمع ہونے لگے تھے۔ جب انہیں میری زبانی اس بات کا علم ہوا کہ کوئی انٹیلی جنس والا یہاں انکوائری کرنے آیا تھا تو وہ سب مشتعل ہو گئے۔

پروفیسر شکلا نے بہت مشکل سے ان کا غصہ ٹھنڈا کیا اور مجھ سے معذرت کرتے رہے۔

انہوں نے ہم سبھی کو یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ وہ حسن میر کو نہیں جانتے اور نہ ہی انہیں اس بات کا علم تھا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے۔

پھر میرے ہی کہنے پر معاملہ رفع دفع ہوا۔

❁❁

سری نگر سے دہلی تک کا سفر کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔

سری نگر کے واقعات کی تلخی سب محسوس کر رہے تھے۔ ہم اپنے معمول کے مطابق ہنستے بولتے آئے تھے لیکن ہر فرد کے ذہن میں یہ بات ضرور رہی تھی کہ ہم نے جو کچھ دیکھا، کیا واقعی وہ سچ تھا؟

"یار اسے ڈراؤنا خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔ کم از کم میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں۔" کملیش نے دہلی پہنچنے پر مجھ سے کہا۔

لیکن میں یہ سب کچھ کبھی نہ بھلا سکا۔

یہاں آ کر مجھے یوں لگا جیسے میں ادھورا ہو گیا ہوں۔ میرا جسم تو یہاں تھا لیکن میرا دل سری نگر ہی میں رہ گیا تھا۔

WAQARUPDANS

آسیہ نے آخری لمحات میں مجھ سے جو کچھ کہا تھا۔

سری نگر میں بھارتی فوج کی گولیوں سے میں نے جس طرح مظلوم کشمیریوں کو مرتے اور تڑپتے دیکھا تھا۔

حضرت بل کے اندر اور باہر کے مناظر! سب ایسی زندہ حقیقتیں تھیں جنہوں نے مجھے پھر کبھی مطمئن نہ رہنے دیا۔

ایک بے کلی سی دل کو لگی رہتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ ابھی اڑ کر دوبارہ سری نگر پہنچ جاؤں۔ یہ تبدیلی جو اچانک میرے اندر پیدا ہو گئی تھی، شاید اس انقلاب کے لئے میں کبھی تیار نہیں تھا۔ میں نے بہت سے فیصلے اچانک ہی کر لئے جن میں میرے گھر والوں کے لئے چونکا دینے والا فیصلہ یہ تھا کہ میں نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر خود کو بزنس تک محدود کر لیا ہے۔ والد صاحب نے تو اس پر شکرانے کے نفل ادا کئے کیونکہ وہ کبھی میری اعلیٰ تعلیم کے حق میں نہیں رہے تھے اور بہر صورت مجھے اپنا بزنس سنبھالنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

ہمارا اگربتیاں بنانے کا کاروبار ہے اور بھارت کے کونے کونے میں ہی نہیں دنیا کے اکثر ممالک میں ہمارا مال پسند کیا جاتا ہے۔ والد صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر میں ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں تو ہمارا کاروبار دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے لگے۔

میں ان کے ساتھ شامل تو ہو گیا لیکن میرے والد صاحب کو اس بات کا علم کبھی نہ ہو سکا کہ میں ان کی طرح بزنس مین کبھی نہیں بن سکتا۔ مجھے تو سری نگر آنے جانے کے لئے کوئی مضبوط جواز چاہئے تھا اور وہ اسی صورت میں مل سکتا تھا کہ میں بزنس کی آڑ لے لوں۔

میں نے اپنے والد صاحب کو بتایا کہ سری نگر میں ہماری پروڈکٹ کی فروخت کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ انہوں نے فوراً میری بات تسلیم کر لی کیونکہ ہمارا مال پہلے ہی وہاں جا رہا تھا۔

میں نے سوچا، کسی بھی طرح، کہیں سے بھی اپنے کام کا آغاز تو کروں۔ ٹیلی فون پر انہوں نے سری نگر میں اپنی پارٹی سے رابطہ کر کے میرا تعارف کروایا اور اگلے تین روز کے بعد میں سری نگر جا رہا تھا۔

میں نے ٹرین کی بجائے ایک بزنس مین کی حیثیت سے ہوائی جہاز کے سفر کو ترجیح دی اور ایک روز دہلی سے ایئر انڈیا کی پرواز مجھے سری نگر کی طرف لے جا رہی تھی۔

❁❁

میں ایئر انڈیا کے جس فوکر جہاز کے ذریعے سری نگر پہنچا تھا، اس میں میرے علاوہ بمشکل تیس

مسافر اور تھے۔ یہ سب وہ لوگ تھے جن کا سری نگر جانا ان کے لئے ناگزیر تھا ورنہ ایسے حالات میں وہاں جانے کا خطرہ کون مول لیتا۔

میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک فوجی افسر بیٹھا تھا۔ دہلی سے ٹیک آف کرنے کے بعد اس نے اپنا تعارف کیپٹن ناگرک کے نام سے کروایا۔

کیپٹن ناگرک بڑا اداس اور قدرے حواس باختہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی شادی ایک ماہ پہلے ہوئی تھی اور گزشتہ ماہ اسے ہنی مون منانے کے لئے فوج سے بمشکل ایک ماہ کی رخصت ملی تھی۔

اسے اچانک اس بات کا علم ہوا کہ اس کی یونٹ سری نگر پہنچ گئی ہے اور اسے اب وہاں رپورٹ کرنا ہے تو بقول ناگرک اس کی بیوی نے رونا شروع کر دیا تھا۔

کیپٹن ناگرک کو بزدل نہیں کہا جا سکتا۔ میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ اس کا تعلق ایک فوجی گھرانے سے تھا۔ اس کے باپ دادا نے بھارت ماتا کی بہت سیوا کی تھی۔ اس نے بھی اپنی خاندانی روایات کے مطابق فوج میں کمیشن لیا تھا۔

''بس عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔'' اس نے قدرے اداسی سے کہا۔

وہ دراصل مجھ پر ہی یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ بزدل نہیں ہے اور نہ ہی اسے اس بات کی فکر ہے کہ اسے فوج کی اعلیٰ کمان نے اس برفیلے جہنم میں جھونک دیا ہے۔ اسے اپنی بیوی کی البتہ بہت فکر تھی۔

''بہت محبت کرتی ہے مجھ سے۔'' اس نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے لو میرج کی ہے اور محبت بھی بس یوں ہی ہو گئی۔ ان دنوں مجھے نیا نیا کمیشن ملا تھا جب اروناسے میری ملاقات اچانک ایک تقریب میں ہو گئی اور پہلی ہی ملاقات میں ہم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ ڈاکٹر ہے اروناسا اس وقت وہ فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔''

وہ مجھے اپنی محبت کی داستان اس وقت تک سناتا رہا جب تک پائلٹ نے سری نگر لینڈنگ کا اعلان نہ کر دیا۔

موسم خوشگوار تھا۔ ناگرک نے مجھے اپنا ایڈریس دیتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو مجھے بتانا۔ ہم دونوں جہاز اچھے دوست بن گئے تھے۔ اس نے مجھے مخلصانہ مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ میں اپنا کاروبار یہاں سے سمیٹ لوں کیونکہ یہاں حالات اب ایسے نہیں رہے جن پر بھروسا کیا جائے۔

میں نے اسے یقین دلایا کہ یہاں سے کاروبار سمیٹنے کی کوشش کروں گا۔ میرا بھی شاید سری نگر کا یہ آخری چکر ہے۔ اپنے گاہکوں سے رقم وصول کرنے کے بعد میں اب میں بھی دوبارہ اس طرف کا رخ

WWW.PAKSOCIETY.COM

نہیں کروں گا۔

جہاز نے سری نگر ایئرپورٹ کے دو تین چکر لگائے اور معمول کے مطابق لینڈ کر گیا۔

میں جہاز کی کھڑکی کی طرف بیٹھا تھا اور حیرانی سے ان فوجی جیپوں کو دیکھ رہا تھا جو جہاز کے لینڈ کرتے ہی اچانک کونوں کھدروں سے نمودار ہوئیں اور انہوں نے جہاز کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا تھا۔

اس صورت حال نے مجھے کچھ گھبراہٹ میں مبتلا تو کیا لیکن میں نے خود کو نارمل رکھا۔

بعد میں کیپٹن نے مجھے بتایا کہ یہ یہاں معمول کی پریکٹس ہے۔ ایمرجنسی کی وجہ سے عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس طرف آنے والے ہر جہاز سے دہشت گرد یا اسلحہ و ہتھیار برآمد ہوں گے۔

حالانکہ دہلی ایئرپورٹ پر روانگی سے قبل سری نگر جانے والی پرواز کی تلاشی کا معیار اتنا سخت تھا کہ مسافر پریشان ہو جاتے تھے۔ لاؤنج سے جہاز میں سوار ہونے تک ہماری کم از کم چار مرتبہ جامہ تلاشی لی گئی تھی اور اب یہاں فوج نے جہاز کو گھیر لیا تھا۔

"یہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" میں نے جہاز کے انجن بند ہونے پر کیپٹن سے پوچھا۔

"یار تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ آؤ میرے ساتھ۔" اس نے بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

دراصل میں نے راستے میں جس اپنائیت سے اس کی داستان محبت سنی تھی اور جس انداز میں اس سے ہمدردی ظاہر کی تھی اس کے بعد سے تو میں اس کے نزدیک کچھ زیادہ ہی محترم ہو گیا تھا۔

میں کیپٹن ناگرک کے ساتھ ہی سیڑھیوں سے نیچے اترا۔

جہاز کے دونوں طرف مستعد فوجی کمانڈوز خونخوار نظروں سے مسافروں کو گھور رہے تھے۔ شاید انہیں اس بات پر اعتراض ہو کہ یہ ہاں کیوں آئے ہیں؟ کیپٹن ناگرک میرے آگے تھا۔

جیسے ہی اس نے زمین پر قدم رکھا، اچانک ہی تین فوجی اس کی طرف بڑھے اور انہوں نے اپنی ایڑیاں بجا کر اسے تعظیم دی۔ کیپٹن میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور میرے کشیدہ اعصاب کو کچھ راحت ملی۔ باقی مسافروں کے ساتھ کیا سلوک ہونے جا رہا تھا، اس کا اندازہ میں نے لگا لیا تھا۔

❁❁

میں کیپٹن کے ساتھ ایک جیپ میں شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی یونٹ کے جوان اسے لینے آئے تھے اور میں بھی ان کا ہمسفر ہو گیا تھا۔ کیپٹن نے مجھے آرمی میس میں قیام کی بڑی فراخدلانہ پیشکش کی جسے میں نے شکریہ کے ساتھ لوٹا دیا اور اسے بتایا کہ اگر میرے گاہکوں کو اس بات کا علم ہوا تو وہ ناراض ہوں گے کیونکہ میں ان کے ہاں بھی قیام نہیں کرتا۔ مجھے اکیلے ہوٹل میں رہنا زیادہ پسند ہے۔

اس نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ ہم دونوں اسی جیپ میں شہر کے ایک اچھے ہوٹل تک پہنچے جہاں میں اتر گیا اور اس سے وعدہ کیا کہ جلد ہی اس سے رابطہ کروں گا۔

ہوٹل کے پورٹرز نے مجھے ایک فوجی جیپ سے برآمد ہوتے دیکھا تھا، اس لئے وہ میری کچھ زیادہ ہی عزت کر رہے تھے۔

میں نے ہوٹل آکاش میں کمرہ بک کروا لیا اور اپنے مختصر سامان کے ساتھ اس میں منتقل ہو گیا۔ میرے واحد سوٹ کیس میں کچھ کپڑے اور ایک بریف کیس میں کچھ کاروباری کاغذات اور ان اگربتیوں کے نمونے تھے جو میں اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔

جہاز نے ہمیں صبح گیارہ بجے یہاں پہنچایا تھا۔ میں نے دوپہر کا کھانا ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں کھایا اور تھوڑی دیر بعد ٹہلتا ہوا باہر نکل آیا۔

جگہ جگہ بھارتی فوجی پہرہ دے رہے تھے کیونکہ یہ ہوٹل یہاں کے اچھے ہوٹلوں میں شمار ہوتا تھا اور عموماً وی آئی پی شخصیات کے علاوہ ایڈونچر کے شوقین بھولے بھٹکے غیر ملکی سیاح بھی ہاں آ جاتے تھے۔ ان کا قیام بھی اسی ہوٹل میں ہوتا تھا۔ اسی لئے بھارتی فوج نے یہاں اپنی نفری بڑھا دی تھی۔

یہ لوگ بظاہر ایس ایل آر بندوقیں اٹھائے چاروں طرف بڑی مستعدی سے پہرہ دیتے دکھائی دے رہے تھے لیکن میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ یہ فریضہ خوش دلی سے انجام نہیں دے رہے ہیں کیونکہ ان کا کوئی نہ کوئی ساتھی آئے دن مجاہدین کی گولیوں کا نشانہ بنتا رہتا تھا۔

مجاہدین کا حوصلہ اتنا بڑھ چکا تھا کہ اب انہوں نے سری نگر شہر میں موجود بھارتی فوجیوں پر حملوں کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔ فوج کی گشتی پارٹیوں پر مجاہدین گھات لگا کر حملہ کرتے اور دو تین فوجیوں کو جہنم رسید کرنے کے بعد اچانک پر رونق بازار اور پیچیدہ گلیوں میں غائب ہو جاتے۔

اللہ جانے انہیں زمین نگل لیتی تھی یا آسمان کھا جاتا تھا کیونکہ ایسے ہر حملے کے بعد بھارتی فوج متعلقہ علاقے کو گھیرے میں لے کر کریک ڈاؤن کرتی تھی۔ لاؤڈ اسپیکر پر اعلان ہوتا کہ تمام لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل آئیں۔ مکینوں کو گھروں سے نکالنے کے بعد فوجی ان کے گھروں میں داخل ہو جاتے اور سارے گھر کو کھنگال کر رکھ دیتے۔ اگر انہیں معمولی سا شک بھی گزرتا تو گھر کو آگ لگا دیا کرتے تھے۔ عموماً ایک مکان کی آگ سے پورا پورا محلہ جل جاتا تھا کیونکہ یہاں مکان لکڑی کے بنے ہوتے تھے۔

مقامی آبادی کو گھنٹوں گھروں کے باہر کھڑا رکھنے کے بعد ان کی تلاشی لی جاتی اور معمولی شک

WWW.PAKSOCIETY.COM

گزرنے پر کسی بھی نوجوان کو بھارتی فوجی اٹھا کر لے جاتے جس کے بعد وہ شاید ہی زندہ سلامت اپنے گھر والوں تک پہنچ پاتا تھا۔

ایسے اقدامات سے بھارتی فوج کا مقصد شدید خوف و دہشت کی فضا پیدا کر کے مقامی آبادی کو مجاہدین کی مدد سے روکنے کی کوشش کرنا تھا لیکن قرائن یہی بتا رہے تھے کہ ان کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی اور فوجیوں پر اچانک حملوں کے واقعات میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا تھا۔

❁❁

میں نے جان بوجھ کر پہلے مقامی بازار کا رخ کیا اور یہاں خواہ مخواہ گھوم پھر کر بالکل بیوپاریوں کے سے انداز میں مارکیٹ کا جائزہ لیا اس کے بعد میں باہر سڑک پر آ گیا۔ نجانے کیوں میری چھٹی حس مجھے بار بار اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔

پھر اس کی تصدیق بھی ہو گئی لیکن یہاں یہ کوئی غیر معمولی بات بھی نہیں تھی جس سے میں گھبرا جاتا۔ ہوٹل میں رہنے والوں کے معمولات کا جائزہ لینا اور ان کی مسلسل نگرانی کرنا مقامی خفیہ پولیس کے فرائض میں شامل تھا کیونکہ انہیں ہر وقت اس بات کا دھڑکا لگا رہتا تھا کہ شاید یہ دہشت گرد ہو یا پھر مجاہدین کا شکار نہ ہو جائے۔

ابھی تک میرے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں آیا تھا کہ مجاہدین نے کسی عام سویلین پر حملہ کیا ہو لیکن بھارتی میڈیا تسلسل سے ایسے امکانات کو دہراتا رہتا تھا۔

میں اطمینان سے ہوٹل لوٹ آیا اور رات تک وہیں قیام کیا۔ رات کو میں نے ٹیلی فون پر اپنے گھر والوں سے بالکل کاروباری بات چیت کی پھر کیپٹن ناگرک کو فون کیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہاں ہوٹلوں کے فون ٹیپ کئے جاتے ہیں۔ کیپٹن ناگرک کے ساتھ فون پر بات کرنے سے کم از کم خفیہ پولیس والوں کو اس بات کا اطمینان ہو گیا تھا کہ میں کوئی مشتبہ شخص نہیں ہوں بلکہ میرے تعلقات فوج کے ساتھ بھی ہیں۔

دوسرے دن اتوار تھا۔

یہاں سرکاری طور پر اتوار کو چھٹی ہوتی ہے لیکن عوامی طور پر جمعے کو چھٹی منائی جاتی ہے۔ بہر حال میں نے آج مجاہدین سے رابطے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کے لئے حکمت عملی بھی ترتیب دے لی تھی۔

میں نے ہوٹل سے ٹیلی فون کر کے ٹیکسی منگوائی جس کا علم ہوٹل والوں کو بھی تھا اور اب میں اس ٹیکسی میں ایک مرتبہ پھر حضرت بل جا رہا تھا۔

حضرت بل میں مجاہدین کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق میں نے "رابطہ" کیا اور اگلے پندرہ بیس منٹ بعد ایک نوجوان میرے استقبال کے لئے وہاں پہنچ چکا تھا۔ چہرہ کچھ شناسا سا دکھائی دیا اور مجھے یاد آ گیا کہ اس سے میری پہلے بھی ملاقات ہو چکی ہے۔ البتہ تعارف نہیں ہوا تھا۔

"کامران نام ہے میرا۔" اس نے اپنا تعارف کرایا۔

"میرے نام کا تو آپ کو علم ہو گا۔" میں نے بے تکلفی کے ساتھ اس سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا۔

"سفر تو خیریت سے طے ہوا؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور ہم دونوں وہیں ایک کمرے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

یہاں ہماری چاروں طرف درجنوں لوگ گھوم رہے تھے لیکن میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ مجاہدین نے حضرت بل کے اندر اور باہر اپنی سکیورٹی کا ایسا مضبوط اور مربوط نظام قائم کر رکھا ہے کہ یہاں بھارتی خفیہ ایجنسیوں کی مداخلت کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ایسے متعدد واقعات کا علم مجھے بعد میں ہوا کہ جب کبھی بھارتی سکیورٹی ایجنسیوں نے اپنے کسی ایجنٹ کو یہاں داخل کرنے کی کوشش کی، ان لوگوں نے اس کی اچھی خاصی درگت بنا کر اسے واپس بھیج دیا۔

ہمارے لئے قہوے کی پیالیاں آ گئی تھیں۔

کامران نے مجھ سے کہا۔ "میں یہاں کے انتظامات کا ذمے دار ہوں۔ بہن جی نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا اور آپ پر اعتماد کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم بہن جی کی ہر بات کو حکم کا درجہ دیتے ہیں۔ اگر وہ آپ سے مطمئن ہیں تو ہمارے مطمئن نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرے بھائی، اسلام کے رشتے سے بڑا مضبوط رشتہ اور کوئی نہیں۔ اس کا احساس تمہیں ہو گیا ہو گا کیونکہ تم اپنا سب کچھ چھوڑ کر صرف اپنے دینی بھائیوں کی مدد کے لئے یہاں آئے ہو۔ مجھے علم نہیں کہ اس فیصلے کے محرکات کیا ہیں لیکن ہم تمہیں صرف ایک بات کا یقین دلاتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہماری جدوجہد میں شامل ہونے کے بعد جب تم اس جہاد میں شریک ہو جاؤ گے تو ہمارے لئے اتنے ہی محترم ہو جاؤ گے جتنے ہم سب ایک دوسرے کے لئے ہیں۔ تمہاری جان اور عزت ہمارے ساتھ سانجھی ہو جائے گی لیکن تمہیں بھی تمہارے نظم و ضبط پر عمل کرنا پڑے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔ میں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔ گزشتہ ملاقات میں بہن جی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ایک مرتبہ پھر سوچ لوں اور اب میں دوبارہ سوچنے کے بعد ہی آپ لوگوں میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

واپس آیا ہوں۔" اس کی بات سن کر میں نے بڑے تیقن سے کہا۔

"مرحبا، خوش آمدید!" وہ دوبارہ مجھ سے گرم جوشی سے بغلگیر ہوا۔

❁❁

آج سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ میں نے اتنا بڑا فیصلہ اتنی جلدی کیسے کر لیا۔ شاید انسان ساری زندگی تھیوری سے وہ کچھ نہیں جان پاتا جو اسے عمل سے چند منٹ بعد ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے بھارتی فوجیوں کو وحشیانہ انداز میں کشمیری مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ڈھاتے دیکھا تھا، اس کے بعد اس سے الگ تھلگ رہنا شاید میرے لئے ممکن نہیں تھا۔

مجھے اس لمحے یوں محسوس ہوا جیسے زندگی کے قیمتی سال میں نے یونہی ضائع کر دیے۔ مجھے تو بہت پہلے یہاں آ جانا چاہئے تھا۔

اللہ جانے وہ کون سا جذبہ تھا۔ میرے دل کا چور تھا یا پھر احتیاط پسندی کہ میں نے اس مجاہد کے سامنے نہ تو آسیہ کا ذکر کیا نہ ہی اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی اس کا احوال دریافت کیا۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو یہاں ایسا شائبہ بھی گزرے کہ میرے لاشعور میں کہیں آسیہ کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنے کی خواہش ہے۔

کامران کے لئے یہ سب کچھ اس لئے غیر معمولی نہیں تھا کہ مجھ سے پہلے سینکڑوں بھارتی مسلمان اس جہاد میں حصہ لے رہے تھے۔ بھارت ہی کیا دنیا بھر کے مسلمان اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کے لئے یہاں آ گئے تھے۔ اس کا اندازہ مجھے میدان عمل میں اترنے کے بعد ہوا کہ اسلام کا رشتہ کتنا پائیدار ہے اور باقی تمام رشتوں پر کتنا غالب!

کامران کے مشورے پر میں نے اسی روز ہوٹل سے چیک آؤٹ کر لیا۔ میرے ساتھ ایک بزرگ ہوٹل آئے تھے۔ میں نے ان کے بارے میں یہ تاثر دیا کہ یہ میرے عزیز ہیں اور انہیں میرا ہوٹل میں رہنا پسند نہیں اس لئے اپنے گھر لے جا رہے ہیں۔

میں نے رخصت ہوتے وقت ہوٹل والوں سے کہہ دیا کہ اگر یہاں کیپٹن ناگرک کا فون آئے تو اسے بتا دیں کہ میں اپنے ایک رشتے دار کے گھر چلا گیا ہوں۔ مجھے علم تھا کہ کیپٹن ضرور یہاں فون کرے گا اور اسے وقت ملا تو یہاں میری خیریت دریافت کرنے بھی ضرور آئے گا۔ سفر کے دوران میں وہ میرا اتنا ہی گرویدہ ہو گیا تھا۔

جن بزرگ کے ساتھ میں ہوٹل سے رخصت ہو رہا تھا انہیں دیکھ کر مجھے وہ بزرگ یاد آ رہے تھے

جن کے ساتھ میں نے پہلا سفر کیا تھا۔ معلوم نہیں وہ زندہ بھی تھے یا انہیں شہید کر دیا گیا تھا۔ زیادہ امکان تو اسی بات کا تھا کیونکہ بھارتی فوج کے لئے ایک لڑکی کے ہاتھوں اس طرح ذلت اٹھانے کے بعد اس کے کسی ہمراہی کا زندہ بچ جانا معجزہ ہی ہوتا۔

بزرگ خاصے ہوشیار اور مقامی صورت حال سے باخبر دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور میرے انکار کے باوجود میرا بریف کیس تھام لیا حالانکہ میں وہ بھی اپنے سامان کے ساتھ آسانی سے پکڑ سکتا تھا۔ ہم پیدل ہی چلنے لگے۔ چلتے ہوئے وہ محتاط نظروں سے چاروں اطراف کا جائزہ لیتے آئے تھے۔ شاید انہیں ہمارے تعاقب کا خطرہ رہا ہوگا۔

ایک خاص فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم دونوں رکشا میں سوار ہو گئے۔ رکشا والے سے انہوں نے جہاں چلنے کو کہا تھا اس جگہ کا نام نہ سن سکا۔ انہوں نے بات بھی کشمیری زبان میں کی تھی۔

میں نے دیکھا رکشا والا بار بار رخ تبدیل کر رہا تھا۔ ایک سڑک پر چلتے ہوئے اچانک ہی وہ کسی موڑ پر دوسری طرف گھوم کر پھر اس سمت میں چلنے لگتا جدھر سے ہم آ رہے تھے۔ اس کے بعد پھر کوئی اور موڑ گھوم کر اس طرف آ جاتا۔

آج چونکہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی نہیں تھی اس لئے مجھے اندازہ ہو گیا کہ قریباً آدھ گھنٹہ مختلف سڑکوں پر گھومنے کے بعد ہم اس علاقے کے نزدیک کسی محلے میں موجود تھے جہاں سے ہم نے سفر کا آغاز کیا تھا۔

ایک جگہ رکشا رک گیا۔ بزرگ نے مجھے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ جیسے ہی ہم نے اپنا سامان اتارا، رکشا والا چل دیا۔ جس سے میں نے بخوبی جان لیا کہ یہ بھی ان کا کوئی مجاہد ساتھی ہے۔

یہاں سری نگر میں یہ بات میں نے بطور خاص نوٹ کی تھی کہ کوئی مرد یا عورت یہاں ایسی نہیں تھی جس کا تحریک جہاد سے تعلق نہ رہا ہو۔ اگر کسی کا باقاعدہ تعلق نہیں بھی تھا تو بھی وہ اس تحریک کے ہمدرد ضرور تھے۔ جس کا ثبوت بعد میں پے در پے پیش آنے والے واقعات سے ملتا رہا۔

کوئی زخمی یا حملہ آور مجاہد جب پناہ لینے کے لئے کسی گھر میں داخل ہوتا تو سارا گھر مجاہدین کا اڈہ بن جاتا تھا۔ اس کے مکین اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر اس مجاہد کی زندگی بچانا مقصد حیات بنا لیا کرتے تھے۔

بزرگ کے تعاقب میں قدرے تیزی سے میں نزدیک گلی میں داخل ہو گیا جس کے کونے پر واقع ایک دکان میں ہم دونوں گئے اور اس کے دوسرے دروازے سے گلی کی عقبی سمت سے باہر نکل گئے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس دوران میں دکاندار نے صرف ایک مرتبہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

بزرگ نے اب دوسری گلی کا رخ کیا۔ ان کی رفتار اور پھرتی سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مجھ سے زیادہ جوان اور صحت مند ہوں۔ وہ چلتے چلتے شاید بطور احتیاط مڑ کر کبھی کبھی میری طرف دیکھ لیا کرتے تھے۔ گلیاں سنسان تھیں۔ البتہ گھروں کی کھڑکیوں سے کبھی کبھی کوئی چہرہ جھانک دکھائی دے جاتا۔

آٹھ دس منٹ تک اسی طرح چلنے کے بعد اب ہم جس گھر کے سامنے کھڑے تھے، اس کے مکین شاید ہماری ہی آمد کے منتظر تھے کیونکہ دروازے پر دستک دینے سے پہلے ہی انہوں نے دروازہ کھول دیا۔

بزرگ اور میں ایک دوسرے کے تعاقب میں بڑی تیزی سے اندر داخل ہوئے اور ہمارے عقب میں دروازہ بھی اتنی ہی تیزی سے بند ہوگیا۔

کمرے میں ہمارے استقبال کے لئے کامران اور دو مجاہد موجود تھے۔

ان دونوں سے مصافحہ کرنے کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے اپنے گلے لگا کر انہوں نے کشمیری زبان میں شاید دعاؤں سے نوازا اور اللہ حافظ کہہ کر رخصت ہوگئے۔

اب یہاں ہم چاروں کے سوا بظاہر کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کامران کے ساتھ جو باقی دونوں مجاہد تھے، وہ دونوں بھارتی مسلمان تھے۔ انہوں نے بہت گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔ کامران نے ان کا تعارف خلیل بھائی اور جبار بھائی کے نام سے کروایا۔

دونوں نے مجھے بتایا کہ وہ حال ہی میں ''بیس کیمپ'' سے واپس آئے ہیں۔ وہ دونوں یوپی کے بڑے ممتاز مسلم گھرانوں کے پڑھے لکھے نوجوان تھے۔ مجھے یہ جان کر حیرت بھی ہوئی کہ ان میں سے ایک ڈاکٹر تھا اور کسی سرکاری اسپتال کی جاب چھوڑ کر جہاد میں شامل ہوگیا تھا۔ شاید کامران نے بطور خاص میرے استقبال کے لئے ان دونوں کو یہاں بلایا تھا تاکہ مجھے زبان و بیان کے سلسلے میں کسی دقت کا سامنا نہ ہو یا پھر یہ بتانا مقصود تھا کہ میں اکیلا اس راہ کا مسافر نہیں بلکہ مجھ سے پہلے بھی یہ سعادت بہت سے بھارتی مسلم نوجوانوں کو حاصل ہو چکی تھی۔

کامران مجھے ان دونوں مجاہدین کے پاس چھوڑ کر کسی کام سے چلا گیا۔ نہ ان دونوں نے اس سے کوئی سوال کیا اور نہ ہی میں نے۔ شاید یہ ان کی تربیت کا حصہ تھا کہ وہ اپنے کمانڈر کے معمولات یا آمد و رفت میں رازداری کے تحفظ کی خاطر دلچسپی نہیں لیا کرتے تھے۔

کامران کی روانگی کے بعد جبار بھائی تو میرے لئے چائے بنانے چلے گئے جبکہ ڈاکٹر خلیل مجھ سے

باتیں کرتے رہے۔ دوران گفتگو وہ ماہر نفسیات کی طرح بڑے معصومانہ انداز میں میرے دل و دماغ کا جائزہ لیتے رہے۔ انہوں نے اس دوران میں دوستانہ انداز میں مجھ سے میرے ماضی کے بارے میں بہت سی تفصیلات جان لی تھیں۔

میں نے بھی کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر یہ بات انہیں بتا دی تھی کہ میرا تعلق کسی بڑے دینی گھرانے سے نہیں بلکہ دہلی کے روایتی کاروباری گھرانے سے ہے جہاں مذہب کی صرف نماز روزے کی حد تک ہی پابندی کی جاتی ہے۔

اسی دوران میں جبار بھائی چائے تیار کر کے لے آئے اور اب وہ بھی ہمارے ساتھ بات چیت میں شریک ہوگئے تھے۔

میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ انہوں نے میرے متعلق بہت مثبت رائے قائم کی تھی۔ کیونکہ میں نے ان کے سامنے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ میں نے انہیں آسیہ سے ملاقات کے واقعات بھی سنا دیئے تھے تاکہ کوئی بات ان سے پوشیدہ نہ رہے اور وہ میرے متعلق جو بھی رائے قائم کریں مکمل خلوص نیت اور ایمانداری سے کریں۔

ہماری بات چیت کا سلسلہ نماز کے وقفوں کے علاوہ رات دیر گئے تک جاری رہا۔

اس دوران میں ان دونوں نے بھی اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ وہ کس طرح اس جہادی تحریک میں شامل ہوئے تھے۔ انہی کی زبانی مجھے علم ہوا کہ مجاہدین کے لئے سخت قسم کی فوجی تربیت لازمی تھی۔ ان دونوں نے ''بیس کیمپ'' میں تربیت حاصل کی ہے۔

بیس کیمپ سے متعلق انہوں نے جو باتیں بتائی اس کے بعد میرا جی چاہتا تھا کہ میں اڑ کر وہاں پہنچ جاؤں۔ یہ بیس کیمپ میرے خوابوں کی سرزمین تھا۔ جانے کب سے میں اسے دیکھنے کے خواب دیکھتا آیا تھا اور جب مجھے یہاں آ کر علم ہوا کہ اب یہ خواب حقیقت میں ڈھل جائے گا تو ایک عجیب سے روحانی سرور نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔

عشاء کی نماز کے بعد کافی دیر تک ہم باتیں کرتے رہے۔ مجھے یہاں آ کر علم ہوا کہ مغرب کی نماز کے بعد یہاں کرفیو لگ جاتا ہے اور یہ سلسلہ طویل عرصے سے چل رہا ہے۔ کاروبار حیات یہاں عملاً مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔

دن اور رات ہر گھڑی اس بات کا دھڑکا لگا رہتا تھا کہ فوج اچانک گھروں میں گھس آئے گی کیونکہ تلاشی لینے کے بہانے بھارتی فوجی کوئی وجہ بتائے بغیر جب جی چاہے، دندناتے ہوئے گھروں میں گھس

WAQAR@URDU.NET

جاتے تھے اور ہنستے بستے گھروں کا وہی حال کر دیا کرتے تھے جو کوئی پاگل سانڈ لہلہاتی فصل میں گھسنے کے بعد کیا کرتا ہے۔

صبح جب نماز کے لئے بیدار ہوا تو میری ملاقات کامران سے ہوگئی جو رات گئے وہاں آیا تھا۔

اس کی زبان علم ہوا کہ دونوں مجاہد وہاں سے جا چکے ہیں اور وہاں اب نئے ساتھی آ گئے ہیں۔ شاید یہ مجاہدین کا کوئی محفوظ ٹھکانہ تھا جہاں وہ آتے جاتے تھے۔ ایسے محفوظ ٹھکانے اب سری نگر میں کیا مقبوضہ کشمیر کے ہر گھر میں قائم ہو چکے ہیں۔

ہم نے کمانڈر کامران کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ انہوں نے میرا تعارف باقی ساتھیوں سے کروایا جن کی تعداد اب پانچ ہو چکی تھی۔

سب نے ناشتہ اکٹھے کیا جو اس گھر کے مکینوں نے ہمارے لئے تیار کیا تھا۔ اس کے بعد وہ سب وہاں سے رخصت ہو گئے۔ جاتے ہوئے انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ گرم جوشی سے معانقہ کیا اور الگ الگ باہر نکلے تھے جس سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اپنے مشن پر گئے ہیں۔

❁❁

کمانڈر کامران اور میں وہاں رہ گئے۔

کامران نے مجھے بتایا کہ مجھے اگلے دو تین روز میں مجاہدین کے ساتھ بیس کیمپ بھیج دیا جائے گا جہاں مجھے عسکری تربیت حاصل کرنے کے بعد واپس آنا اور عملی جہاد میں حصہ لینا ہے۔ مجاہد جبار اور ڈاکٹر خلیل نے میرے سامنے بیس کیمپ کا جو نقشہ کھینچا تھا اس کے بعد سے تو جی چاہتا تھا اڑ کر بیس کیمپ پہنچ جاؤں۔ اس لمحے میں اپنے والدین، گھر بار، عزیز و اقارب سب کو بھلا بیٹھا تھا۔ بس ایک ہی خواہش دل میں انگڑائیاں لے رہی تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو میں وہاں پہنچ جاؤں۔

کامران نے مجھے بتایا کہ تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ ہماری اگلی منزل کپواڑہ تھی جہاں مجھے اب قیام کرنا تھا۔

"ہم آج دوپہر کے بعد یہاں سے نکل جائیں گے۔ تم اپنا لباس تبدیل کر لو۔" اس نے مجھے اگلی ہدایات جاری کیں۔

لباس تبدیل کرنے کے لئے مجھے دوسرے کمرے کی طرف جانے کا اشارہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی کامران نے کچھ کپڑے مجھے تھما دیئے اور دو تین منٹ کے بعد جب میں نے دوسرے کمرے میں لگے قد آدم شیشے میں خود کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اب میں مکمل کشمیری بن چکا تھا۔ میرے بدن پر شلوار قمیص

کے ساتھ ایک لمبا فرن سجا تھا۔

کامران نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تم زبان سے کچھ نہ کہو تو کوئی تمہارے کشمیری ہونے پر شک نہیں کر سکتا۔"

میں جواب میں مسکرا کر رہ گیا۔

"اس علاقے میں مزید فوج آنے سے سکیورٹی کے خطرات کچھ بڑھ گئے ہیں اور ہم احتیاطاً اپنے ٹھکانے یہاں سے منتقل کر رہے ہیں۔ ایک بات ذہن نشین کر لینا۔ ان غیر معمولی حالات میں یہاں کچھ بھی ممکن ہے۔ تم نے دیکھ لیا یہ لوگ اچانک ہی کسی بھی علاقے پر کریک ڈاؤن کرتے ہیں اور گھروں میں گھس جاتے ہیں۔ عین ممکن ہے جب ہم یہاں سے نکل رہے ہوں تو راستے میں کہیں بھی روک لیا جائے۔ اس مرحلے پر خود پر مکمل قابو رکھنا۔ بس میں تمہیں اس بات کی ضمانت دے سکتا ہوں کہ ہم اپنے کسی بھی گرفتار ساتھی کی رہائی کے لئے جان سے گزر جانا سعادت سمجھتے ہیں۔ دشمن وقتی طور پر غالب آ سکتا ہے لیکن یہ غلبہ دائمی نہیں ہوگا۔"

جب کمانڈر کامران مجھے یہ باتیں سمجھا رہا تھا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مجھے بہت جلد ان حالات سے گزرنا پڑے گا کیونکہ بظاہر یہ علاقہ بہت محفوظ دکھائی دے رہا تھا۔

جہاں تک بھارتی فوج یا پیرا ملٹری فورس کے گشت کا تعلق ہے تو یہ لوگ مقبوضہ کشمیر کے ہر گلی محلے میں دندناتے پھرتے تھے کیونکہ یہاں ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ انہیں صرف چھاؤنیوں تک محدود رکھنا ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

سات آٹھ لاکھ فوج تو کسی بڑے ملک کے لئے کافی ہوتی ہے جبکہ یہاں ایک چھوٹی سی ریاست کے لئے اتنی فوج تھی۔ مجھے تو یوں لگتا تھا جیسے حکومت نے ہر کشمیری کے حصے میں دو فوجی یہاں بھیج دیئے تھے۔

کامران اور میں اکیلے تھے۔ گھر میں اور لوگ بھی موجود ہوں گے لیکن ابھی تک میرا کسی سے رابطہ نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی میں نے کسی اور کی شکل دیکھی تھی۔ اس دوران میں دو مرتبہ دروازے پر آہٹ ہوئی اور باری باری دو نوجوان وہاں آ کر کامران کو کشمیری زبان میں کوئی رپورٹ دے کر واپس چلے گئے۔

آخری رپورٹ موصول ہونے کے بعد میں نے اسے کچھ پریشان دیکھا لیکن میں اس نے اس پریشانی کا اظہار مجھ پر نہیں کیا۔

"تمہارا سامان محفوظ ہے۔ ہم دونوں یہاں سے خالی ہاتھ نکلیں گے۔" اس نے اچانک ہی مجھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے کہا اور روانگی کا سگنل دیا۔

ابھی میں نے اپنے بوٹوں کے تسمے باندھے ہی تھے جب گھر کے اندر سے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان لڑکی جو خاصی پریشان دکھائی دے رہی تھی، اندر داخل ہوئی۔ میری شکل پر نظر پڑتے ہی اس نے سلام کیا اور کامران سے مخاطب ہو کر کشمیری زبان میں کچھ کہنے لگی۔ مجھے اس کی بات تو سمجھ میں نہیں آئی لیکن ان کے چہروں کے تاثرات سے میں اندازہ کر سکتا تھا کہ کوئی تشویشناک بات ضرور ہے۔

کامران نے لڑکی سے جواباً کچھ کہا تو وہ تیزی سے واپس چلی گئی۔

اس کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''اسد بھائی! شاید اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ تمہیں فوراً ہی میدان جہاد میں اتار دے۔ اس علاقے پر کریک ڈاؤن ہو گیا ہے۔ ہم دونوں الگ الگ یہاں سے نکلیں گے۔ میمونہ بہن تمہاری رہنمائی کرے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ شام سے پہلے تمہیں ہمارے محفوظ ٹھکانے تک پہنچا دے گی۔ مطمئن رہنا اور خود کو اکیلا نہ سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ساتھ کوئی کمزور لڑکی ہے۔ ہماری مجاہدہ بہن کسی مجاہد بھائی سے کم ہرگز نہیں۔''

ابھی اس نے بات مکمل ہی کی تھی کہ دوبارہ میمونہ اندر داخل ہوئی۔

اس کے ایک ہاتھ میں کلاشنکوف، دوسرے میں پستول اور بازو پر خاکی رنگ کا تھیلا لٹکا ہوا تھا۔

گن اور خاکی رنگ کا تھیلا اس نے کامران کی طرف بڑھا دیا اور پستول مجھے تھمانا چاہا۔ میں حیرت اور کچھ گھبراہٹ سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا کیونکہ مجھے پستول چلانا ہی نہیں آتا تھا۔

کامران نے اس صورت حال کو جانتے ہوئے کشمیری زبان میں اس سے کچھ کہا تو وہ مسکرا دی۔

دونوں کی مسکراہٹ نے مجھے پرسکون کر دیا۔ نجانے کیوں اچانک ہی میری ساری گھبراہٹ اس طرح دور ہو گئی جیسے کسی نے مجھ پر کوئی عمل پڑھ کر پھونک دیا ہو۔ لڑکی نے پھرتی سے پستول اپنے کپڑوں میں چھپا لیا۔

''اسد بھائی اللہ حافظ! انشاء اللہ تعالیٰ جلد ملاقات ہو گی۔'' اتنا کہہ کر کامران بندوق اور تھیلا پکڑے باہر کی طرف لپکا۔

اس کے باہر نکلتے ہی لڑکی مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''آیئے۔ اس طرف آیئے۔''

اس نے یہ جملہ بڑی شائستہ اردو زبان میں ادا کیا تھا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

ہم دونوں اس گھر کے دو کمروں سے گزرتے ہوئے مکان کی دوسری سمت ایک تنگ سی گلی میں آ گئے جہاں سناٹا طاری تھا لیکن کھڑکیوں سے متجسس چہرے باہر جھانکتے دکھائی دے رہے تھے۔

''اس طرف۔'' لڑکی نے ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

ہم دونوں بھاگتے ہوئے اس مکان میں داخل ہو گئے جہاں دروازے کے قریب ہی دو نوجوان کلاشنکوف تھامے کھڑے تھے۔ انہوں نے ایک نظر ہم دونوں پر ڈالی اور مسکرا دیئے۔ شاید انہیں میرے بارے میں علم تھا اور وہ مجھے مطمئن کرنے کے لئے مسکرائے تھے۔

میمونہ نے اس طرح دو تین مکانوں سے گزرتے ہوئے غالباً تیسری یا چوتھی گلی عبور کی تھی جب اچانک زوردار فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی ایک زبردست دھماکہ ہوا اور بلند آوازیں سنائی دینے لگیں۔

میری توقعات کے بالکل برعکس یہ خوفزدہ آوازیں نہیں بلکہ وہ زوردار نعرے تھے جو ان گھروں کے مکین بلند کر رہے تھے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہاں عورتیں، بچے اور بوڑھے اکٹھے ہونے لگے۔ یہ لوگ مجاہدین اور تعاقب کرتے بھارتی فوجیوں کے درمیان اپنے جسموں کی دیوار بنا رہے تھے۔ اس کا علم تو مجھے بعد کے پیش آنے والے واقعات سے ہوا لیکن احساس اسی وقت ہو گیا تھا۔

میں نے بھاگتے ہوئے دل ہی دل میں ان کے اس جذبہ شہادت کو خراج عقیدت پیش کیا اور سوچا کہ اس قوم پر کون غالب آ سکتا ہے۔

خوف اور گھبراہٹ جو شروع میں مجھ پر طاری تھی، اب ختم ہو چکی تھی۔ ان لوگوں کے درمیان بھاگتے ہوئے کوئی نادیدہ قوت مجھے بار بار اس حقیقت سے آگاہ کر رہی تھی کہ یہ لوگ ہمیں جیتے جی مرنے نہیں دیں گے۔

اب ہم دونوں گلی کی نکڑ تک پہنچ گئے تھے۔

فائرنگ کی آوازیں بڑھنے لگیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دو فوجوں کے درمیان جنگ ہو رہی ہے لیکن فائرنگ کرنے والے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

''ٹھہرو۔'' میمونہ نے اچانک ہی مجھے رکنے کو کہا اور دوسرے ہی لمحے اپنے کپڑوں میں چھپا ہوا پستول نکال لیا۔

ایک ہاتھ کے اشارے سے اس نے مجھے وہیں رکنے کو کہا اور خود کمانڈوز کی طرح چوکنا ہو کر دیوار سے لگ کے کھڑی ہو گئی۔

میں اس کے ساتھ ہی دیوار سے کمر لگائے اس کے اگلے اشارے کا منتظر تھا۔ جب اچانک ہی ایک بھارتی فوجی ہمارے سامنے آ گیا۔

WAQAR URDU ARTS

شاید وہ کسی مجاہد کے تعاقب میں بھاگتا ہوا اس طرف آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بندوق تھی اور ایک لمحے کی غفلت ہم دونوں کی جان لے سکتی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بندوق کا رخ ہماری طرف کرتا، اچانک میمونہ کے پستول سے دو تین شعلے برآمد ہوئے اور فوجی منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

میں اس اچانک حادثے سے شاید مبہوت ہو گیا تھا۔ موت اور میرے درمیان بمشکل چند لمحوں کا وقفہ ہی تو تھا۔

میمونہ نے ایک ساعت کو میری طرف دیکھا۔ ہم دونوں کی آنکھیں ٹکرائیں اور میں لرز کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے سارے جہان کا قہر سمٹ آیا تھا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اس نے جھٹکا دے کر مجھے بیدار کیا اور بھارتی فوجی کی لاش پھلانگتے ہم دونوں دوسری گلی میں بھاگنے لگے۔

اس گلی میں مجاہدین نے باقاعدہ مورچہ قائم کر رکھا تھا کیونکہ میں نے تین چار نوجوانوں کو گلی کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بھاگتے ہوئے فائرنگ کرتے دیکھا تھا۔

ہم دونوں پر نظر پڑتے ہی ان میں سے ایک نے شاید میمونہ کو پہچانتے ہوئے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا۔

میمونہ نے پھر میرا ہاتھ پکڑ لیا جیسے کوئی ماں میلے میں کھو جانے کے ڈر سے اپنے بچے کا ہاتھ پکڑا کرتی ہے اور مخالف سمت بھاگنے لگی۔

بھاگتے بھاگتے اس نے اچانک رک کر میری طرف دیکھا۔ وہ میری دلی اور جذباتی کیفیت کا اندازہ کرنا چاہ رہی تھی۔ شاید اسے یہ فکر دامن گیر ہونے لگی تھی کہ اس کا مہمان پریشان ہو رہا ہے۔

''فکر مت کرنا۔ جب تک تمہاری بہن زندہ ہے تم پر آنچ نہیں آنے دے گی۔''

اللہ جانے اس کے لہجے اور الفاظ میں کیا تھا، مجھے یوں لگا جیسے کسی نے اچانک مجھے خواب غفلت سے جھنجھوڑ کر جگا دیا ہو۔

''مطمئن رہیں اور اپنا خیال رکھئے۔'' میں نے بمشکل دو فقرے ادا کئے۔

اس نے میری طرف دیکھے بغیر ایک طرف دوڑ لگا دی اور میں اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔ بڑا پیچ دار اور الٹا سیدھا راستہ تھا۔

ہم مختلف گلیوں کے اندر بھاگ رہے تھے۔ اچانک سامنے ایک سڑک دکھائی دی۔ تین چار ٹرک اسی طرف آ رہے تھے۔ ظاہر ہے یہ بھارتی فوجی تھے۔

میمونہ نے اچانک رک کر میری طرف دیکھا اور واپس گلی میں بھاگنے لگی۔ پھر وہ قدرے آڑ میں ایک جگہ رک گئی۔

اس نے مکان کے چھجے کی طرف نظر دوڑائی اور ایک متفکر چہرے کو اشارہ کیا۔ اگلے ہی ایک لمحے ایک بزرگ خاتون وہاں موجود تھی۔

اپنی زبان میں تیزی سے انہیں کچھ ہدایات دے کر وہ میری طرف متوجہ ہوئی۔

''آپ کو یہاں چھپنا ہوگا۔ گھیرا مکمل ہے۔ فی الوقت بھاگنے کا کوئی راستہ محفوظ نہیں۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ راستہ بنانے کی کوشش کرتی ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے چند منٹ پہلے مرنے والے بھارتی فوجی کی رائفل اٹھالی جو ابھی تک وہاں موجود تھی، پھر وہ بھاگتی ہوئی ایک طرف نکل گئی۔ بزرگ خاتون نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

انہوں نے کمرے میں میں داخل ہو کر ٹوٹی پھوٹی اردو زبان میں مجھے مطمئن رہنے کی تلقین کی۔ میں حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ یہ بوڑھی عورت، دشمن کی گولی کا کسی بھی لمحے نشانہ بن سکتی ہے، مجھے تسلی دے رہی تھی۔

انہوں نے ایک کمرے میں فرش پر بچھی چٹائی اور اس پر رکھے کمبل کو ہٹایا تو مجھے لکڑی کا ایک تختہ قدرے مختلف دکھائی دیا۔

میں نے ان کا اشارہ سمجھ کر تختہ ایک طرف ہٹایا تو نیچے ایک چھوٹا سا تہہ خانہ دکھائی دیا۔ بزرگ خاتون نے مجھے اس تہہ خانے میں اترنے کو کہا اور میرے اندر داخل ہونے کے بعد یقیناً دوبارہ سب کچھ وہاں رکھا ہوگا۔

تہہ خانے میں ایک کھڑکی سے روشنی آ رہی تھی جو یہاں سے دوسری گلی میں کھلتی تھی۔ میں سکڑ سمٹ کر وہیں بیٹھا رہا۔ ایسے تہہ خانے یہاں گھروں میں اکثر بنائے جاتے ہیں۔

ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ میں خوفزدہ نہیں بلکہ شرمندہ تھا کہ ایک لڑکی میری حفاظت کے لئے دشمن سے جنگ کر رہی ہے اور میں یہاں بزدلوں کی طرح چھپ کر بیٹھا ہوں۔

میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ مجھے تو ابھی پستول چلانا بھی نہیں آتی تھی باہر نکل کر سوائے دشمن کی گولیوں کا نشانہ بننے کے میں اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتا تھا۔

فائرنگ کی آوازیں یہاں بہت واضح سنائی دے رہی تھیں۔ مجاہدین اور بھارتی فوجیوں میں شاید دوروں کا مقابلہ چل رہا تھا اور اب مجھے بھارتی فوجیوں کے زور زور سے گالیاں دینے کی آوازیں بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

عجیب طرح کے خیالات نے مجھے جکڑ لیا۔ مجھے تب ہوش آیا جب تہہ خانے کی دوسری طرف گلی میں کھلنے والی کھڑکی سے مجھے آگ کی لپٹیں دکھائی دیں۔ شاید انہوں نے ساری بستی کو آگ لگا دی تھی۔

میں دیوانہ وار اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں زندہ جل جانا مجھے ہرگز گوارا نہ تھا۔ اپنے سر پر لگے لکڑی کے تختے کو میں نے پورے زور سے پرے دھکیل دیا۔ خیریت گزری کہ اوپر کوئی نہیں تھا۔ البتہ سامنے چارپائی پر اس عظیم خاتون کی لاش پڑی تھی جس نے اپنی جان دے دی تھی لیکن مجھے گرفتار نہیں کروایا تھا۔

بچوں کی طرح روتے ہوئے میں نے بے اختیار اپنی اس گم نام ماں کے ماتھے کو بوسہ دیا اور باہر نکل آیا جہاں گلی میں شور محشر بپا تھا۔ مکانوں میں لگی آگ کو روتے بلکتے چیختے چلاتے کشمیری بالٹیوں کے پانی سے بجھانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

میں بھی اب اس ہجوم کا حصہ بن چکا تھا جو گلیوں میں ادھر ادھر بھاگتا دوڑتا اپنی بدبختی پر نوحہ کناں دکھائی دے رہا تھا۔ اپنی محافظ کی شہادت نے مجھے خاصا جذباتی کر دیا تھا۔ نجانے کیوں اس وقت ایک لمحے کے لئے بھی میرے دل میں خیال نہیں آیا کہ میں واپس دہلی چلا جاؤں۔

مجھے اس بات کا شدید دکھ تھا کہ میری وجہ سے ایک بے گناہ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ آج سوچتا ہوں کہ دراصل محترم خاتون نے شہید ہو کر میرے لئے واپسی کے سارے راستے مسدود کر دیے تھے۔ اب میرا جینا مرنا انہی کے لئے تھا۔ اب مجھے اپنے ہم مذہب کشمیری مظلوموں کو ظالموں کے پنجہ استبداد سے رہا کروانے کے لئے اس آگ کا ایندھن بننا تھا جس میں گزشتہ پچاس سالوں سے سارا کشمیر جل رہا تھا۔

❁❁

مجھے تو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس محلے کا کیا نام ہے جہاں میں موجود ہوں، بس جدھر منہ اٹھا، میں اس طرف چل دیا۔

نفرت، شدت غم، بے بسی اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ زوردار نعرے بلند کرتے، بھارتی فوج کے مظالم پر ماتم کناں کشمیریوں کے اس ہجوم کے بیچوں بیچ میں راستہ بناتے ہوئے باہر نکل رہا تھا۔ جب اچانک مجھے اپنے کندھے پر کسی ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔

میں نے گردن گھمائی تو اپنے سامنے انہی بزرگ کو پایا جو مجھے ہوٹل سے یہاں تک لائے تھے۔ انہوں نے کچھ کہے سنے بغیر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ہجوم کے درمیان سے نکال کر ایک طرف لے گئے۔

ایک مرتبہ پھر میں ان کے تعاقب میں مختلف گلیاں عبور کرنے کے بعد ایک کھلی سڑک پر پہنچ گیا

جس کی دوسری طرف کھڑے ایک رکشا میں ہم دونوں سوار ہو گئے۔

❁❁

اس مرتبہ ہمارے سفر کا اختتام جلدی ہو گیا۔ ہم جہاں پہنچے یہ جگہ کچھ جانی پہچانی دکھائی دے رہی تھی یوں لگتا تھا جیسے میں یہاں پہلے بھی آ چکا ہوں۔ محلے کے وسط میں بنے ایک مکان پر بزرگ نے مخصوص انداز سے دستک دی تو ایک بزرگ خاتون نے باہر جھانکا اور بزرگ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ادب سے سلام کرنے کے بعد دروازہ کھول دیا۔

ہم دونوں اندر داخل ہوئے۔ دروازہ ہمارے عقب میں بند ہو گیا۔

''اس طرف.....''

اس خاتون نے مڑ کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں بزرگ کے تعاقب میں ملحقہ کمرے میں داخل ہو گیا جہاں زمین پر آرام دہ بستر بچھے تھے۔ وہ محترم خاتون ایک اور دروازے سے دوسری طرف چلی گئی۔

''تم گھبرا تو نہیں گئے؟''

میرا بغور جائزہ لینے کے بعد بزرگ نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا۔ معلوم نہیں۔ انہوں نے یہ رائے کیسے قائم کر لی تھی۔ شاید میرے چہرے سے ایسا دکھائی دے رہا تھا جبکہ عملاً ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

''جی نہیں..... اگر کچھ گھبراہٹ تھی تو وہ ختم ہو گئی.....!''

میرے لہجے کے اعتماد نے اسے سمجھا دیا کہ اس کا اندازہ غلط تھا۔

''خیر! تم تھوڑی دیر آرام کر لو، ہم جلدی ملاقات کرتے ہیں.....!''

اس نے کہا۔

''اس کی ضرورت تو نہیں تھی، تھکاوٹ محسوس نہیں کر رہا.....!''

میں نے کہا۔

''نہیں..... پھر بھی آرام کر لو۔ ابھی ہمیں طویل سفر کرنا ہے۔''

اس نے میری طرف دیکھے بغیر ناصحانہ انداز سے کہا۔

''اگر آپ کا حکم ہے تو ٹھیک ہے.....!''

میں نے جواب دیا تو بزرگ نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور ''اللہ حافظ'' کہہ کر دروازے سے باہر نکل گئے۔

WAQAR@URDUFANS

ان کی روانگی کے بعد میں نے اپنے جوتوں کے تسمے کھولے اور لکڑی کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

گزرے واقعات کی فلم میرے دماغ میں چلنے لگی اور نامحسوس انداز میں میری نبض کی رفتار بڑھتی چلی گئی۔ مجھے میمونہ کی فکر دامن گیر تھی۔ میں نے اسے آخری مرتبہ بھارتی فوجی کی رائفل اٹھا کر بھاگتے دیکھا تھا جس کے بعد سے وہ مجھے دکھائی نہیں دی تھی۔ نجانے کیوں اس بزرگ سے میں نے چاہنے کے باوجود میمونہ کی خیریت دریافت نہیں کی؟

میرا دل اپنی اس بہن کی خیریت جاننے کے لئے سخت اتاؤلا ہو رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ اب کہاں ہوگی، زندگی میں اس روز میں نے پہلی مرتبہ اسے دیکھا تھا اور ہماری ملاقات چند گھنٹوں پر ہی محیط تھی لیکن مجھے یوں لگا جیسے میں اسے سالوں سے جانتا ہوں۔

میرے دل نے اس سے ایسا رشتہ باندھ لیا تھا جو خون کے رشتے سے زیادہ مضبوط تھا۔ ایمان اور جہاد کا رشتہ.....!

میں سوچتا تھا کہ جن مسلمان مجاہدات کا ذکر اپنے بزرگوں سے سنتے یا اپنی مذہبی کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں، کیا واقعی وہ سچ تھا؟ یقین مانئے تب میں اپنے عظیم ماضی کو صرف تاریخ نویسوں کا کمال فن ہی سمجھا کرتا تھا لیکن آج جب میں نے میمونہ بہن کو دیکھا تو اپنی عظمت رفتہ پر دل کی گہرائیوں سے صاد کر دیا۔ مجھے اپنے آپ پر فخر ہونے لگا کہ میں نے ایک مسلم گھرانے میں جنم لیا ہے۔ دل ہی دل میں میمونہ بہن کی سلامتی کی دعائیں مانگتے نجانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

میری آنکھ اذان کی آواز پر کھلی.....

دیوار پر لگی گھڑی سے اندازہ ہوا کہ مغرب کی اذان ہو رہی ہے۔ میں چار پانچ گھنٹے سوتا رہا تھا۔ میرے بیدار ہونے کا علم ان لوگوں کو نجانے کیسے ہو گیا۔ شاید میری خفیہ نگرانی ہو رہی تھی۔ کیونکہ میرے بیدار ہونے کے بمشکل دو تین منٹ بعد ہی دروازہ کھلا اور کامران بھائی اندر داخل ہوئے۔

''السلام علیکم.....!''

اس نے کھڑے کھڑے بانہیں پھیلا دیں اور میں اس کے سلام کا جواب دے کر اس کی پھیلی ہوئی بانہوں میں سمٹ گیا۔

''الحمدللہ آپ محفوظ رہے۔''

اس نے چھٹتے ہی کہا۔

''میمونہ بہن کا کیا حال ہے؟''

یہ فقرہ میرے منہ سے کسی نادیدہ قوت نے کہلوایا تھا۔

''ٹھیک ہیں..... تھوڑی زخمی ہو گئی ہیں۔ اللہ مہربانی کریں گے۔''

کامران کے لہجے سے مجھے یوں لگا جیسے ضرور دال میں کچھ کالا ہے.....

''کامران بھائی! میں اپنی اس بہن کو جانتا نہیں..... لیکن براہ کرم مجھے اس کی خیریت سے آگاہ کر دو۔''

میں نے التجائی لہجے میں کہا۔

کامران نے میری طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور غمناک آواز میں کہا۔

''علوی بھائی..... میمونہ بہن شہید ہو گئی ہیں۔''

اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور میرے کلیجے میں ترازو ہو گئے۔

''اناللہ وانا.....''

میں نے خود پر بمشکل قابو پایا۔

''علوی بھائی صبر کریں۔ آپ نے جو راستہ اختیار کیا ہے اس پر چلتے ہوئے ایسے واقعات معمول بن جاتے ہیں..... ہمارے دل اب پتھر ہو چکے ہیں..... میمونہ میری خالہ زاد بہن تھی..... چند روز پہلے میری سگی بہن بھی جام شہادت نوش کر چکی ہیں..... میمونہ آخر اپنی بہن سے کیوں پیچھے رہتی.....''

کمانڈر کامران کی آواز بھرا گئی۔

کمرے کا ماحول گمبھیر ہو گیا.....

''آیئے نماز پڑھ لیں..... آپ وضو کر لیں.....''

اس نے اچانک ہی اپنے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

میمونہ بہن کی شہادت کی خبر سے میرا کلیجہ کٹ گیا تھا۔ میری خواہش تھی کہ اس کا غم ہم مل کر بانٹیں۔ میں میمونہ سے متعلق باتیں کرنا چاہتا تھا۔ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کون تھی؟ کس کرموں والی کی جنی تھی۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ کمانڈر کامران کے لئے اس کا ذکر تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔ وہ کمال ضبط سے کام لے رہا تھا لیکن میں جانتا ہوں کہ انسان کی قوت برداشت بھی بالآخر اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔

ہم نے وضو کیا اور اس کمرے میں نماز ادا کی کیونکہ محلے کے باہر خصوصاً مساجد کے اردگرد بھارتی فوج اور سکیورٹی ایجنسیاں شکاری کتوں کی طرح مجاہدین کی بو سونگھتی پھرتی تھیں اور ان حالات میں خصوصاً وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

نماز کے بعد کھانا آ گیا جو میں نے کمانڈر کامران کے حکم پر زہر مار کیا..... کھانا ختم ہونے پر اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور نظریں ہٹالیں.....

"میں آپ کی کامرانیوں کے لئے دعا کروں گی.....انشاءاللہ اب واپسی پر ملاقات ہوگی.....اللہ آپ کا حامی وناصر ہو....."

یہ کہہ کر اس نے دوبارہ سلام کیا اور جس طرح خاموشی سے آئی تھی اسی طرح واپس لوٹ گئی۔اس کے ساتھ ہی وہی بزرگ جو مجھے یہاں تک لائے تھے۔میرے کمرے میں آ گئے اور مجھے روانگی کے لئے کہا۔

❁❁

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں خاموشی سے باہر نکلے اور ایک طرف چل دیئے.....اندھیرا پھیل رہا تھا، سورج غروب ہو چکا تھا اور یہاں دور دور تک بھارتی فوج کا نام ونشان دکھائی نہیں دیتا تھا کیونکہ وہ اندھیرا پھیلتے ہی اپنی محفوظ پناہ گاہوں اور بنکروں میں چھپ جایا کرتے تھے۔یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اندھیرا پھیلتے ہی بھارتی حکومت چھاؤنیوں اور بنکروں تک سمٹ کر رہ جاتی تھی۔ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا رات کی تاریکی میں اگر بھارتی فوج کی کوئی پٹرولنگ پارٹی گشت کے لئے نکلتی تو وہ صحیح سلامت واپس پہنچ جائے۔

سری نگر سے بیس کیمپ تک پہنچنے کی داستان سنانے کا یارا مجھ میں نہیں.....آسیہ نے ٹھیک کہا تھا۔ یہاں جس انداز میں ہمارا استقبال ہوا اور جو مہمان نوازی ہوئی اسے میں سرمایہ حیات سمجھتا ہوں۔پچیس دن پلک جھپکتے گزر گئے۔ہمارے مجاہد ساتھیوں نے ان پچیس دنوں میں مجھے مکمل کمانڈو بنا دیا تھا۔دن رات تربیت کی بھٹی سے گ اب میں کندن ہو گیا تھا۔

ایک روز "بیس کیمپ" کے ساتھیوں نے ہمیں دعاؤں اور نعروں کی گونج میں اذن رخصت عطا کر دیا۔ ہمارے بزرگ انسٹرکٹر جن کا تعلق سری نگر سے تھا، اس روز سارا دن ہمارے ساتھ رہے۔انہوں نے ہمیں یہاں سے میدان کارزار تک کا سارا نقشہ ازبر کروا دیا تھا اور بار بار اپنے بتائے ہوئے سبق ہم سے سن کر مطمئن ہو رہے تھے۔

دم رخصت انہوں نے ہمارا اسباب چیک کیا۔آخری ہدایات دیں اور آج بھی وہ لمحات میری آنکھوں کے راستے دل میں سما کر زندہ ہو چکے ہیں جب قرآن کے سائے میں ہمیں ہمارے "بیس کیمپ" کے ساتھی قرآنی آیات کی تلاوت کے ساتھ میدان جہاد کی طرف رخصت کر رہے تھے۔

❁❁❁

شام ڈھلے ہم اپنے لانچنگ ایریا میں پہنچ گئے تھے۔یہاں پہلے سے کچھ مجاہد ہمارے منتظر تھے۔ ہماری تعداد اب بیس ہو گئی تھی۔جن میں بھارت، متبوضہ کشمیر اور پاکستان کے مجاہد شامل تھے.....ہم ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف نہیں تھے لیکن ایمان کے جس رشتے میں ہم بندھے تھے اس نے ہمارے درمیان خون کے رشتے سے زیادہ مضبوط اور مقدس بندھن قائم کر دیا تھا۔

کمانڈر صاحب نے آخری مرتبہ ہمیں ہدایات دیں۔سب ساتھیوں نے مل کر دعا کی اور اللہ کی کبریائی بیان کرنے کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ہم نے کمانڈر صاحب کی ہدایات کے مطابق اپنے منہ میں چیونگم ڈال لی تھیں کیونکہ ہمیں جس علاقے سے گزرنا تھا وہاں بھارتی فوج کی چوکیاں موجود تھیں اور عین ممکن تھا کہ ہم کسی بھی لمحے گھیرے میں آ جائیں۔

تمام ساتھیوں نے اپنی کمر پر پٹھو لاد رکھا تھا جس میں ہمارا سامان حرب وضرب موجود تھا اور اپنی اپنی گن کندھے سے لٹکا رکھی تھی۔ہمارا گائیڈ خاصا سمجھدار اور اس علاقے کے نشیب وفراز سے آگاہ دکھائی دیتا تھا.....

ہمیں دم رخصت ہدایت کی گئی تھی کہ صبح ہونے تک کہیں رکنا مناسب نہیں لیکن ہمارے گائیڈ کی ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی نے ہمیں پہلے ہی مرحلے پر زبردست جھٹکا لگایا۔ایک نالے کے کنارے ہم رات تقریباً دو بجے ستانے کے لئے رکے تاکہ یہاں پانی کے چند گھونٹ پی کر اپنے حلق تر کر لیں.....

گائیڈ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ دشمن نے "ناکہ" لگا رکھا ہے۔اچانک ہم پر گولیاں برسنے لگیں۔ اس نالے کے کنارے ہمارے چار مجاہدوں نے دیکھتے ہی دیکھتے جام شہادت نوش کیا۔خون ان کے مقدس جسموں سے فوارے کی طرح ابل رہا تھا۔

اس خونی رات نے ہمیں نہ صرف پیارے ساتھیوں سے محروم کر دیا، بلکہ ہمارے پورے گروپ کو

WAQAR@URDUFANS

بھی تتر بتر کر دیا۔ فائرنگ کافی دیر ہوتی رہی۔ میں ایک اوٹ میں چھپا ہوا تھا، اس لئے فائرنگ سے محفوظ تھا۔ سفر کے آغاز پر ہمیں ہدایت کی گئی تھی کہ کمانڈر کی ہدایات پر من وعن عمل کرنا ہے۔ اس موقع پر بھی میں انتظار ہی کرتا رہ گیا کہ کب ہمیں جوابی کارروائی کا حکم ملے گا۔ خاصی دیر کے بعد فائرنگ ٹھنڈی پڑی، تو میں اپنی پناہ گاہ سے باہر نکلا۔ میرے بچ جانے والے ساتھیوں کا دور دور تک کچھ علم نہیں تھا۔ میں نے شہیدوں کے لاشوں پر آخری نگاہ ڈالی، آنسوؤں کے چند قطروں کا نذرانہ انہیں پیش کیا اور زیر لب آیات کریمہ کا ورد کرتا ہوا وہاں سے نکلا۔

ساتھیوں اور گائیڈ کے بچھڑنے کے بعد میرے سامنے اب دو راہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ انجانے راستوں پر منزلوں کی طرف سفر جاری رکھا جائے اور دوسری یہ کہ واپس لوٹ جاؤ۔ کافی دیر تک گومگو کی صورت حال سے دوچار رہنے کے بعد دل نے کہا آگے بڑھو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ پھر فیصلہ کرنے میں دقت نہیں ہوئی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے درجات کی بلند کے لئے دعا کی۔ خوف کا شائبہ تک مجھے نہیں تھا۔

اللہ کا نام لیا اور ایک سمت کا تعین کر کے چلنا شروع کر دیا۔

ایک گھنٹے تک ویران اور سنسان جنگل میں بھٹکتا پھرا۔ کچھ اندازہ نہ تھا کہ کہاں ہوں اور کدھر جانا ہے۔ کسی تائید غیبی کا منتظر تھا کہ اچانک اپنے دو ساتھی مل گئے۔ یہ دونوں ساتھی مقبوضہ وادی کے تھے۔ ایک گھنٹے تک مزید چلتے رہے تو دو اور ساتھی آ ملے۔ اب ہم پانچ تھے۔ بچھڑنے سے پہلے گائیڈ نے ذکر کیا تھا کہ ہم اسی نالے کے ذریعے جنگل میں داخل ہوں گے اور وہ جنگل ہمارے سفر کی ایک اہم منزل ہو گی۔ لہذا ہم نے اس جنگل کو سامنے رکھ کر سفر شروع کر دیا۔ مشکل یہ تھی کہ ہم جس پہاڑ کی ڈھلان پر سفر کر رہے تھے، چاند اس کے عقب میں تھا۔ اب ہمارے سامنے والے پہاڑ پر تو چاند کی روشنی پڑ رہی تھی لیکن ہم اس سے محروم تھے۔ اندھیرے میں بار بار گرتے تھے۔ گہرے کھڈ اور جھاڑیوں کا سلسلہ بھی دور دور تک پھیلا ہوا تھا، جس کی وجہ سے سفر بہت مشکل ہو گیا تھا۔ سب ساتھی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے اور کھینچتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ ہم جنگل کے بجائے دوسری طرف جا نکلے اور ہماری سمت درست نہ رہی۔

صبح چار بجے ہم بھوکے پیاسے تھکاوٹ سے چور ایک پہاڑی چوٹی پر کھڑے تھے۔ رات کی سیاہی سے اب دن کی روشنی نکل رہی تھی۔ پہاڑ پر بڑے بڑے پتھر تھے۔ اس جگہ ہی کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ ایک گھنٹے تک میں بھی تھکاوٹ دور کرنے کی غرض سے لیٹا رہا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں

دور تھی، کچھ ڈھنگ سے بھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ سب میری طرح نئے ساتھی تھے اور ان میں سے کوئی تجربہ کار نہیں تھا۔ انہوں نے نجانے کیوں مجھے امیر جماعت مقرر کر کے مزید ذمہ داری ڈال دی۔ سورج کی نوکیلی کرنوں کے ساتھ میں اٹھا اور ایک ساتھی کو لے کر گردونواح کے علاقے کا مشاہدہ کرنے نکلا۔ میری نظر پہاڑ کے دامن پر پڑی تو دیکھا، وہاں بڑی تعداد میں خچریں چر رہی ہیں جن پر سامان لدا ہوا ہے۔ میں نے دوربین سے ان کا بغور جائزہ لیا۔ یہ دراصل بھارتی فوج کا کوئی سپلائی ڈپو تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد یہ خچریں ایک قطار میں اس علاقے کی جانب روانہ ہو گئیں جہاں سے ہم پر فائرنگ ہوئی تھی۔ بیس فوجی ان کے ہمراہ تھے۔ جبکہ اتنے ہی فوجیوں پر مشتمل ایک گشتی فوجی دستہ بھی وہاں سے روانہ ہو رہا تھا۔ ہم دیر تک ان خچروں کو دیکھتے رہے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ نالے کے اندر داخل ہوئیں اور ہمارے نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ کچھ دیر بعد مجھے چند فائر سنائی دیئے۔ میرے خیال میں یہ فائر ہماری اس پیکا گن کے تھے جو ہمارے ایک ساتھی کے پاس تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ وہ مجاہد گھیرے میں آنے کی وجہ سے مقابلے پر ڈٹ گیا ہے۔

وہ جنگل جس میں ہم نے پہنچنا تھا، کافی دور دکھائی دے رہا تھا۔ اس تک پہنچنے کا واحد راستہ نالے کے کنارے واقع فوجی کیمپ کے اندر سے گزرتا تھا۔ لہذا دن بھر ہم اس پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے رہے۔ دو ساتھیوں کے پاس بچا کھچا کھانا تھا، جو ہم نے تقسیم کر لیا۔ ہم نے رات کے وقت اس کیمپ سے گزرنا تھا۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے تائید کی دعا مانگی اور نیچے اترنے لگے۔ کیمپ سے ہم ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کیمپ کے بالکل قریب پہنچ گئے۔

ہم نے اپنے منصوبے پر از سر نو غور کیا۔ دراصل نالے کا پل کیمپ کے وسط میں تھا، جس پر فوج نے بنکر بنایا ہوا تھا، اس کا ایک حل تو یہ تھا کہ ہم نیچے سے نالے کو عبور کر لیں۔ جب نالے کا جائزہ لیا تو اس کو پل کے بغیر عبور کرنا ناممکن دکھائی دیا۔ نالے کی شوریدہ لہریں شکار کی تلاش میں چیخ چنگاڑ رہی تھیں۔ نالہ عبور کرنے کا فیصلہ منسوخ کر کے پل کے اوپر ہی سے قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔

رات دس بجے ہم کیمپ کے عقب میں پہنچے۔ میں نے ساتھیوں کو ایک محفوظ پناہ گاہ میں بٹھایا اور خود کیمپ کا جائزہ لینے لگا۔ کیمپ اور اس کے آس پاس قائم بنکروں کو بغور دیکھا، پھر ایک ساتھی کو لے کر کیمپ کے اندر چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں کیمپ سے گزرنے کے بعد دوسرے ساتھیوں کو باری باری گزاروں گا۔ اس کیمپ کو عبور کرنے کے لئے ہمیں تین بنکروں کے پاس سے گزرنا تھا۔ میں کیمپ میں داخل ہوا اور ایک بنکر کے پاس پہنچ کر اوٹ میں چھپ گیا۔ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر ایک لالٹین جل

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہی تھی جس کی دھندلی روشنی چند گز تک پھیلی ہوئی تھی۔ ابھی میں یہاں سے گزرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ میرا ساتھی بنکروں کو اتنا قریب دیکھ کر ایسا خوفزدہ ہوا کہ بجائے میری طرف آنے کے واپس چلا گیا۔ میں اسے آواز بھی نہیں دے سکتا تھا۔ بے بسی سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد واپس ساتھیوں کے پاس پہنچا تو میرا ساتھی وہاں موجود نہ تھا۔ انہوں نے بتایا ایک شخص ہمارے قریب سے گزرا تھا، لیکن یہ سوچ کر کہ فوجی ہوگا، ہم نے اسے آواز نہیں دی۔ ہم حیران و پریشان ایک گھنٹے تک اسے ڈھونڈتے رہے، لیکن اس نے نہ ملنا تھا نہ ملا۔ اب دوسرے ساتھیوں کو کیمپ عبور کرنے کی ترکیب اور ترتیب اچھی طرح بتا کر دوبارہ کیمپ کی جانب روانہ ہوا۔ اس مرتبہ میں خود پیچھے رہا اور ساتھیوں کو ایک ایک کر کے گزارنے لگا۔

❁❁

ہم تمام ساتھی بخیریت کیمپ کا ایک حصہ عبور کر کے پل کے قریب نالے کے کنارے پہنچ گئے۔ پل سے چند گز کے فاصلے پر نالے کے کنارے ساتھیوں کو پتھروں کی اوٹ میں بٹھا کر میں خود پل پر بنے واحد بنکر کا جائزہ لینے نکلا۔ چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ میں پتھروں کی اوٹ سے ہوتا ہوا بالکل بنکر کی پشت پر پہنچ گیا۔ چند لمحے وہاں ساکت کھڑا رہا۔ پھر محتاط انداز میں بنکر کے اندر جھانکا، ایک فوجی گن سینے پر رکھے گہری نیند سو رہا تھا۔ اس بنکر کے علاوہ پل پر اور کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ دوبارہ ساتھیوں کے پاس پہنچا اور انہیں ساتھ لے کر خاموشی سے آگے بڑھنے لگا۔ پروگرام کے مطابق سب سے پہلے میں نے پل عبور کرنا تھا۔

ساتھیوں نے چند گز کے فاصلے سے فوجی پر گنیں تان کر رکھی تھیں۔ میں نے بسم اللہ پڑھی اور پل پر قدم رکھا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے نالے کی دوسری طرف اتر گیا۔ اس کے بعد میں نے بنکر پر گن تان لی اور تینوں ساتھیوں کو ایک ایک کر کے پل عبور کروایا۔ نالے کے پانی کے زبردست شور کی وجہ سے ہمارے پل پر چلنے کی آوازیں سنائی نہیں دیں۔ چند گز کے فاصلے پر ایک اور چھوٹے سے نالے کو جوتوں سمیت عبور کیا اور پھر پتھروں کی آڑ لیتے ہوئے ہم کیمپ کی آخری نکڑ بھی عبور کر کے جنگل میں داخل ہو گئے۔ جوں ہی ہم جنگل میں داخل ہوئے، کچھ دور ٹارچ کی روشنی مجھے دکھائی دی۔ خطرہ محسوس ہوا، کہیں ہمارا پانچواں ساتھی پکڑا نہ گیا ہو اور اس نے ہمارے نشاندہی نہ کر دی ہو۔ میں نے اشارے سے ساتھیوں کو بکھر کر پوزیشنیں لینے کا حکم دیا۔ چند منٹ تک ہم ان کی آمد کا انتظار کرتے رہے لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ یہ فوجی گشت تھی، وہ جنگل میں سے نکل کر کیمپ کی طرف چلے گئے۔ شاید مجاہدین کے

خوف نے یا پھر تائید غیبی نے ایسا کیا تھا۔

جنگل گھنا تھا اور چڑھائی بالکل عمودی تھی۔ ساری رات ہم گرتے پڑتے پہاڑ کی چوٹی کی جانب محو سفر رہے۔ نماز فجر کے وقت ہم چوٹی سے کچھ نیچے پہنچے۔ تھکاوٹ نے سب کو بے حال کر دیا تھا۔ اب ہم خطرے سے قدرے باہر تھے، اس لئے کچھ دیر آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ دو گھنٹے وہاں رکنے کے بعد ہم وہاں سے اٹھے۔ جنگل کے ایک کنارے دامن میں چند گھروں پر مشتمل ایک آبادی دکھائی دی۔ پہلے دل میں خیال آیا کہ اس بستی میں جانا چاہئے۔ لیکن ہم ابھی کوئی خطرہ مول لینے پر تیار نہ تھے۔ چنانچہ اسی جنگل میں سفر جاری رکھا۔ چلتے چلتے ایک چشمے کے کنارے پہنچے۔ سب ساتھیوں نے سیر ہو کر پانی پیا۔ پانی پی کر اٹھا تو میری نظریں انسانی قدموں کے نشانات پر پڑیں۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا ان ہی جوتوں کے نشانات ہیں جو ہم نے پہن رکھے ہیں۔ فوراً میرے دل میں یہ خیال بجلی کی طرح کوندا کہ یہ یقیناً ہمارے ہی بچھڑے ہوئے ساتھی تھے جو یہاں سے پانی پی کے گئے ہیں۔ اس کے بعد ہم قدموں کے انہی نشانات کی رہنمائی میں چار پانچ کلومیٹر تک چلتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے۔

احساس تحفظ ہوتے ہی بھوک نے گرفت مضبوط کی۔ اللہ نے پیٹ کے لئے غیب سے بندوبست فرمایا۔ ہمیں ایک جنگلی گھاس ملی جو کھانے میں نہایت لذیذ تھی۔ اس کے بعد سارے راستے اس کے ذریعے پیٹ کی آگ بجھاتے رہے۔ اللہ کا فضل یہ تھا کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر بھارتی فوجی نہیں تھے۔ اس لئے ہم اطمینان سے سفر کرتے رہے۔ ہلکی ہلکی بارش کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ آخر ایک جگہ ہمیں دور سے اپنے ساتھی دکھائی دیئے۔ وہ ایک درخت کے نیچے بارش سے بچنے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا۔ ان سے مل کر ناقابل بیان خوشی ہوئی۔

سب کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ دیر تک ہم ایک دوسرے کو اپنی بپتا سناتے رہے۔ ظہر اور عصر کی نمازیں ہم نے ایک ساتھ ادا کیں۔ اس کے بعد دوربین سے نیچے وادی کا جائزہ لیا۔ کچھ دور نیچے ایک چرواہا نظر آیا جو مال مویشی چرا رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اس چرواہے سے ملتے ہیں، ممکن ہے وہ ہمیں راستہ بتا دے اور ہو سکتا ہے اس سے کھانے کے لئے بھی کچھ مل جائے۔

❁❁

سہ پہر کے وقت ہلکی ہلکی بارش میں ہم نے پہاڑ سے نیچے اترنا شروع کیا۔ میں نے برساتی اوڑھ کر بھارتی فوجیوں جیسا روپ دھار رکھا تھا۔ چرواہے کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے چھپنے کی کوشش کی، کافی دوڑ دھوپ کے بعد وہ میرے ہاتھ لگا۔ خوف سے وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میں نے اس سے فوجی کیمپ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہاں قریب ہی بھارتی فوج کے دو کیمپ ہیں جن کے درمیان ایک کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ ان کیمپوں کے درمیان مسلسل گشت جاری رہتا ہے۔ اس لئے تم فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ میں اسے اپنے ساتھیوں کے پاس لے گیا جو ایک محفوظ مقام سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔ وہاں اس سے مزید معلومات حاصل ہوئیں۔ چرواہے نے بتایا کہ اس کے ایک عزیز کو بھارتی فوجیوں نے مجاہدین سے تعاون کرنے پر بدترین تشدد کا نشانہ بنایا اور آخر میں اس کا گلا کاٹ کر اسے شہید کر دیا گیا۔ اس نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ سامنے والے پہاڑ کی دوسری طرف مجاہدین بھی آپ کو ملیں گے۔ میں نے اسے دو سو روپے دیئے اور کہا کہ ہمارے لئے کھانے کا بندوبست کرو، لیکن اس نے بے بسی کا اظہار کیا۔ مجھے بھی احساس ہو گیا تھا کہ یہ کام اس کے بس سے باہر ہے، چنانچہ اسے یہ تاکید کر کے وہ ہمارے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائے، ہم آگے روانہ ہو گئے۔ فی الوقت یہی ہماری بہترین حکمت عملی ہو سکتی تھی۔

سرمئی شام رات میں بدل رہی تھی۔ ہم دوبارہ کمر کس کر سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ اب ہماری منزل وہ پہاڑ تھا جس کے بارے میں چرواہے سے معلوم ہوا تھا۔ چند کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک نالے کے قریب پہنچے۔ اس نالے کے قریب ہی ایک کچی سڑک بھی تھی۔ میں نے ساتھیوں کو ایک محفوظ مقام پر چھوڑا اور خود آگے جا کر صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ نالے کو کہاں سے عبور کیا جا سکتا ہے اور آیا یہاں کسی گشتی فوجی پارٹی کا آنا جانا تو نہیں۔

کوئی گھنٹے بعد واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سارے ساتھی وہاں سے جا چکے ہیں۔ ایک دفعہ پھر میں بے یار و مددگار اور تنہا رہ گیا۔ دراصل یہ ساتھی میری ہدایت پر عمل کرنے کے بجائے میرے جانے کے بعد اٹھے اور نالہ عبور کر کے دوسری طرف چلے گئے تھے۔ وہ شاید نالہ عبور کرنے کے بعد مجھے ڈھونڈتے رہے اور پھر مایوس ہو کر آگے بڑھ گئے۔ جبکہ میں ایک گھنٹے تک دیوانوں کی طرح انہیں نالے کے اس طرف تلاش کرتا رہا۔ میری آوازیں اور سیٹیاں بھی نالے کے شور میں دب کر رہ گئیں۔ آخر کار بے بس ہو کر میں نے اکیلے ہی سفر جاری رکھنے کا عزم کیا۔ میں نے نالہ عبور کیا اور سامنے والے پہاڑ کی چوٹی کی طرف روانہ ہو گیا، آسمان پر گہری گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، اس لئے چاند بھی راہنمائی سے معذور تھا۔ ساری رات میں نے تنہا سفر جاری رکھا۔ گھنے جنگل میں ایک طرف بھارتی درندوں کا خطرہ تھا تو دوسری طرف جنگلی درندے بھی قدم قدم پر موجود تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان تھا کہ اس نے مجھے ہمت اور حوصلے کے ساتھ آگے بڑھنے کی توفیق عطا کی۔

بھوک پیاس سے بے حال ہونے کے باوجود اللہ نے استقامت دی اور میں محو سفر رہا۔

❁❁

صبح پہاڑ کی چوٹی سے چند سو فٹ نیچے ایک ہموار جگہ پر پہنچا، رات بھر کے سفر نے تھکاوٹ سے برا حال کر دیا تھا، تھکان اور نیند کا بھی چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کمر سیدھی کرنے لیٹا تو فوراً نیند نے آدبوچا۔ مشکل سے ایک گھنٹہ نیند کی ہو گی کہ کسی کے گانے کی آواز سن کر ہڑبڑا کر اٹھا۔ اپنی گن سنبھالی اور چوکنا ہو کر ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں بیٹھا ارد گرد کا جائزہ لیتا رہا۔ چند منٹ بعد میں پتھروں کی آڑ لیتا ہوا کچھ اوپر چڑھا۔ ابھی میں نے پچاس گز کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں اوپر ایک بنکر میں دو فوجی پہرہ دے رہے ہیں۔ ان سے پچیس گز مزید اوپر ایک فوجی پوسٹ ہے، جس کا کچھ حصہ زمین کے اندر تھا اور تین چار فٹ زمین کے اوپر نظر آ رہی تھی۔ یہ نئی مصیبت تھی۔

رات بھر کے تھکا دینے والے طویل سفر کے بعد اب عملاً ممکن نہیں تھا کہ دوبارہ واپس نیچے اتر کر کوئی دوسری راہ تلاش کروں، یہاں ٹھہرنا بھی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اس لئے فیصلہ کیا کہ ان کے درمیان سے ہی گزرنے کی راہ تلاش کروں۔ اس جگہ آڑ لینے کے لئے کچھ درخت بھی تھے۔ کافی دیر تک چند سو گز کے اس خطرناک راستے کو عبور کرنے کے لئے مختلف منصوبوں پر غور و خوض کرتا رہا، اس کے بعد بنکر کی پشت سے گزرنے کا فیصلہ کر کے میں نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا۔ ایک درخت کی آڑ لیتا، چند لمحے وہاں رکتا، پھر تیز قدم اٹھاتا ہوا دوسرے درخت کی آڑ میں چلا جاتا۔ ہر درخت کے درمیان دس پندرہ گز کا فاصلہ تھا۔ بنکر میں پہرے پر موجود فوجیوں کے درمیان سے گزر گیا اور یہ اللہ کا فضل تھا کہ پوسٹ کے اندر تمام فوجی سوئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد میں پانی کی ایک نالی عبور کر کے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ اب میں قدرے محفوظ تھا، بھوک البتہ جان لیوا ہو رہی تھی۔

❁❁

اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک وسیع گراؤنڈ کی شکل کا سبزہ زار تھا۔ شاید پہلے اس میدان میں گوجر اپنے مال مویشی چرانے کے لئے آتے تھے، لیکن اب اس میدان کے دونوں اطراف میں فوج کی پوسٹیں بنی ہوئی تھیں۔ اس میدان کے اندر بڑے بڑے پتھروں کی ایک لمبی قطار تھی۔ میدان میں پانی کی ایک نالی بھی بہہ رہی تھی۔ میں پتھروں کی آڑ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک قریب سے ہی مجھے وہی گھاس دکھائی دی جس سے پہلے پیٹ کا جہنم ٹھنڈا کیا تھا۔ اب پھر صبر شکر کر کے پیٹ کی آگ بجھائی اور میدان عبور کرنے کا مشکل ترین مرحلہ طے کرنے لگا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ابھی میں نے سبزہ زار کا نصف حصہ ہی طے کیا تھا کہ دیکھا ایک طرف سے دو فوجی آ رہے ہیں۔ وہ میرے قریب پہنچے، میں سانس روک کر ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ دل ہی دل میں اللہ سے تائید کی دعائیں مانگ رہا تھا، اس دوران اللہ کی طرف سے خصوصی مدد آ گئی۔ اچانک اس قدر دھند چھا گئی کہ ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور سمت کا تعین کر کے دھند میں ہی دوڑ لگا دی۔ میدان پر کورا جما ہوا تھا جس پر دوڑنا بھی آسان نہیں تھا، لیکن اس تائید غیبی سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے چند منٹوں میں دو سو گز کا فاصلہ گرتے پڑتے خیریت سے پار کر لیا۔ دوسری طرف ایک کچا راستہ نیچے جا رہا تھا۔ مجھ سے دو سو میٹر دور ایک پوسٹ تھی لیکن یہ بھی دھند میں چھپی ہوئی تھی۔ میں اطمینان سے اس راستے سے اترنے لگا۔ اب میرے سامنے وسیع و عریض وادی لولاب پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے وادی لولاب میں اترنا شروع کیا۔

❁❁

تقریباً دو گھنٹے کے بعد میں ایک ہموار جگہ پر پہنچا تو وہاں ایک لڑکا بھیڑ بکریاں چرا رہا تھا۔ اس نے جوں ہی مجھے دیکھا تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ جیسے اس کا کوئی بچھڑا ہوا عزیز اچانک مل گیا ہو۔ اس نے فوراً ایک دوسرے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ میرا پٹھو اٹھا لے۔ میں اس سے بڑی گرم جوشی سے ملا۔ تعارف وغیرہ ہوا تو اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر دکھایا اور کہا میرا بھائی بھی مجاہد ہے۔ میں اب کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے ساتھ لیا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ اس کا گھر اس جگہ سے آدھے گھنٹے کے فاصلے پر تھا۔ مجاہد کے عمر رسیدہ والد اور دوسرے افراد نے مجھے بڑی گرم جوشی سے خوش آمدید کہا۔ گرم پانی سے میرے ہاتھ پاؤں دھلائے اور پر تکلف کھانا کھلایا۔ اس کے بعد اس کا والد مجھے لے کر ایک قریبی مقام پر چلا گیا۔ جہاں بڑے بڑے پتھروں کے درمیان ایک محفوظ پناہ گاہ بنی ہوئی تھی، یہ اس کے باپ نے مجاہد بیٹے کے لئے تیار کر رکھی تھی تاکہ بھارتی فوجی اس تک نہ پہنچ سکیں۔ یہاں سونے کی تمام سہولیات موجود تھیں۔ گزشتہ کئی دنوں سے نیند پوری نہیں ہوئی تھی، اس لئے میں لمبی تان کر سو گیا۔

شام کے آٹھ بجے میں بیدار ہوا۔ ایک بار پھر پر تکلف کھانے سے میری تواضع کی گئی۔ دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ انہوں نے بھارتی فوج کے مظالم کے بہت سے واقعات سنائے۔ چھوٹے بچوں نے فوج کے ہاتھوں لگے ہوئے جسموں پر زخم دکھائے۔ انہوں نے بتایا فوج ان کے گھر سے انڈے اور مرغیاں بھی چرا کر لے گئی ہے۔ رات اسی پناہ گاہ میں گہری نیند سو کر گزاری۔ اب میرے لئے اپنے ساتھیوں سے رابطہ کرنا سب سے اہم تھا۔

اگلے دن میں بھی اس کے ہمراہ مال مویشی چرانے گیا۔ میں اردگرد کے ماحول کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ گیارہ بجے کے قریب میں ستانے کے لئے ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں لیٹا ہی تھا کہ میری نظر سامنے پہاڑ پر پڑی۔ کچھ دور چند مجاہد نیچے اتر رہے تھے۔ مسرت کے جذبات سے بے قابو میں اٹھا اور ان کی جانب چل دیا۔ وہ میرے ساتھی سے میرے ہی بارے میں پوچھ رہے تھے۔ اس دوران میں ان کے پاس پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی بانہیں پھیلا دیں، سب سے باری باری معانقہ کیا۔ یہ سب میرے ساتھی تھے جو دو دن قبل نالہ عبور کرتے ہوئے مجھ سے بچھڑ گئے تھے۔ اس مرحلے پر دوبارہ ان سے آملنا ایک معجزے سے کم نہیں تھا۔

بھوک اور تھکاوٹ نے انہیں نڈھال کر رکھا تھا۔ اتفاق ایسا تھا کہ مجاہد کے گھر میں کھانے پینے کا راشن ختم ہو چکا تھا۔ اس کے والد نیچے گاؤں سے سامان خورد و نوش لانے گئے ہوئے تھے۔ میں نے اس کے چھوٹے بھائی کو کچھ رقم دی اور کہا کہ فوراً گاؤں جا کر کھانے پینے کی اشیاء لے آئے۔ میں نے اسے احتیاط برتنے کی تاکید کی، کیونکہ گاؤں میں مخبروں کی کمی نہ تھی۔ اس کے بعد اپنے مجاہد ساتھیوں کو لے کر ان کے گھر چلا گیا۔

اب ہماری تعداد پھر پانچ ہو گئی تھی۔ کچھ دیر بعد مجاہد کا بھائی کھانے کی اشیاء لے کر پہنچا۔ عشاء کے بعد اس کے والد اور ایک مقامی مجاہد بھی آ پہنچے۔ انہوں نے مقامی کمانڈر کا پیغام دیا کہ وہ گاؤں میں ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ ہم نے کھانا کھایا اور پھر مقامی مجاہد کی معیت میں نیچے گاؤں روانہ ہو گئے۔ مجاہد کے والد بھی ساتھ جانے پر اصرار کر رہے تھے، لیکن ہم نے انہیں گھر پر ٹھہرنے کو کہا۔

رات دس بجے ہم گاؤں کے کنارے ایک مکان میں خان اور چند دوسرے مجاہدوں سے ملے۔ انہوں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ لسی اور دودھ سے ہماری تواضع کی۔ میں نے کہا کہ سردست ہم بانڈی پورہ اور ملن گام جانا چاہتے ہیں۔ دراصل جب ہم وادی کی طرف روانہ ہوئے تھے تو ہم نے بانڈی پورہ اترنا تھا، لیکن راستے کے واقعات نے ہمارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا تھا اور ہمیں ایک دوسرے اور طویل راستے سے لولاب میں داخل ہونا پڑا۔

مجاہدین نے رات ٹھہرانے پر بہت اصرار کیا، لیکن ہم جلد از جلد نظم کے پاس پہنچنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ مجھے اپنے ان ساتھیوں کی فکر بھی تھی جو لائن آف کنٹرول پر ہم سے بچھڑ گئے تھے۔ میں ان کے متعلق جاننے کے لئے بے چین تھا۔ چنانچہ دو گھنٹے کے بعد خان کے ہمراہ میں اگلے گاؤں روانہ ہوا۔ سیٹ کے ذریعے ہم نے راستے میں مجاہدین کو اپنی آمد کی خبر کی اطلاع دے دی تھی۔ آدھی رات کے

WAQAR@URDUFANS

وقت ہم رنگل نامی گاؤں کے اوپر جنگل میں پہنچے۔ وہاں ایک مکان کی چھت پر بستر وغیرہ بچھائے اور سو گئے۔ اب ہماری تعداد ایک درجن ہو گئی تھی۔ صبح نماز ادا کی اور وائرلیس سیٹ کے ذریعے مجاہدین کی مقامی قیادت سے رابطہ کیا۔ کمانڈر اکبر اس علاقے کے منتظم تھے، وہ بھی دن چڑھے پہنچ گئے۔

❁❁

کمانڈر اکبر نے ہمیں ایک دوسرے گاؤں منتقل کر دیا۔ وہاں ہم دو دن رہے۔ اس کے بعد ایک تیسرے گاؤں کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ ایک اونچے پہاڑ کو عبور کر کے ہم اس گاؤں میں پہنچے۔ وہاں کے مجاہدین نے ہمارا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس گاؤں کے قریب ہی ایک فوجی کیمپ تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے باہر ہی ٹھہرایا گیا۔ ہماری وصولی کی پرچی پر دستخط کئے گئے۔ چند گھنٹے کے قیام کے بعد یہاں سے روانہ ہو کر ہم سرشام سوگام پہنچ گئے۔ وہاں کمانڈر نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ مقامی مجاہدین رات کو قریبی جنگل میں سوتے تھے۔ اس لئے ہم بھی رات کو جنگل میں جا کر سو گئے۔ سوگام میں ہم تین دن رہے۔ اس دوران دو مرتبہ فوج بھی گاؤں میں آئی لیکن جنگل کا رخ کرنے کی اسے ہمت نہیں ہوئی۔ ہر روز صبح ہم اپنے ہائیڈ آؤٹ سے نکلتے اور نیچے ایک مڈل سکول میں پہنچ جاتے۔ وہاں گاؤں کے مختلف گھرانوں سے پرتکلف ناشتہ آتا۔ سوگام کے قصبے میں مجاہدین کا اس حد تک کنٹرول تھا کہ مغرب کے بعد وہاں مجاہدین کا راج ہوتا تھا۔ ہم بھی مغرب کے بعد قصبے کا چکر لگاتے اور پھر جنگل میں جا کر سو جاتے۔

سوگام سے ہی نکی پورہ پہنچے۔ مجاہد عبداللہ ہمارے رہنما تھے۔ وہاں سے ہم درد پورہ پہنچے۔ درد پورہ میں ایک جگہ فوج نے ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش کی لیکن جب ہم قریبی جنگل میں داخل ہو گئے تو اسے جنگل میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوئی۔ درد پورہ سے ہم نے بانڈی پورہ کا سفر شروع کیا۔ پہاڑوں اور جنگلوں سے ہوتے ہوئے ہم بانڈی پورہ کے اوپر واقع ایک گاؤں میں پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، جہاں گرمیوں میں ہی رونقیں ہوتی ہیں۔ یہاں سے بہت ٹھہارے تھے، ان ہی ٹھہاروں میں مجاہد بھی مقیم تھے۔ یہیں پر وہ ساتھی بھی آملا جو دوران سفر فوجی کیمپ میں ہم سے گم ہو گیا تھا۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر ہم نے چند گھنٹے گزارے۔ اس کے بعد وہاں کے لانچنگ انچارج نے ہمیں ساتھ لیا اور کنڈ گلی نامی گاؤں پہنچا دیا۔ شام کو ہم وہاں پہنچ گئے۔ کنڈ گلی میں ہماری آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ یہاں میرا رابطہ کمانڈر کامران سے کروایا گیا اور یہاں سے ہم ملن گام چلے گئے جہاں کمانڈر کامران ہمارے منتظر تھے۔

❁❁

ملن گام میں ہم ایک رات محوِ خواب تھے کہ اڑھائی بجے کے قریب پہرے پر موجود مجاہد نے ہمیں

جگا دیا۔ میں آنکھیں ملتے ہوئے اٹھا اور پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا فوج کی درجنوں گاڑیاں کچھ ہی دیر میں گاؤں میں داخل ہونے والی ہیں۔ کمانڈر کامران ہمارے ساتھ تھے، انہوں نے فوراً ہی قریبی جنگل میں چلے جانے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ ہم نے گنیں سنبھالیں اور جنگل کا رخ کیا۔ گاؤں سے روانہ ہوتے وقت ہم نے علاقے میں مجاہدین کو خبردار کرنے کے لئے سگنل کے طور پر دو تین فائر کر دیئے تھے۔ ابھی ہم نے جنگل میں چند ہی گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک کرخت آواز سنائی دی۔

"کون ہو تم؟"

جنگل میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، آواز دینے والے کے نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، اس لئے ہمارے کمانڈر نے اندھیرے میں تیر چلاتے ہوئے بلند اور پراعتماد لہجے میں کہا۔

"میں روندر ہوں۔"

"روندر سنگھ؟"

"ہاں روندر سنگھ....."

"اچھا ٹھیک ہے، اپنی پوسٹ پر پہنچو....."

دراصل فوج نے جنگل کو بھی قبضے میں لے رکھا تھا اور انہوں نے ہمیں بھی اپنا ساتھی سمجھ لیا تھا۔ یہ ہمارا پہلا تجربہ تھا۔ ہم نے پہلی بار ان کی آواز سنی تو انہیں کسی دوسری تنظیم کا مجاہد سمجھ لیا تھا۔ تاہم کمانڈر صاحب نے ان کو پہچان لیا۔ وہ بلیک کیٹس کمانڈوز تھے جن سے کمانڈر کامران کو واسطہ پڑتا رہتا تھا۔

ہم تیزی سے اوپر چڑھنے لگے۔ کچھ دیر بعد ایک ہموار جگہ پر پہنچے تو انہوں نے ہمیں دیکھ لیا۔ لیکن ہمیں مقابلے پر تیار دیکھ کر فائر کھولنے کی جرات نہیں ہوئی۔ اتنی دیر میں ہم نے منصوبہ بند کر لی تھی۔ ہمارا ایک ایک ساتھی اوپر جاتا رہا، باقی اسے کور دینے کی پوزیشن میں بیٹھے رہے۔ اس طرح تمام ساتھی خیریت سے پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے۔ وہاں بہت سے مویشیوں کے لئے بنے ہوئے مکان تھے، جن میں رات کا آخری حصہ اور اگلا پورا دن ہم نے قیام کیا۔

❁❁❁

WWW.PAKSOCIETY.COM

پہاڑ کی اس چوٹی پر ہم نے وہ رات کمانڈر کامران کی معیت میں گزاری جن سے کھل کر گفتگو کا موقع مجھے آج مل رہا تھا کیونکہ اس سے پہلے ہم قریباً حالت جنگ میں رہے تھے۔ میں نے ان سے آسیہ کی خیریت دریافت کی اور مجھے علم ہوا کہ میرے ساتھیوں نے دہلی میں میرے گھر والوں کو میری خیریت سے مسلسل آگاہ رکھا ہے اور ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ انہیں اس بات کا قطعاً شک نہ گزرے کہ میں "بیس کیمپ" گیا ہوں۔

اس مقصد کے لئے انہوں نے وقتاً فوقتاً فیکس اور ٹیلی گرام کے ذریعے میرے گھر والوں کو اطمینان دلائے رکھا۔ میں نے انہیں راستے میں پیش آمدہ واقعات سے آگاہ کیا تو انہیں اپنی کارکردگی سے خاصا مطمئن پایا۔

اس روز فجر کی نماز کے بعد اچانک ہی کمانڈر کامران نے صرف مجھے تیاری کا حکم دیا اور ہم چوٹی کے مخالف سمت سے نیچے اترنے لگے۔ راستہ بڑا دشوار تھا۔ لیکن اب مجھے ان راستوں پر چلنے کی عادت ہو گئی تھی۔

ہمارا سفر مسلسل جاری رہا اور قریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہاڑ سے ملحقہ جنگل میں سفر کرنے کے بعد ہم ایک پہاڑی نالے پر پہنچ گئے جو دراصل ہمارے لشکر کا ایک "ہائیڈ آؤٹ" تھا۔ جہاں سے ہم ایک گھوڑے پر سوار ہو کر عازم سفر ہو گئے۔ کمانڈر کامران نے مجھے اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے گھوڑے کی پیٹھ پر سفر کا اتفاق ہوا تھا۔ قریباً ایک گھنٹہ وہ مختلف راستوں سے گزرتے ایک ایسی جگہ پہنچ گئے تھے جہاں ہمیں دور سے کسی گاؤں کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔

گاؤں کے باہر پہاڑی کے ساتھ موجود اپنے ایک اور ٹھکانے پر کمانڈر کامران نے گھوڑا چھوڑا۔ یہاں میں نے اپنی گن بھی دے دی۔ اب میرے پاس ریوالور اور دو ہینڈ گرنیڈ تھے جنہیں میں نے مقامی لباس پہن کر اپنے فرن میں اس طرح چھپا رکھا تھا کہ وہ سوائے تلاشی لینے کے اور کسی طرح دکھائی نہ دیں۔

اس حالت میں سفر کرتے ہم اس گاؤں تک پہنچ گئے جس کے نام کا مجھے علم نہیں۔

لیکن..... یہاں زندگی کی خوشگوار ترین حیرت میری منتظر تھی۔ کمانڈر کامران کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے ابھی بمشکل چند منٹ ہی گزرے تھے جب کمرے کا دروازہ دوبارہ کھلا اور آسیہ اندر داخل ہوئی۔ دو مجاہد کے اس کے ساتھ ہی اندر آ گئے۔

ہمیں سلام کر کے وہ ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ کمانڈر کامران نے دونوں مجاہدین سے جو اس کے ہمراہ آئے تھے، کشمیری زبان میں کچھ کہا اور دونوں گردن ہلاتے باہر چلے گئے۔

"کیسا رہا بیس کیمپ کا سفر؟"

ان کے جاتے ہی آسیہ نے دریافت کیا۔

"بہت اچھا..... الحمدللہ توقع سے بڑھ کر....." میں نے اسے بے ساختہ بیس کیمپ کی کہانی سنانی شروع کی۔

آسیہ کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ مجھے دوران گفتگو اکثر ٹوک کر مختلف سوالات کرتی رہی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے "بیس کیمپ" نہیں دیکھا، لیکن اس کی جان وہاں اٹکی ہوئی تھی۔ وہ ایک ایک نکتہ کی تفصیلات دریافت کر رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا جب میں اسے بیس کیمپ سے متعلق بتا رہا تھا تو اس کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔ کسی معصوم اور متجسس بچے کی طرح وہ بڑی دلچسپی سے ساری باتیں سن رہی تھیں اور کرید کرید کر تربیتی مراحل سے متعلق جان رہی تھی۔ شاید وہ میری تربیت سے متعلق مکمل اطمینان چاہتی تھی۔

ہماری بات چیت کا خاتمہ ایک بزرگ خاتون کی آمد پر ہوا جو ہمارے لئے کھانا لے کر آئی تھی۔ خاموشی سے کھانا رکھ کر وہ باہر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد کمانڈر کامران، میں اور آسیہ کھانا کھا رہے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کمانڈر کامران اس علاقے میں بھارتی فوج کی پوزیشنوں اور طریق کار سے مجھے آگاہ کر رہا تھا جب اچانک ہی دروازہ کھلا اور وہی عورت اندر داخل ہوئی۔

میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ وہ گھبرائی ہوئی تھی البتہ بہت جلدی میں دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے مقامی زبان میں کچھ کہا اور آسیہ کا جواب سن کر باہر نکل گئی۔

"یہاں سے قریب ہی بھارتی فوجی نے کریک ڈاؤن کیا ہے۔ تمہارے ساتھ آنے والے دوسرے لشکر کے کچھ مجاہدوں نے وہاں پناہ لے رکھی تھی جو مقابلے میں شہید ہو گئے ہیں۔ دو تین بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب یہ لوگ اسی طرف آ رہے ہیں..... ہمیں فی الوقت یہاں سے نکلنا ہوگا....."

WWW.PAKSOCIETY.COM

کمانڈر کامران نے کہا۔

اس اثناء میں آسیہ تیزی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور جلد ہی واپس آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں دو گنیں اور گولیوں کے دو تھیلے پکڑے تھے۔

ایک گن اور تھیلا اس نے کمانڈر کامران کی طرف بڑھایا جس نے تھیلا کمر سے باندھا اور گن پکڑ کر باہر نکل گیا..... میں حیرانگی سے دونوں کی طرف بار بار دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا تھا۔ میرے لئے یہ صورت حال قطعاً باعث پریشانی نہیں تھی۔ کیونکہ دوران تربیت ہمیں ایسے ہی حالات سے نمٹنے کے لئے تیار کیا گیا تھا اور یہ بتایا گیا تھا کہ ہم ہر لمحے غیر محفوظ ہیں، خود کو چوبیس گھنٹے میدان کارزار میں سمجھیں۔

"کامران بھائی گاؤں کی طرف آنے والے راستے پر مورچہ لگانے گئے ہیں۔ وہ فوج کو روکنے کی کوشش کریں گے۔ آپ میرے ساتھ آئیں۔"

اس نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے پیچھے آنے کو کہا۔

میں نے اپنی کمر سے بندھا ریوالور ہاتھ میں پکڑ لیا۔ دونوں گرنیڈ کسی بھی لمحے میری پہنچ میں تھے۔

اللہ کی کبریائی کا ذکر کرتا میں آسیہ کے پیچھے باہر کو لپکا جہاں وہی خاتون خانہ موجود تھی۔ شاید وہ یہاں نگرانی کر رہی تھی۔ آسیہ کو دیکھتے ہی اس نے ہاتھ کے اشارے سے جنوب کی سمت رہنمائی کی اور ہم اس طرف بھاگنے لگے۔ اس اثناء میں ان دونوں مجاہدین کو جو آسیہ کے ساتھ اندر آئے تھے، میں نے مکان کے عقب سے نکل کر اس سمت بھاگتے دیکھا جدھر کمانڈر کامران گیا تھا۔

میں تربیت کے مطابق چوکنا ہو کر آسیہ کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ ہم دونوں قدرے جھک کر بھاگ رہے تھے تاکہ مکان کی اوٹ اور اس سے ملحقہ جھاڑیوں میں چھپتے ہوئے اسی طرح پہاڑ کی طرف نکل جائیں کہ دشمن کو دکھائی نہ دیں۔

اچانک ہی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونجنے لگی..... شاید کمانڈر کامران اور اس کے ساتھیوں کی دشمن سے معرکہ آرائی کا آغاز ہو گیا تھا۔ میرا جی تو چاہتا تھا کہ ابھی یہاں سے نکلوں اور ان کی مدد کو پہنچ جاؤں لیکن یہ میرے اختیار میں نہیں تھا کیونکہ آسیہ کو ہمارے گروپ میں کمانڈر کی حیثیت حاصل تھی اور مجھے اطاعت امیر کرنا تھی۔

ہم جن جنگلی جھاڑیوں میں بھاگ رہے تھے ان کا خاتمہ ایک چوڑی اور قدرے ناہموار پگڈنڈی پر ہوتا تھا جسے عبور کرنے کے بعد ہم اس جنگل میں داخل ہو جاتے جس میں موجود پہاڑی کے دوسری طرف

ہمارا "ہائیڈ آؤٹ" موجود تھا۔

❁❁

حملہ آور خاصے ہوشیار دکھائی دے رہے تھے اور مجھے بعد میں علم ہوا کہ ایسی ہوشیاری کا مظاہرہ وہ عموماً اس وقت کرتے ہیں جب کوئی مقامی "مخبر" انہیں صحیح صحیح اطلاع دیتا ہے۔ اچانک ہی آسیہ ٹھٹک کر رک گئی اور اس نے مجھے بھی ہاتھ کے اشارے سے رکنے کو کہا۔ ہم دونوں ہی کان لگا کر کسی انجن کی آواز سننے کی کوشش کر رہے تھے اور فوراً ہی مجھے احساس ہو گیا کہ یہ جیپ کی آواز ہے جو اس پگڈنڈی پر سفر کرتی ہوئی اسی طرف آ رہی ہے۔ شاید دشمن کو یہاں آسیہ کی موجودگی کی اطلاع مل گئی تھی اور اب اپنی دانست میں وہ دھوکہ کی چال چلتے ہوئے ہمیں گھیر کر مارنے کی کوشش کر رہے تھے کیونکہ گاؤں کے سامنے سے ان کا بڑا حملہ آ رہا تھا جبکہ ایک جیپ جس میں ان کے "بلیک کیٹس کمانڈو" سوار تھے، جن پر بھارتیوں کو بڑا ناز تھا، اس طرف سے ہمیں گھیرنے کے لئے آ رہی تھی۔

پگڈنڈی کو دیکھتے ہوئے بظاہر یہ نہیں لگتا تھا کہ وہ لوگ ایسے خطرناک راستہ اختیار کریں گے لیکن مجھے بعد میں احساس ہوا کہ آسیہ جیسی مجاہدہ کو گرفتار کرنے کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔

میں اس صورت حال سے ایک لمحے کے لئے بھی گھبراہٹ کا شکار نہیں ہوا۔ کم از کم آسیہ کی موجودگی میں کسی بھی طرح میں اپنی مردانگی کو نیچا نہیں دکھانا چاہتا تھا۔

آسیہ نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ مجھے مستعد اور مطمئن دیکھ کر اس کے مقدس ہونٹوں پر مسکراہٹ جاگی..... جیپ کے انجن کی آواز اب اتنی نمایاں تھی کہ ہم اس کی سمت کا اندازہ لگا سکتے تھے۔ آسیہ نے میری طرف دیکھا اور مجھے اشارے سے وہیں چھپ کر لیٹنے کو کہا جبکہ وہ خود ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی چند گز دور گھات لگا کر بیٹھ گئی۔

میرے پاس فی الوقت صرف ریوالور ہی ایسا ہتھیار تھا جس سے میں حملہ کرتا لیکن اس کی رینج کم تھی۔ کم از کم گن جتنی نہیں تھی۔ یوں بھی دشمن کے جدید ترین ہتھیاروں کے مقابلے میں یہ ریوالور کیا کام دکھا سکتا تھا۔

اب پوزیشن ایسی تھی کہ میں دائیں طرف آگے اور آسیہ مجھ سے چند گز دور اپنی گن سے شست باندھے بیٹھی تھی۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ جیپ میری سمت آ رہی ہے۔

انسانی سائیکی میں بعض فیصلہ کن لمحات ایسے آتے ہیں جب چند ساعتوں میں کیا گیا فیصلہ ساری زندگی پر اثرات مرتب کرتا ہے۔ وہ لمحہ مجھ پر بھی آیا اور مجھ سے ایسا فیصلہ کروا گیا جس پر میں آج بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ نجانے میرے دل میں کیا سمائی کہ میں اٹھ کر اچانک کھڑا ہو گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

آسیہ نے میری طرف دیکھا اور ایک لمحے کے لئے شاید اس نے بھی سوچا ہوگا کہ میں خوفزدہ ہوگیا ہوں کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں نے جیپ کی سمت جھاڑیوں میں دوڑ لگا دی۔

اس سے پہلے کہ صورت حال کی سمجھ آسیہ کو آ سکے۔ میں نے اپنے فرن کی جیب سے گرنیڈ نکال کر اس کی پن دانتوں سے الگ کر دی اور جب مجھے یقین ہوگیا کہ اب میں جھاڑیوں سے باہر نکلوں گا تو جیپ میرے بالکل سامنے ہوگی تو میں پگڈنڈی کی طرف باہر نکل آیا۔

میری آنکھوں کے بالکل سامنے بمشکل بیس پچیس گز کے فاصلے پر بھارتی کمانڈوز کی جیپ انتہائی کم رفتاری سے راستہ ناہموار ہونے کی وجہ سے مست ہاتھی کی طرح ڈولتی اس طرف بڑھ رہی تھی۔ مجھے اس طرح اچانک اپنے سامنے دیکھ کر شاید ڈرائیور نے مجھے کوئی بھوت سمجھ لیا ہوگا کیونکہ ایسا کرنا سوائے خودکشی کے اور کیا معنی رکھتا تھا۔

شاید گھبراہٹ میں اس نے بریک لگائی تھی تاکہ اس کے ساتھ اپنی گنیں پوزیشن کر لیں، لیکن بریک لگنے سے جیپ کے رکنے تک میرا پھینکا ہوا گرنیڈ ان کی جیپ پر گرا اور ابھی پہلا دھماکہ ہوا ہی تھا جب میں نے دوسرا گرنیڈ بھی ان کی طرف اچھال دیا۔ اس کے ساتھ ہی کسی نادیدہ قوت نے مجھے اٹھا کر جھاڑیوں میں پھینک دیا۔

یکے بعد دیگرے دو زوردار دھماکوں نے جیپ کے سواروں سمیت پرخچے اڑا کر رکھ دیئے۔ میں نے زمین پر گرنے کے فوراً بعد "دھپ" کی زوردار آواز سنی۔ یہ آسیہ تھی جو چھلانگ لگا کر زمین پر میرے نزدیک ہی گری تھی۔

میرا اور بھارتی مسلح افواج کا یہ پہلا باقاعدہ ٹکراؤ تھا اور پہلے ہی حملے کی شاندار کامیابی نے میرا سیروں خون بڑھا دیا۔ میں بجلی کی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر ایک کمانڈو کی ادھ جلی لاش پڑی تھی جس سے خون جاری تھا۔ اس کی گن کچھ فاصلے پر گری ہوئی تھی۔ لپک کر میں نے گن اٹھالی۔

آسیہ اٹھ کھڑی ہوگئی۔ وہ حیرانگی، خوشی اور جوش کے ملے جلے جذبات سے کبھی کمانڈوز کی جیپ سمیت جلتی لاشیں اور کبھی میری طرف دیکھنے لگتی۔ مجھے اس نے گن اٹھاتے دیکھ لیا تھا۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ شاید ایک دوسرے کو اس کا یقین دلانا چاہتے تھے کہ ہماری آنکھوں نے کوئی خواب نہیں دیکھا.....

خوشی اور جوش کے اس عالم میں مجھے اس بات کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ دھماکے سے جیپ کے بونٹ کا ایک ٹکڑا اڑ کر میرے دائیں بازو پر سینے کے بالکل نیچے لگا تھا اور میرے جسم سے خون جاری تھا۔

شاید آسیہ کو میرے سامنے سے جلے کپڑے دکھائی دیئے اور منہ پر کچھ خراشیں.....

اس نے دیوانہ وار میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا.....

"تم تو زخمی ہو....."

اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

میں نے اس کی طرف گردن گھما کر دیکھا اور کچھ جواب نہ دیا۔

"آؤ.....اس طرف آؤ....."

اس نے میرا ہاتھ دوبارہ زور سے کھینچا تاکہ میں استغراق کی اس کیفیت سے باہر نکلوں اور اس سمت بھاگنے لگی جس طرف ہم نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا..... پہلے تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بھاگتی رہی پھر ہاتھ چھوڑ دیا۔ اب میں اس کے پیچھے گن ہاتھ میں پکڑے بھاگ رہا تھا۔

پگڈنڈی کے دوسری طرف گھنے جنگل میں قریباً ایک فرلانگ تک بھاگنے کے بعد وہ اچانک رک گئی۔

"زیادہ زخم تو نہیں لگا....."

اس نے دوبارہ کہا تو مجھے احساس ہوا کہ واقعی میرے جسم سے خون جاری ہے۔

"نہیں.....معمولی خراش ہے....."

میں نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔ شاید ابھی تک میں اس فتح کے نشے سے سرشار تھا جو مجھے اس ابتدائی مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی تھی۔

"ٹھہرو....."

اس نے مجھے حکم دیا اور میں ٹھہر گیا۔

آسیہ نے سامنے سے جلا ہوا کپڑا پھاڑ کر میرے زخم کا جائزہ لیا اور اچانک اس نے اپنے جسم سے لپٹی بڑی سی چادر کو ایک کونے سے پھاڑا اور میرے "ناں ناں" کرنے کے باوجود میرے جسم کے گرد اس طرح کس کر باندھ دیا کہ وقتی طور پر میرا خون بہنا بند ہوگیا..... "زیادہ تکلیف تو محسوس نہیں کر رہے۔"

اس نے اگلا سوال کیا۔

"نہیں....."

میں نے مختصر جواب دیا۔

"چلو....."

اگلا حکم ملا اور میں پھر چل دیا۔

WAQAR@UPLOADS

ہمارے عقب میں فائرنگ کی آوازیں مدھم پڑنے لگی تھیں۔ شاید قضا اس جیپ کے سواروں کو اکیلے ہی اس طرف لے آئے تھی اور وہ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہو گئے تھے کیونکہ ابھی تک کوئی ہمارے تعاقب میں نہیں آیا تھا۔

گھنے جنگل سے پہاڑی کو عبور کر کے دوسری طرف موجود ہماری پناہ گاہ تک قریباً ڈیڑھ گھنٹے کا سفر میں نے کیسے طے کیا؟

مجھے اس کا علم تھا نہ احساس، صرف اتنا یاد ہے کہ جب ایک درخت کی اوٹ سے کچھ مجاہد بھاگتے ہوئے ہماری طرف آئے تو نقاہت سے مجھے چکر آ گیا لیکن اس سے پہلے کہ میں زمین بوس ہوتا، چار مضبوط ہاتھوں نے مجھے تھام لیا۔ ان میں آسیہ کے دو ہاتھ بھی شامل تھے۔

میرے سینے پر بندھی پٹی خون میں بھیگ رہی تھی لیکن الحمدللہ میرے حواس قائم تھے۔ میں ان کے سہارے چلتا جھونپڑی تک پہنچا جس کے اندر رکھی ایک لکڑی کی کرسی پر مجھے بٹھا کر ایک ساتھی نے میری پٹی کھولی۔

آسیہ باہر جا چکی تھی.....

ہمارا یہ مجاہد ساتھی تربیت یافتہ ڈاکٹر تھا۔ اس نے ایک اور مجاہد کی معاونت سے میرے کپڑے اتار کر میرے زخم کو سیا، مرہم پٹی کی اور چند گولیاں مجھے نگلنے کی ہدایت کی۔ یہ گولیاں انہوں نے بکری کے دودھ کے ساتھ مجھے دی تھیں جو یہاں نعمت غیر مترقبہ تھا۔

گولیاں کھانے کے فوراً بعد انہوں نے مجھے ایک کونے میں لگے آرام دہ بستر پر پشت کے بل لٹا دیا اور ایک کمبل مجھ پر ڈال دیا۔

میں کب سویا؟ کب جاگا؟ وقت کا اندازہ نہیں لگا پایا۔ بس اتنا یاد ہے کہ نیند سے بیدار ہوا تو ایک کونے میں جائے نماز پر ایک مجاہد ساتھی نماز پڑھ رہا تھا اور آسیہ لکڑی کی کرسی پر بیٹھی تھی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا..... ہلکے سے درد کا احساس ہوا لیکن باقی خیریت رہی..... مجھے اس طرح اچانک اٹھتے دیکھ کر تسبیح کرتی آسیہ نے چونک کر میری طرف دیکھا تو میں نے اسے خود سلام کر کے احساس دلایا کہ میں بقائمی ہوش و حواس میں ہوں۔

"کیسے ہیں آپ؟" اس نے بے قراری سے پوچھا۔

"الحمدللہ....." میں نے مختصر جواب دیا۔

"الحمدللہ....." اس نے جواب میں بھی دہرایا۔

اس اثناء میں دوسرے مجاہد ساتھی نماز سے فارغ ہو گئے تھے۔ انہوں نے مجھے سلام کرنے کے بعد میری خیریت دریافت کی پھر میرے نزدیک آ کر مجھے اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھا۔ یہ ہمارے دیرینہ ساتھی ڈاکٹر خلیل بھائی تھے جنہوں نے رات میری مرہم پٹی کی تھی لیکن میں اپنی جسمانی اور ذہنی حالت کی وجہ سے انہیں پہچان نہیں پایا تھا۔ مجھے کچھ شرمندگی سی ہوئی۔

"کیا وقت ہو گیا ہے۔"

میں نے دریافت کیا۔

"فجر کا وقت ہے۔"

ڈاکٹر خلیل نے جواب دیا۔

"کمال ہے میں اتنی دیر سویا رہا۔"

میں نے حیرانگی سے کہا۔

"یہ دراصل ان نیند کی گولیوں کا کمال ہے جو میں آپ کو دوائی کے ساتھ کھلائی تھیں۔ آپ کے لئے نیند ضروری تھی..... آسیہ بہن جی کو آپ کی بہت فکر تھی لیکن میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں بہت سخت جان ہوں۔ آپ واقعی میری فکر نہ کیا کیجئے۔"

میں نے آسیہ کی طرف تشکرانہ نظروں سے دیکھا جس نے صرف اثبات میں گردن جھکائی۔

"علوی بھائی! میں تمام مجاہدین کی طرف سے آپ کو اس سرخروئی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ پہلے ہی معرکے میں ہم سب سے آگے نکل گئے۔"

ڈاکٹر خلیل نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"یہ اللہ کا احسان ہے اور کچھ نہیں..... دشمن کو دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہوا۔ اگر میں کسی حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہوں تو معافی کا خواستگار ہوں....."

میں نے آسیہ سے کہا، کیونکہ وہ بہر حال ہماری کمانڈر تھی۔

"نہیں..... آپ نے بہترین حکمت عملی اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اس کی وجہ سے الحمدللہ ہمارے تینوں ساتھی صحیح سلامت نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ کیونکہ زوردار دھماکے اور جیپ کی تباہی سے ان لوگوں نے یہ سمجھا ہو گا کہ پشت سے مجاہدین ان پر حملہ آور ہوئے ہیں اور مجاہدین کی اطلاع ملنے پر یہ لوگ

WAQARUDDIN

کھنڈرو میں آرمی کا ایک بڑا اور بہت مشہور کیمپ ہے۔ اس کیمپ کے فوجیوں نے پورے علاقے میں دہشت پھیلا رکھی تھی۔ آئے روز کریک ڈاؤن کرتے اور عام لوگوں کو مارا پیٹا جاتا تھا۔ مجاہدین کے خلاف بھی اس کیمپ سے آپریشن ہوتے رہتے تھے۔ کھندور کی آبادی میں مجاہدین کے معاون و مددگار لوگ اکثریت میں ہیں جو ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے آمادہ رہتے اور کبھی تعاون سے ہاتھ نہیں کھینچتے۔ بستی میں اترنے کے بعد ہم ایسے سراپا ایثار گھرانے کے مہمان ہوئے اور رات کا اندھیرا پھیلنے تک اسی گھر میں قیام کیا۔ اندھیرا گہرا ہوا تو وہاں سے نکلے اور رات بسر کرنے کے لئے بلندی پر واقعی ایک گھر میں پہنچے۔ یہ گھرانا تھلگ بھی تھا اور اس کے ساتھ ہی گھنا جنگل شروع ہو جاتا تھا جو بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی تک چلا جاتا تھا۔ ہم نے اس خیال سے اس گھر میں رہنے کا فیصلہ کیا کہ اگر فوج کریک ڈاؤن کرنے آ جائے تو ہمیں نکلنے میں آسانی رہے۔

شب بسری کے لئے بستروں کا تکلف نہیں کر سکتے تھے۔ کمروں میں گھاس بچھی تھی، اسی پر دراز ہو گئے۔ سونے سے پہلے سب نے اپنے اپنے پہرے کا وقت مقرر کر لیا۔ غالباً صبح کے چار بجے پہرے پر موجود ایک مجاہد نے مجھے آ کر جگایا اور خبر دی کہ فوج کریک ڈاؤن کے لئے آگے بڑھ رہی ہے۔ میں تیزی سے اٹھا، گن ہاتھ میں پکڑی اور باہر آ گیا۔ دیکھا سات آٹھ فوجی گاڑیاں مدھم لائٹوں کو جلائے آہستہ آہستہ گاؤں کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ گاؤں کے پاس آ کر رک گئیں۔ ہمارا خیال تھا ان گاڑیوں میں آنے والے فوجی گاؤں کا کریک ڈاؤن کریں گے، انہیں اترنے اور ادھر ادھر پھیلنے میں خاصا وقت لگے گا جو ہمارے نکلنے کے لئے کافی ہوگا۔ لیکن ہمارا اندازہ غلط نکلا۔ حقیقت یہ تھی اس سے کافی دیر پہلے پیدل فوج گاؤں کا محاصرہ کر چکی تھی۔ نئی گاڑیاں گاؤں میں مزید کمک لے کر آئی تھیں۔ اتنی دیر میں ایک گاڑی پر لگے لاؤڈ اسپیکر نے چیخنا شروع کر دیا۔ فوجی افسر کہہ رہا تھا.....

''اگر وادی ہتھیار پھینک کر اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ وہ سب ہمارے گھیرے میں ہیں۔''

فوجی پورے گاؤں میں جگہ جگہ دکھائی دے رہے تھے، ان کے پاس معلومات مکمل تھیں۔ مخبر نے ٹھیک اسی مکان کی نشاندہی کر دی تھی جہاں ہم رات کو پہلے ٹھہرے تھے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ فوج نے اس گھر میں جا کر چھاپہ اس وقت مارا جب ہم وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ ہمیں وہاں نہ پا کر وہ آگ بگولہ ہو گئے اور اہل خانہ کو مارنے پیٹنے لگے۔ اہل خانہ نے انہیں جب بتایا کہ مجاہدین رات کو ہی یہاں سے اوپر کی طرف چلے گئے تھے تو ان کی جان خلاصی ہوئی۔

اب فوج کو انتظار تھا کہ روشنی پھیلے تو ہمارے ہائیڈ آؤٹ پر حملہ کرے جو گاؤں سے تھوڑے فاصلے اور بلندی پر تھا۔ اس دوران ہم سب نماز سے فارغ ہو کر فوج کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے لگے۔ روشنی پھیلی تو دیکھا فوجی اس مکان کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگے ہیں جو ہمارا ہائیڈ آؤٹ تھا۔ گاڑیوں کا ایک اور بڑا قافلہ کچھ دور رکا ہوا نظر آیا۔ فوجی اس میں سے اتر رہے تھے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے سات آٹھ گاؤں فوج کے محاصرے میں آ چکے تھے۔ اتنی بڑی فوج کے ساتھ مقابلے کا کوئی فائدہ نہ تھا، موجودہ حالات میں ہمارے لئے ایک ہی راستہ بچا تھا کہ ہم پہاڑ کی چوٹی کی طرف چڑھنا شروع کر دیں۔ ہم نے جنگل میں جا کر یہی طریقہ اختیار کیا، لیکن فوج بھی قدم بقدم ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔ اس کی رفتار ہم سے کسی طور کم نہ تھی۔

ہم کل تیرہ مجاہد تھے۔ جنگل بہت گھنا تھا، اس میں ہم فوج اور فوج ہماری نظروں سے اوجھل تھی۔ چار گھنٹے مسلسل چلنے کے بعد پہاڑ کے اوپر ایک چھوٹے سے ہموار میدان میں پہنچے۔ یہاں خوبصورت گھاس یوں لگ رہی تھی گویا کسی نے سبز قالین بچھا دیا ہو۔ چوٹی تک پہنچنے کے لئے مزید کئی گھنٹے سفر طے کرنا تھا، اتنی دیر تک مسلسل چلنے سے ساتھیوں کی ٹانگیں جواب دے گئی تھیں لہٰذا یہ سوچ کر فوج نیچے سے واپس چلی گئی ہوگی، ہمارے چھ ساتھی سبزے کے قدرتی قالین پر لیٹ کر ستانے لگے۔ باقی مجاہدین کے ساتھ میں کوئی چالیس پچاس میٹر اوپر جا کر بیٹھ گیا تاکہ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھوں۔

ہم زیادہ دیر نہ بیٹھے ہوں گے کہ اچانک گولیوں کا ایک بھرپور برسٹ آ کر میرے اتنا قریب لگا کہ مٹی اڑ کر مجھ پر آ پڑی۔ گن میرے پہلو میں زمین پر پڑی تھی۔ میں نے فوراً اٹھائی اور ہم تمام ساتھی پل بھر میں رولنگ کر کے ایک محفوظ جگہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جلد ہی صورت حال ہماری سمجھ میں آ گئی۔ فوجیوں نے ہمارے نیچے بیٹھے ساتھیوں کو دیکھا تو پیچھے سے آ کر انہیں نشانہ بنانے کی کوشش کی، لیکن ادھر ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے فوجیوں پر جوابا فائرنگ شروع کر دی تو وہ پیچھے ہٹ گئے۔ نیچے بیٹھے ساتھیوں نے بھی فوراً ہی صورت حال کا اندازہ کر لیا اور پھر دونوں طرف سے اندھا دھند فائرنگ ہونے لگی۔

ہمارے لئے اوپر جانے کا راستہ کھلا تھا لیکن نیچے والے ساتھیوں اور ہمارے درمیان فوج حائل ہو چکی تھی۔ ہم اوپر کی طرف چڑھتے چلے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ فائرنگ بھی کر رہے تھے۔ ابھی کچھ ہی اوپر گئے تھے کہ بالکل سامنے سے ہم پر فائر آنے لگا۔ دیکھا ایک بھارتی فوجی ایک دوشاخے درخت کی اوٹ لئے گولیاں برسا رہا ہے۔ اس کی پوزیشن بہت بہتر تھی، اس لئے ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو رہا

تھا۔ہم نے بھی پوزیشنیں لے کر سوچا کہ اب جم کر لڑا جائے تو بہتر ہے۔شاید اس بھارتی فوجی کی قضا آ گئی تھی، میں نے نشانہ لے کر برسٹ مارا تو کئی گولیاں اس کے جسم کے پار ہو گئیں اور وہ وہیں ایک طرف گر گیا۔اس کے بعد ہم ایک دوسرے کو کور دیتے ہوئے پھر اوپر چڑھنے لگے۔

ہمارے باقی ساتھی جو نیچے رہ گئے تھے، وہ یقیناً مشکل میں گرفتار تھے اور ہم ان کی مدد کرنے سے قاصر تھے، کیونکہ فوج نے ہمارا رابطہ ان سے کاٹ دیا تھا۔ نیچے رہ جانے والے مجاہدین اوپر جانے کا راستہ مسدود پا کر نیچے کی طرف جانے لگے، لیکن جب فائرنگ ہو رہی ہو اور راستہ بھی کوئی نہ ہو، نیچے جانا زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ نیچے جاتے ہوئے ایک جگہ ایک ساتھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے اور ایک گہری کھائی میں گر پڑے، جس کی گہرائی کم و بیش ڈیڑھ سو فٹ تھی۔ وہ سیدھے اس میں جا گرے۔ان کے پاؤں کی ہڈی تین جگہوں سے ٹوٹ گئی اور کندھا بھی بری طرح زخمی ہو گیا، اس طرح وہ چلنے کے قابل نہ رہے۔باقی ساتھی فوراً ان کے پاس پہنچے، ان کی حالت دیکھ کر ان کو فوراً جھاڑیوں میں چھپا دیا اور خود فوج پر فائرنگ کرتے رہے۔انہوں نے سوچا فوج ہٹے گی تو وہ انہیں اٹھا لیں گے، لیکن اس کی نوبت نہ آئی کیونکہ ہمارے وہ بھائی خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

❁❁

میرے انتہائی قابل اعتماد ساتھی طاہر خان ہم سے علیحدہ ہو چکے تھے۔وہ ہم سے نیچے تھے اور ان کی پیکا گن مسلسل آگ اگل رہی تھی۔اس فائرنگ کی آواز ہم سن رہے تھے۔ایک مرحلے پر فوجی ان کے بالکل قریب آ گئے۔آگے آگے ایک مخبر تھا جو انہیں راستہ دکھا رہا تھا۔طاہر خان نے اندھا دھند فائرنگ کی اور آگے آنے والے تین کو ڈھیر کر دیا۔مخبر بھی جہنم رسید ہوا۔ان کے گرتے ہی باقی فوجی بھاگ گئے۔

ہم چوٹی پر پہنچ گئے تو ہمیں یہاں بھی ٹھہرنے کی مہلت نہ ملی، کچھ دیر بعد ہم نے دیکھا کہ فوج تین اطراف سے اوپر آ رہی تھی۔آج وہ کسی طور پر ہمارا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہ تھی، شاید اس لئے کہ ان کی تعداد ہزاروں میں تھی یا پھر انہیں ہر قیمت پر پکڑنے کا ٹاسک ملا ہوا تھا۔ہمارے لئے صرف ایک راستہ بچا تھا کہ پہلگام کی طرف اتر جائیں۔چوٹی پر ہم صرف پانچ ساتھی پہنچ پائے تھے اور دو گھنٹے ہمیں ہو چکے تھے۔مزید ساتھیوں کا یہاں پہنچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ہماری طرف سے فائرنگ کا سلسلہ بند ہو گیا تھا لیکن فوج مارٹر گنوں سے مسلسل جنگل پر گولے داغ رہی تھی۔ہر منٹ بعد ایک گولہ آ کر گرتا لیکن غنیمت تھا کہ ہمارے قریب کوئی بھی نہیں گرتا تھا، ہم محفوظ رہے۔

فوج کو قریب دیکھ کر ہم نے پہلگام کی طرف اترنا شروع کر دیا۔تھکان، بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو چکے تھے، خصوصاً پیاس کی شدت زیادہ تھی۔میں نے سیٹ کے ذریعے نیچے اپنے مقامی ذمے دار ساتھی سے رابطہ کیا کہ ہم نیچے آ رہے ہیں، ہمارے لئے پانی وغیرہ کا بندوبست کر دیا جائے۔نیچے پہنچے تو وہ دوسرے مقامی مجاہدین اور عام لوگوں کے ہمراہ جوس لئے اوپر آ رہے تھے۔ہم نے وہاں بیٹھ کر پیاس بجھائی، اتنی دیر میں اوپر چوٹی سے شدید فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ہمارا خیال تھا فوج ویسے ہی اندھا دھند فائرنگ کر رہی ہوگی، لہٰذا ہم مطمئن بیٹھے رہے۔

فوجی ابھی تک چوٹی پر موجود تھے لیکن انہوں نے ہماری تلاش ترک کر دی تھی، کیونکہ وہ پہلے ہی اس کوشش میں اپنے کئی سورماؤں کی جانیں گنوا چکے تھے۔اب انہیں اندیشہ تھا کہ ہم گھات لگا کر انہیں مزید نقصان پہنچائیں گے۔اس معرکے میں آٹھ فوجی واصل جہنم ہوئے جبکہ ہمارا ایک ساتھی شہید ہوا۔فوج کا گھیراؤ اور دباؤ ختم ہونے کے بعد دوسرے ساتھیوں نے، جو ہم سے بچھڑ گئے تھے، شہید کی لاش اٹھائی اور انہیں قریب گاؤں میں لے گئے۔

❁❁

کمانڈر کامران کی طرف سے اب اسلام آباد پہنچنے کا حکم ملا۔

بیج بہاڑہ اور دیال گام کے درمیانی علاقوں میں ہم نے پندرہ بیس دن گزارے۔اس دوران ہم کسی ایک جگہ رکتے نہیں تھے بلکہ مسلسل حرکت میں رہتے تھے۔اس وقت ہمارا گروپ تیس تک پہنچ گیا تھا اور پورے علاقے میں فوج پر ہماری دہشت طاری ہو چکی تھی۔

ایک دن ہم دیال گام کے علاقے میں تھے کہ اطلاع ملی بی ایس ایف کی ایک پارٹی وہاں سے کچھ دور گشت کرنے کے لئے آئی ہوئی ہے۔ہم نے صحیح جگہ معلوم کی اور دو ٹیکساں پکڑ کر پندرہ ساتھی ان میں بیٹھ گئے۔جنہیں اندر جگہ نہ ملی وہ چھت پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور یوں ہم نے گشتی پارٹی کو جا لیا۔ہم کو وہ راستے ہی میں ایک ندی کے پل پر کھڑے نظر آ گئے۔وہ بی ایس ایف والے نہ تھے بلکہ جموں و کشمیر آرمڈ پولیس کے لوگ تھے۔یہ عام پولیس سے بہتر فورس ہے۔ہمیں دیکھتے ہی وہ گاڑیوں کی طرف بھاگے اور ان میں بیٹھ کر بھاگ نکلے۔بھاگتے ہوئے ایک نے ایک فائر کر دیا، جواب میں ہم نے بھی فائرنگ کی لیکن وہ ہماری رینج سے باہر ہو گئے۔ایک گاڑی جسے وہ دھونے لائے تھے، نیچے دریا میں کھڑی رہ گئی اور ہمارے قبضے میں آ گئی۔اس گاڑی کو بعد میں ہم نے کافی عرصہ اپنے قبضہ میں رکھا۔جب ضرورت ہوتی اسے استعمال کرتے ورنہ شالی کے کھیت میں کھڑی کر کے اس کے اوپر کٹی ہوئی شالی ڈال دیتے تھے۔دور

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ کئی شالی کا ڈھیر پڑا ہوا ہے۔

ایک بار ایک گاؤں میں یہ گاڑی کھڑی تھی کہ کریک ڈاؤن ہو گیا۔ اس طرح ہماری یہ گاڑی فوج کے ہاتھ لگ گئی۔ اس دن اس میں کوئی خرابی ہو گئی تھی۔ اسے سٹارٹ کرنے کی انہوں نے بہت کوشش کی مگر نہ ہوئی۔ پھر اسے ایک ٹرک کے پیچھے باندھ کر لے جانے لگے تو مقامی مجاہدین نے راستے میں لڑی پورہ کے قریب گھات لگا کر ان پر حملہ کیا، بیس پچیس فوجی ٹرک میں بیٹھے تھے جبکہ چھ سات ایک جیپ میں تھے۔ مقامی کمانڈر نے اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ مل کر گھات کے لئے بہت اچھی جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ یہ سارے کشمیری ساتھی تھے۔ جونہی فوجی ان کی رینج میں آئے انہوں نے فائر کھول دیا۔ جیپ میں بیٹھے تمام فوجی مارے گئے جبکہ ٹرک میں سے بھی کچھ واصل جہنم ہوئے اور باقی چھلانگیں لگا کر بھاگ نکلے۔ اس علاقے میں جہاں ہمارا قیام تھا، اس جگہ تین اطراف کو سڑکیں جاتی ہیں اور ہم جس گھر میں تھے وہ ایک سڑک کے دو تین سو میٹر ہی دور تھا۔ اتنے میں ایک ساتھی نے آ کر بتایا کہ سڑک پر فوج کی گاڑیاں آ رہی ہیں۔ اس سڑک پر اکثر فوجی گاڑیاں گزرتی رہتی تھیں، اس لئے میں نے یہی سمجھا کہ کہیں جا رہی ہوں گی اور گزر جائیں گی، لیکن گاڑیاں رک گئیں۔ پتہ چل گیا کہ ان کا رخ ہماری جانب ہی تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک طرف پیدل فوجی بھی آتے دکھائی دیئے جو کچھ ہی دیر میں ہمارے مکان کے پاس پہنچ گئے۔

حالات کا جائزہ لینے کے لئے میں باہر آیا اور اوٹ میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ پندرہ سولہ فوجی مکان کے تھوڑے فاصلے سے گزر رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا انہیں ہماری موجودگی کی اطلاع تھی لیکن مکان کی نشاندہی نہیں کی گئی تھی، اس لئے براہ راست ہمارے مکان کا گھیراؤ نہ ہوا تھا، بلکہ وہ پوری آبادی کو گھیر رہے تھے۔ اتنے میں ہمارے ایک کشمیری ساتھی نے دو ساتھیوں کے ہمراہ فوج کے بیچوں بیچ سے نکلنے کی کوشش کی۔ اس وقت شالی کی فصل زیادہ بڑی نہ تھی اور کھیتوں میں پانی کھڑا تھا، وہ اس کیچڑ میں پھنس گئے۔ ان کے قدموں کی شڑاپ شڑاپ کی آواز سے پیدل جانے والے پندرہ سولہ فوجی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے فوراً زمین پر لیٹ کر گنیں کاک کرنا شروع کر دیں۔ باقی تو لیٹ گئے لیکن تین فوجیوں کو صورت حال کا اندازہ نہ ہوا۔ وہ ابھی تک استفہامیہ انداز میں باقی فوجیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، خود مجھے بھی کوئی اوٹ میسر نہ تھی، لیکن میں نے یہ موقع ضائع نہ ہونے دیا اور ایک بھرپور برسٹ ان تین فوجیوں پر چلا دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ زمین پر لوٹنے لگے۔ اس کے بعد چہار اطراف سے گولیاں برسنے لگیں۔ اتنی شدید فائرنگ ہوئی کہ کان پڑی

آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

حالات کا جائزہ لینے سے مجھے اندازہ ہوا کہ فوج نے ہر طرف سے ہماری مکمل ناکہ بندی کر رکھی ہے اور ان کی تعداد بھی کم نہیں۔ اتنے میں ہمارے باقی مجاہد ساتھی بھی مکان سے باہر آ گئے اور مختلف اطراف میں پوزیشنیں لے کر فوجیوں پر فائرنگ کرنے لگے۔ ہمارے جو تین ساتھی پہلے چھلانگیں لگا کر آگے چلے گئے تھے، فوج نے ان کو دیکھ لیا تھا، وہ تھوڑے ہی آگے جا کر پھنس گئے۔ آگے سبزیوں کا ایک کھیت تھا وہ اس کے اندر چلے گئے تھے اور کانٹے دار تار میں پھنس گئے۔ ہم بھی فائرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھے تو ہمارے سامنے بھی وہ تاریں آ گئیں۔ فائرنگ اتنی شدید تھی کہ سر اٹھانا ممکن نہ تھا۔ لیکن ان کانٹے دار تاروں سے نکلنا بہت ضروری تھا۔

دن کے اجالے میں دشمن ہمیں صاف دیکھ رہا تھا اور گولیاں بارش کی طرح برس رہی تھیں۔ مہلت بہت کم تھی، میں نے ساتھی سے کہا کہ تاریں کاٹیں۔ ان کے پاس خنجر تھا جس سے آسانی سے تاریں کاٹی جا سکتی تھیں۔ انہوں نے یہ سنا اور کھڑے ہو کر تاریں کاٹنے لگے۔ نیچے کی دو تاریں بھی کاٹ دی جاتیں تو ہم کرالنگ کر کے آسانی سے نکل سکتے تھے۔ جونہی وہ اٹھے، میں نے دیکھا گولیاں آ کر انہیں لگیں اور وہ گر پڑے۔ میں نے انہیں اٹھانا چاہا تو انہوں نے کہا۔

"مجھے چھوڑ دیں اور خود نکلنے کی کوشش کریں۔"

میں نے کہا، ہم آپ کو کبھی زخمی حالت میں نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن وہ ہمیں چھوڑ کر جا رہے تھے۔ گولیاں ان کے جسم کو چھید چکی تھیں۔ میں نے دیکھا ان کے کپڑے خون سے رنگین ہو چکے تھے۔ انہوں نے اونچی آواز میں کلمہ شہادت پڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پل بھر میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

ان کی شہادت کے بعد عبداللہ بھائی اٹھے اور پلک جھپکنے میں جمپ لگا کر تاروں کے دوسری طرف چلے گئے۔ وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر جھاڑیاں تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر فوج کا گھیرا توڑنا آسان ہو گا۔ تاروں کے دوسری طرف جا کر انہوں نے جھاڑیوں کی سمت دوڑ لگا دی، لیکن ابھی وہ چند میٹر فاصلہ ہی طے کر پائے تھے کہ گولیاں ان کے جسم کے پار ہو گئیں اور وہ بھی گر پڑے۔ ان کا جسم خون میں نہا گیا۔ چہرے پر شہادت سے پہلے کی سرمستی موجود تھے۔ خون ابلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ چند لمحے بعد ان کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا اور وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے۔

میرا دل اپنے شہید بھائیوں کے لئے بہت اداس ہو گیا۔ ہمارے لئے وقت اور بھی کم رہ گیا تھا۔ فوج گھیرا تنگ کر رہی تھی۔ گولیاں اور مارٹر کے گولے ہمارے اردگرد گر رہے تھے۔ پیچھے مڑنا ممکن نہ تھا،

WWW.PAKSOCIETY.COM

ان ہی تُونی تاروں سے گزرنا ضروری تھا۔ ہمارے کچھ ساتھی دوسری جانب نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اب اس طرف میں اور دو اور ساتھی رہ گئے تھے۔

اگر ہم دیر کرتے تو پھر ہم میں سے کوئی بھی بچ نہ نکلتا، لہٰذا میں نے خان سے کہا کہ وہ تاروں سے نکلنے کی کوشش کریں۔ انہوں نے کہا، کیسے نکلوں، راستے میں تاریں ہیں، جن کو کاٹنا بھی ممکن نہیں۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ کھیتوں میں پانی دینے والی نالی تاروں کے نیچے سے گزر رہی تھی جو تقریباً ڈیڑھ فٹ گہری تھی۔ میں نے طاہر خان سے کہا، پانی میں غوطہ لگا کر نالی کے بیچوں بیچ ہوتے ہوئے نکل جائیں۔ انہوں نے ایسے ہی کیا اور دوسری طرف بہ آسانی چلے گئے۔ پار جانے کے بعد خان نے جھک کر نالے میں دوڑنا شروع کر دیا، لیکن نالہ زیادہ گہرا نہ ہونے کی وجہ سے وہ صاف نظر رہے تھے، تھوڑا سا دوڑنے کے بعد وہ اچانک ایک جگہ بیٹھ گئے۔ انہیں بھی گولی نے آلیا تھا۔ اس دوران دوسرے ساتھی بھی نالے میں ڈبکی لگا کر پار پہنچ گئے۔ پار پہنچتے ہی ایک گولی ان کی کمر میں آ کر لگی اور میں نے دیکھا کہ خون سے پشت لال ہونے لگی۔ اب میرے سامنے اپنے دو پیارے ساتھیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ وہ جنت میں پہنچ چکے تھے اور دو ساتھی شدید زخمی حالت میں تڑپ رہے تھے۔ اس انتہائی نازک صورت حال میں میں نے سوچا ایک جانب سے نکلنے کی کوشش کریں۔ ہم نے ایم ایل جی کو ایک طرف رکھا اور بڑی تیزی سے کرالنگ کرتے ہوئے شالی کی فصل میں غائب ہو گئے۔ میرے ساتھی زخمی حالت میں بھی اس تیزی سے حرکت کر رہے تھے کہ میں حیران رہ گیا۔

اب مجھے نکلنے کی کوشش کرنی تھی۔ نالے کے پانی میں لیٹ کر میں نے تاروں کو تو کراس کر لیا، لیکن ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی۔ میرے جوتے کا تسمہ تار کے ساتھ الجھ گیا۔ بہت کوشش کی مگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوئی۔ مجھے خدشہ تھا کہ ادھر کسی فوجی کی نظر پڑ گئی تو بے کسی کی حالت میں شہید ہو جاؤں گا۔ میں نے خلوص دل کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دعا کی اور دو تین منٹ کی مزید جدوجہد کے بعد اپنا پاؤں تار سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو گیا۔

چند میٹر کرالنگ کر کے آگے گیا تو دیکھا خان نالے کے کنارے بیٹھے پکا سے فائرنگ کر رہے ہیں، لیکن گولیاں دور جانے کی بجائے قریب ہی نالے میں اور اس کے ساتھ ساتھ گر رہی ہیں۔ میں نے آواز دے کر کہا..... تم نکل جاؤ خان، میں رکتا ہوں۔

"میں نہیں نکل سکوں گا۔" انہوں نے کہا۔

میں نے پہلی مرتبہ عظیم مجاہد کو اتنے کمزور لہجے میں بات کرتا سنا تو چونک کر دیکھا، ان کے سینے پر بھی

گولیاں لگی ہوئی تھیں۔ خون بہہ جانے کی وجہ سے ان کا سرخ چہرہ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ مجھے اپنی زندگی بے قیمت سی معلوم ہوئی۔ خان کو شہادت کی دہلیز پر دیکھ کر میں نے چیختے ہوئے کہا.....

"خدا کے لئے نیچے لیٹ جاؤ۔ تم تو بالکل سامنے بیٹھے ہو، مزید گولی لگ سکتی ہے۔" میری بات سن کر اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"اسی لئے تو سامنے بیٹھا ہوں، زخمی حالت میں زندہ ان کے ہاتھ لگنا نہیں چاہتا۔" جب میں ان سے کہہ ہی رہا تھا..... لیٹو لیٹو..... اتنے میں انہوں نے زور سے اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔ دو گولیاں مزید آ کر ان کے جسم سے پار ہو گئیں۔ خان دیکھتے ہی دیکھتے مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر شہید ہو گئے۔ وہ میرے دوست تھے۔ ان کے سینے میں چیتے کا جگر تھا اور ان کا دل مومن کا دل تھا۔ ان کو شہید ہوتے دیکھ کر چند لمحے کے لئے میرے دل کی ہر تمنا مر گئی۔ میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ اب نکلنے کی کوشش نہیں کروں گا، بس اب لڑنا اور شہید ہو جانا ہے..... لیکن میرے اس خیال کو شاید اللہ نے منظور نہ کیا۔ مشید الٰہی کچھ اور تھی۔ عزیز خان میرے بیس کیمپ کے ساتھی تھے، ان کی جدائی سے میرا کلیجہ پھٹنے لگا۔

❁❁

اتنے میں مزید تین ساتھی سلمان، جاوید اور ایک مقامی مجاہد میرے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے خان کے لاشے کو دیکھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ میں نے سوچ لیا کہ ان ساتھیوں کو حوصلہ دینے اور دشمن سے بچا کر نکالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر میں جذباتی ہو گیا تو ان کے لئے مزید مشکل ہو جائے گی۔ ایک مجاہد کے لئے یہی لمحے مشکل ہوتے ہیں جب اس پر جذبات کا غلبہ ہو۔ اس کو ایسا فیصلہ کرنا ہوتا ہے جو جذباتیت کے زیر اثر نہ ہو ورنہ وہ اپنی جان ہی نہیں تحریک کا قیمتی سرمایہ بھی گنوا بیٹھتا ہے۔

شہید ساتھیوں کے لئے فاتحہ پڑھ کر اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر کے ہم چاروں ساتھیوں نے آگے پیچھے نالے میں کرالنگ شروع کر دی۔ کرالنگ کرتے ہوئے ہم نے سو میٹر کا فاصلہ پون گھنٹے میں طے کیا۔ گولیوں کی بارش میں یہ سفر یادگار تھا۔ خاصی دیر کے بعد جب سبزی کی بنی ہوئی کیاریوں کے کنارے پہنچے تو جسم تھکن سے چور چور تھے۔ کیاروں میں ان دنوں سبزی وغیرہ نہیں تھی لیکن ان کے ارد گرد جھاڑیوں اور گھاس پھونس کی ایک چھوٹی سی دیوار بنی ہوئی تھی۔ جس کے پیچھے ہم چھپ سکتے تھے۔

گندے پانی میں کرالنگ کرنے کی وجہ سے ہمارے کپڑے اور جسم کیچڑ میں لت پت ہو چکے تھے۔ ساتھیوں کی شہادت نے بھی ہمیں سخت پژمردہ اور دکھی کر رکھا تھا۔ میری حالت تو دوسروں سے

WADAAN Books

بھی خراب تھی۔ایک کیاری کے کنارے ساتھیوں نے مجھے کھینچ کر نالی سے باہر نکالا اور میں جھاڑیوں اور گھاس پھونس کی اوٹ میں بے حد آزردہ خاطر ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے ساتھیوں سے پوچھا، ان کے پاس کتنے کتنے راؤنڈ ہیں، تو معلوم ہوا کسی کے پاس دس اور کسی کے پاس پندرہ راؤنڈ بچے ہیں۔ میرے پاس کافی راؤنڈ محفوظ تھے، وہ میں نے ان میں تقسیم کئے۔ اس وقت ہم سب کے پاس کلاشنکوف گنیں ہی رہ گئی تھیں۔

دوسری طرف سے فائرنگ کا سلسلہ پوری شدت سے جاری تھا۔ وہاں ایک ساتھی ابھی تک دشمن پر فائرنگ کر رہا تھا۔ ساتھیوں نے مجھ سے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے۔ میں نے پچیس میٹر کے فاصلے پر ایک مکان کی طرف اشارہ کیا اور کہا، اس مکان تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کامیاب ہو گئے تو کم از کم اس مکان کو مورچہ بنا کر لڑ تو سکیں گے۔ اس مکان تک جانے کے لئے ٹوٹی پھوٹی دیوار کی آڑ بھی میسر تھی۔ ساتھیوں نے میرے فیصلے کو فوری تسلیم کر لیا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری راہ بھی نہیں تھی۔ وہاں مزید ٹھہرنا موت کو دعوت دینے والی بات تھی۔

فوج ہم سے بمشکل سو میٹر کے فاصلے پر تھی۔ اگرچہ ہم ان کی نظروں سے اوجھل تھے لیکن انہیں ہم اچھی طرح دیکھ رہے تھے۔ چند لمحوں بعد ایک ایک کر کے کراالنگ کرتے اور فوجیوں کی نظروں سے خود کو چھپاتے ہوئے ہم مکان میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ مکان میں داخل ہو کر اللہ کا شکر ادا کیا جو اندر سے بالکل خالی تھا۔ ہم نے دو کمروں کے دروازے کھولے۔ دو ساتھیوں کو میں نے ایک کمرے کے اندر مورچہ بند کیا اور خود تیسرے ساتھی کے ہمراہ دوسرے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ساتھیوں کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ فوجی قریب آئیں تو پہلے ان پر گرنیڈ پھینکیں، بعد میں فائرنگ کریں۔ میں نے زائد اسلحہ بھی مکان کے اندر ایک جگہ چھپا دیا۔ میرے پاس جو واحد وائرلیس سیٹ تھا، اس کے اندر پانی کی نالی کے اندر کراالنگ کے دوران پانی چلا گیا تھا جس کی وجہ سے اس نے کام کرنا بند کر دیا تھا، اس لئے کسی کو اپنے متعلق اطلاع بھی نہیں دے سکتے تھے۔

ہم وہاں بیٹھے فوج کی آمد کا انتظار کرتے رہے لیکن شام تک فوج نہ آئی۔ فوج کو دراصل ہماری یہاں موجودگی کا علم ہی نہ تھا۔ یہ سب اللہ کی غیبی مدد تھی ورنہ ہم سے پچاس میٹر کے فاصلے پر ایک فوجی ایل ایم جی لے کر مسلسل فائرنگ کر رہا تھا اور مکان کے بالکل سامنے ایک مکان کی چھت پر بھی ایک لائٹ مشین گن فٹ تھی اور وہاں سے بھی اندھا دھند فائرنگ ہو رہی تھی۔ فوج اتنی قریب تھی کہ ہم ان کی گفتگو اور سیٹ کے پیغامات تک آسانی سے سن سکتے تھے۔ شام سے کچھ وقت پہلے ہم نے ان کی

ایمبولینس گاڑیوں کو آتے دیکھا، تھوڑی دیر بعد فائرنگ کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔

ایمبولینس گاڑیاں زخمی فوجیوں اور لاشوں کو اٹھا کر لے گئیں۔ اس کے تھوڑی دیر بعد پولیس کی گاڑیاں وہاں پہنچیں۔ انہوں نے ہمارے شہید ساتھیوں کی لاشوں کو گاڑیوں میں رکھا اور ساتھ لے گئے۔ اس کے فوراً بعد بکتر بند گاڑیاں اور دس کے قریب جیپیں وہاں آئیں جن میں فوج کے اعلیٰ حکام سوار تھے، انہوں نے موقع کا معائنہ کیا۔

رات گہرے اندھیرے میں ڈھل گئی تو فوج بھی فائرنگ بند کر کے اور اپنی کارروائی مکمل کر کے چلی گئی۔ فضا میں ابھی تک خوف اور دہشت موجود تھی۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ ہم باہر نکلنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ ایک لڑکی مکان کے اندر داخل ہوئی۔ اس نے جوں ہی ہمیں دیکھا، چیخ مار کر باہر کی طرف دوڑی۔ میں نے چھلانگ لگائی اور اسے پکڑ لیا اور بمشکل اسے سمجھایا کہ ہم مجاہد اور اس کے بھائی ہیں، وہ ہم سے نہ ڈرے۔ پھر میں نے اسے کہا کہ وہ باہر جا کر معلوم کرے کہ فوج موجود ہے یا جا چکی ہے۔ پندرہ منٹ بعد ہماری بہن نے واپس آ کر بتایا کہ فوج جا چکی ہے۔ اس کے بعد میں باہر نکلا اور اس طرف گیا جہاں میں نے گنیں، گرنیڈ اور سیٹ وغیرہ چھپا رکھے تھے۔ وہاں موجود لوگوں سے میں نے معلوم کیا کتنے مجاہد شہید ہوئے تو کسی نے پانچ اور کسی نے چھ بتائے۔ میرے لئے یہ قیامت خیز لمحے تھے کہ میرے نہایت قیمتی اور پیارے ساتھی میری آنکھوں کے سامنے شہید ہوئے۔

رات کو میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک قریبی محفوظ مقام کی طرف نکل گیا۔

وہ رات ہم نے بڑی بے چینی سے گزاری۔ تھکاوٹ کے باوجود نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس دوران دیگر ساتھی بھی ہم سے آ ملے اور ہماری تعداد بارہ تک پہنچ گئی۔

علی الصبح ہم دیال گام کی طرف روانہ ہوئے تو جگہ جگہ لوگ ملول کھڑے تھے۔ ان لوگوں کو اپنی جائیداد، گھربار، عزت آبرو کی تباہی و بربادی نے ملول نہیں کیا تھا، بلکہ یہ سب ان شہدا کے حضور نذر عقیدت گزار رہے تھے جن سے کوئی خونی رشتہ نہ ہوتے ہوئے بھی یہ سب مضبوط ترین ایمان کے رشتے میں بندھے تھے۔

میں نے یہ بات بطور خاص محسوس کی کہ ہم جس گاؤں، شہر یا قصبے کے جس گھر میں چلے جاتے گھر کے مکین خواہ ان کے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، ہماری آمد کو اپنی خوش بختی خیال کر کے ہمارے لئے اپنے دلوں اور دسترخوانوں کو وا کر دیتے.....

قریباً دو ماہ کا عرصہ دہلی سے دور گزارنے کے باوجود مجھے ایک مرتبہ بھی اپنے گھربار کی یاد نے

نہیں ستایا۔ اگر میں نے اس دوران دو تین مرتبہ بذریعہ فون اپنے گھر والوں سے بات کی تو صرف اس لئے کہ کہیں وہ میرے متعلق پریشان ہو کر پولیس میں گمشدگی کی رپورٹ نہ کروا دیں اور الٹا لینے کے دینے پڑ جائیں.....

دیال گام سے مجھے سری نگر پہنچا دیا گیا جہاں آسیہ کے حکم پر میں بادل نخواستہ ایک مرتبہ پھر اپنے پرانے روپ میں دہلی جا رہا تھا۔

گھر پہنچا تو والدین اور عزیز و اقارب کو بے چینی سے اپنا منتظر پایا۔ انہیں مطمئن کرنے کے لئے میں نے گھڑی گھڑائی کہانی سنا دی جس پر ان بے چاروں کو بہر حال یقین کرنا ہی پڑا کیونکہ میری داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ میں تبلیغی جماعت کے ساتھ "چلا" کاٹنے چلا گیا تھا۔

❁❁❁

گھر آ کر میرا دل نہیں لگا۔ میرا دل و دماغ تو وہاں کشمیر میں اٹکا ہوا تھا۔ بیس کیمپ میں گزرے ایام میری زندگی کے ناقابل فراموش ایام بن چکے تھے۔ مجھے رہ رہ کر ایک ہی خیال ستا رہا تھا کہ آخر مجھے کیوں اپنے گھر آنے کی اجازت دی گئی ہے؟ ہمارے بہت سے ساتھی مقبوضہ کشمیر سے تعلق نہیں رکھتے لیکن وہ طویل مدت سے مصروف جہاد تھے۔ اس سوال کا مجھے ایک ہی جواب سمجھ آتا کہ ضرور اس میں کوئی مصلحت ہے۔ عین ممکن ہے میرے "نظم" کی طرف سے مجھے یہاں کوئی مہم سونپ دی جائے۔

مجھے چند ہی دنوں میں لڑائی کا ایسا تجربہ ہو گیا تھا کہ اب اگر کوئی میری کارکردگی دیکھتا تو مجھے مکمل کمانڈو کہہ سکتا تھا۔

اب میں خوف سے بے نیاز رہتا اور اللہ نے مجھے اس قابل کر دیا تھا کہ اپنے ساتھ ہونے والے مظالم کا حساب اپنی بساط کے مطابق چکا تا رہوں۔

اس روز میں معمول کے مطابق اپنے والد کے دفتر جانے کے لئے گھر سے نکل کر گلی کے باہر موٹر سائیکل سٹارٹ کر رہا تھا جب ایک آواز نے مجھے چونکا دیا۔ کسی نے میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا تھا۔

میں نے گردن گھما کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ یہ طاہر خان بھائی تھے.....

طاہر خان بھائی بھی بھارت ہی کے رہنے والے تھے اور ایک عرصہ سے مجاہدین کے ساتھ مصروف جہاد تھے۔ میں نے موٹر سائیکل کھڑی کی اور بانہیں پھیلا کر ان کی طرف بڑھا۔ گرم جوش معانقے کے ساتھ ہی میں نے ساتھیوں کی خیریت دریافت کرنا شروع کی تو انہوں نے مجھے آنکھوں کے اشارے سے منع کر دیا کیونکہ یہاں لوگوں کی آمد و رفت تھی۔

میں نے انہیں اپنے پیچھے موٹر سائیکل پر بٹھایا اور ابا جان کے آفس میں لے آیا۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اپنے جہادی ساتھی کو دیکھ کر میری آنکھیں نہیں تھکتی تھیں۔ کچھ ایسی ہی حالت ان

WAQAR@URDUFANS

کی بھی تھی۔

اس کمرے میں ہم دونوں ہی تھے۔ یہاں طاہر بھائی نے مجھے تفصیلاً بعد کے حالات سے آگاہ کیا اور یہ افسوسناک خبر سنائی کہ کمانڈر کامران شدید زخمی ہونے کے بعد فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ دو چار روز بعد یہاں دہلی لے آئے ہیں۔ آسیہ بہن کی طرف سے ہمیں حکم ملا تھا کہ ان کی رہائی کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اس ضمن میں کچھ ''انتظامات'' بھی کئے گئے تھے۔

ایک مرتبہ پھر میدان جہاد میں اترنے کا وقت آ گیا تھا۔

میں نے طاہر بھائی کے ساتھ کمانڈر کامران کی رہائی کے لئے کی جانے والی منصوبہ بندی پر اپنی رائے ظاہر کی، ان کی ساری بات سنی اور ان ''انتظامات'' کا جائزہ لیا جو ہمیں میسر تھے۔

ہمیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ کمانڈر کامران کو کہاں رکھا گیا ہے؟ لیکن یہ ضرور جانتے تھے وہ دہلی میں انٹیلی جنس ایجنسیوں کی تحویل میں ہیں۔ مجھے کچھ اندازہ تھا کہ انہیں کہاں رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بات حتمی نہیں تھی۔ عین ممکن تھا کہ ہم مطلوبہ جگہ تک رسائی حاصل کرتے اور بعد میں انکشاف ہوتا کہ کمانڈر کامران یہاں نہیں ہیں۔

کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

یہی تھا اہم ترین سوال.....

آسیہ بہن کی طرف سے اس مہم کی کمان چونکہ مجھے سونپی گئی تھی اس لئے میرا فیصلہ ہی حتمی قرار پاتا۔ میں نے طاہر بھائی سے کہہ دیا کہ وہ اپنے باقی دو ساتھیوں سے بھی رابطہ کر لیں اور ہم چاروں مل کر کوئی فیصلہ کر لیں گے۔

طاہر بھائی نے اگلے روز ملاقات کا وعدہ کیا اور دوسرے دن وعدے کے مطابق فجر کی نماز کے فوراً بعد ہی مجھے ملنے آ گئے۔ انہوں نے باقی دونوں ساتھیوں کو دہلی کے ایک مضافاتی علاقے میں ملاقات کے لئے بلایا تھا جہاں پہلے سے ایک ''سیف ہاؤس'' ہمیں اپنے ''نظم'' کی طرف سے مل چکا تھا۔

❁❁

زندگی ابھی بیدار نہیں ہوئی تھی۔ دہلی کے لوگ رات دیر گئے سوتے اور صبح دیر گئے اٹھتے تھے۔ ہم دونوں نے گھر کے باہر محلے کی ایک دکان سے دودھ کے گلاس پیئے اور عازم سفر ہوئے۔ میں نے طاہر بھائی کو اپنی موٹر سائیکل کے پیچھے بٹھا لیا اور ہم تھرا آگرہ روڈ پر آ گئے۔ ''بارہ پلا'' کا قدیم پل عبور کرنے کے بعد تیز رفتاری سے آگے بڑھے اور ''روڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ'' کے سامنے گزر کر بدرپورہ گاؤں سے

بھی آگے نکل گئے۔ اس کے بعد مرکزی شاہراہ کو ہم نے چھوڑ دیا۔

ہماری منزل ''تلپت'' تھی جو اپنے تاریخی پس منظر کی وجہ سے سیاحوں کے لئے بہت دلچسپی رکھتا ہے۔ تلپت کے اوپر سے گھوم کر ہم کھجوروں کے جھنڈ میں موجود ایک مندر کے پاس رک گئے۔ یہاں سڑک ختم ہو جاتی تھی۔

ہم وہیں رک گئے اب ہمیں اپنے باقی دونوں ساتھیوں کا انتظار تھا۔ بمشکل دس منٹ بعد ہی سامنے سے دو نوجوان آتے دکھائی دیئے جن کی چھوٹی چھوٹی داڑھی تو تھی لیکن انہوں نے مصلحتاً پتلونیں پہن رکھی تھیں۔

ہم چاروں وہیں مندر کے نزدیک ایک جگہ بیٹھ گئے۔ سیاحوں کے آنے کا سلسلہ شروع تھا۔ لوگ یہاں گرمی کی وجہ سے صبح جلدی آ جاتے تھے۔ سب نے اپنی اپنی تجاویز پیش کیں اور بالآخر یہ طے پایا کہ ہم کسی مقتدر شخصیت کو اغوا کریں جس کے بدلے کامران بھائی کو رہا کروایا جائے ورنہ یہ تو موذی ان کے جسم کا بند بند کاٹ کر انہیں شہید کر دیں گے۔

ہماری تنظیم اغوا کے ذریعے مطالبات منوانے پر یقین نہیں رکھتی لیکن ان حالات میں ہمارے پاس سوا اس کے اور چارہ ہی کیا تھا۔ بادل نخواستہ ہمیں یہ فیصلہ کرنا پڑا لیکن ہم نے طے کیا تھا کہ کسی بچے، بزرگ یا خاتون کو نہیں بلکہ سرکاری اہلکار کو اغوا کریں گے جس کی اتنی اہمیت ہو کہ ہم اس کی رہائی کے عوض اپنے مطالبات پورے کروا سکیں۔

اب ہمیں اس شخصیت کو تلاش کرنا تھا۔ یہ مرحلہ بھی طے پا گیا اور دو روز بعد طاہر بھائی نے ہمیں مقامی انٹیلی جنس چیف کے معمولات کی مکمل رپورٹ بہم پہنچا دی۔ گپتا نامی یہ شخص اس جوائنٹ انٹیرو گیشن ٹیم کا سربراہ تھا جو بھارت کے کونے کونے میں موجود خطرناک ''اگروادیوں'' کو دہلی لا کر ان کی ہڈیاں توڑنے سے تفتیش کا آغاز کرتا تھا۔

گپتا کچھ زیادہ ہی خود اعتمادی کا شکار تھا کیونکہ ہم دو روز تک مسلسل اس کی ''ریکی'' کرتے رہے جس کے بعد ہم نے حیرت انگیز طور پر یہ بات نوٹ کی کہ وہ اکیلا ہی اپنی گاڑی چلا کر اپنے آفس میں آیا اور جایا کرتا تھا۔ اس کے آنے کا وقت تو مقرر نہیں تھا لیکن گھر سے وہ روزانہ صبح سات بجے نکل جایا کرتا تھا۔

پانچ روز تک مسلسل ہم نے اس کے معمولات کا جائزہ لیا۔ جس کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے منصوبہ تیار کر لیا۔ بھائی طاہر خان سمیت میرے تینوں ساتھی جذبہ حریت سے سرشار اور اپنے مشن کے لئے جان کی بازی لگا دینے کو ہر دم تیار تھے۔ ہم نے اس رات خصوصی عبادت کی۔ اللہ تعالیٰ

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور پیر کے دن کا منصوبہ بنالیا۔

اتوار کی رات ہمارے دو ساتھیوں نے دہلی کی ایک سنسان سڑک پر نقب لگا کر آسانی سے ایک نشے میں مدہوش ڈرائیور سے اس کی گاڑی چھین لی اور گاڑی سمیت ہم اسے اپنے ''سیف ہاؤس'' پر لے آئے۔ یہ ''سیف ہاؤس'' دراصل ایک کرائے کا گھر تھا جو ہمارے ساتھیوں نے اس مقصد کے لئے چند روز پہلے ہی حاصل کیا تھا۔

ڈرائیور کو یہاں ایک ساتھی کے حوالے کر کے ہم تینوں نے بڑی پھرتی سے کاری کی نمبر پلیٹ تبدیل کی۔ اس پر رنگ و روغن کر کے اس کا حلیہ اس حد تک بگاڑ دیا کہ نزدیک سے بھی کوئی نہ پہچان سکے۔ ڈرائیور رات دیر گئے ہوش میں آیا تو اسے ہمارے نقاب پوش ساتھی نے سمجھا دیا کہ چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں اگر وہ خیریت چاہتا ہے تو خاموش رہے۔ اسے گاڑی بھی واپس مل جائے گی بصورت دیگر اپنی جان سے بھی جائے گا۔

ہمارے مجاہد ساتھی کا بات کرنے کا انداز ایسا تھا کہ ڈرائیور کو فوراً سمجھ آ گئی۔ اس نے ہمیں انڈر ورلڈ (Under World) مافیا کے ممبر جانا اور چپکا ہو رہا۔ اس کی خواہش پر اسے سگریٹ اور چائے وغیرہ مہیا کر دی گئی۔

❁❁

طے شدہ منصوبے کے مطابق ہم چوری کی کار اور ایک موٹر سائیکل کے ساتھ اس راستے کی طرف چل دیئے جہاں سے گزر کر گپتا اپنے آفس جایا کرتا تھا اور دہلی کی یہ ماڈرن کالونی جس میں گپتا رہائش پذیر تھا، شہر سے باہر مضافاتی علاقے میں بنائی گئی تھی، جہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔

میں موٹر سائیکل پر سوار تھا جبکہ طاہر بھائی اور دوسرے ساتھی کار میں بیٹھے تھے۔ یہاں سے قریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر وہ موڑ تھا جہاں سے اسے کار گھما کر اس طرف آنا تھا۔ جیسے ہی اس نے موڑ گھوما، ہم نے اپنا ڈرامہ شروع کر دیا۔ طاہر بھائی کار سڑک کے درمیان لے آئے اور جو تھوڑا بہت راستہ باقی بچا تھا اس پر کار کے سامنے میں نے موٹر سائیکل اس طرح لٹا دی جیسے ہمارا ایکسیڈنٹ ہوا ہے، آپس میں لڑائی کا ڈرامہ شروع کر دیا۔ جیسے جیسے اس کی گاڑی نزدیک آ رہی تھی ہماری لڑائی مار کٹائی نقطۂ عروج کو چھو رہی تھی۔ گپتا نے گاڑی کو ہمارے بالکل قریب لا کر بریک لگائے اور کھڑکی سے منہ باہر نکال کر ہمیں ڈرانے کے انداز میں منع کیا۔ جواب میں اسے میں نے دہلی کی کرخنداری زبان میں گالیوں سے نوازتے ہوئے اپنا راستہ ناپنے کو کہا۔

راستہ اسے ملتا تو آگے بڑھتا۔ گپتا بہرحال سرکاری آفیسر اور اتنی اہم سرکاری پوسٹ پر لگا تھا، وہ مجھے گالیاں دیتا باہر نکل آیا اور یہی ہم چاہتے تھے۔

اگلے ہی لمحے ہم دونوں نے اس کی طرف پستول تان کر اسے ہاتھ اوپر اٹھانے کے لئے کہا اور اس کے ساتھ ہی طاہر بھائی نے جو قد میں اس سے کم از کم پانچ چھ انچ زیادہ لمبے تھے، رومال کو کلوروفارم سے بھگو کر اسے بے خبری میں جا لیا۔

ایک منٹ میں وہ لہراتا ہوا ہماری بانہوں میں آ چکا تھا۔ طاہر بھائی اور میں نے اسے اٹھا کر اپنی گاڑی کی پچھلی نشست پر ٹھونسا۔ مجاہد ساتھی نے گاڑی چلانا شروع کی۔ طاہر بھائی اس کے سر پر پستول تان کر بیٹھ رہے۔ گاڑی سٹارٹ ہوئی اور وہ نکل گئے۔

میں نے پھرتی سے گپتا کی گاڑی سنبھالی۔ چابی اندر اگنیشن میں موجود تھی۔ اسے سٹارٹ کیا اور سڑک سے ملحقہ کماد کی فصل میں وہاں تک لے گیا جہاں تک وہ آسانی سے جا سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی میں تیزی سے باہر نکلا اور اپنی موٹر سائیکل سٹارٹ کر کے اپنی راہ لی.....

گپتا کی گاڑی سڑک سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ فی الوقت ہمارا یہی مقصود تھا کہ ٹھکانے پر پہنچنے تک اس کے اغوا کا علم نہ ہونے پائے۔ اس مرحلے پر توقع سے بڑھ کر ہونے والی کامیابی نے ہمارے حوصلے بلند کر دیئے اور دل نے کہا کہ ضرور تائید غیبی آ گئی ہے ورنہ ایسا مشکل کام اتنی آسانی سے ہرگز نہ ہونے پاتا۔

❁❁

''سیف ہاؤس'' تک ہمارا شکار بخیریت پہنچ گیا۔ جہاں دو مجاہد اس کی مہمان داری کے لئے موجود تھے۔ گاڑی ہم نے یہاں سے ہٹا کر قریباً پندرہ کلومیٹر دور ایک سنسان سڑک پر چھوڑ دی۔ گپتا کی کمان اب میں نے سنبھال لی تھی جبکہ طاہر بھائی اور ایک ساتھی میری معاونت کے لئے یہاں موجود تھے۔ کسی بھی ایمرجنسی سے نمٹنے کے لئے ہم نے بندوبست مکمل رکھا تھا۔

گپتا کو ہوش آیا تو اس کی دونوں ٹانگوں سے لوہے کی زنجیر لگی تھی اور ایک ہاتھ میں ہتھکڑی۔ سامنے ہم دو ساتھی نقاب اوڑھے ''میراج'' کی طرح اس کے سر پر موجود تھے۔ ہوش آنے پر اس نے اپنے سر کو جھٹک کر شاید خود پر یقین کرنا چاہا تھا جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ خواب نہیں ہے حقیقت ہے، تو اس کا دماغ ٹھکانے آ گیا۔

''کون ہو تم؟ کہاں ہوں میں؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہم یمراج (موت کے فرشتے) ہیں اور تم نرک (جہنم) میں ہو۔''

میں نے جواب دیا۔

گپتا کا پارہ چڑھ گیا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو..... جانتے ہو میں کون ہوں؟'' اس نے چیختے ہوئے کہا۔

''پہلے تو یہ جان لو کہ زور زور سے چیخنے چلانے سے سوائے تمہارا گلہ خراب ہونے کے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں پائے گا..... اور تمہارے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں تم کون؟''

میں نے اسے اعتماد اور اطمینان سے کہا۔

''تم دہلی سے پانچ سو کلومیٹر دور موجود ہو..... معلوم نہیں تمہارا قیام یہاں کتنے روز تک ہوگا، اس لئے خود پر قابو پانا سیکھو اور اب کوئی سوال کرنے کی بجائے صرف ہمارے سوالوں کا جواب دو..... بصورت دیگر ہم اپنے منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل شروع کر دیں گے۔'' طاہر بھائی نے کہا۔

''کمانڈر کامران کی تفتیش کون کر رہا ہے؟''

میں نے گپتا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سوال داغ دیا۔

''کون کمانڈر کامران..... مجھے کچھ معلوم نہیں۔''

اس نے قدرے غصے سے کہا۔

''ٹھیک ہے..... ہم سمجھتے تھے تمہیں علم ہوگا کیونکہ جوائنٹ انٹیروگیشن ٹیم کے تم چیف ہو۔ اگر تمہیں علم نہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہم پوچھ لیتے ہیں۔ تمہارے متعلق یہ مشہور ہے کہ تم تفتیش کی ابتدا ہڈیاں توڑنے سے کرتے ہو۔ ہم بھی یہیں سے کریں گے اور پہلے تمہارے ہاتھ کی انگلیاں توڑیں گے۔''

یہ کہہ کر میں نے ایک کونے میں پہلے سے دھرا ہتھوڑا اٹھالیا اور اس کے کھلے ہاتھ کو جھٹکے سے زمین پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے ہتھوڑا بلند کیا.....

''ٹھہرو..... ٹھہرو.....'' اس نے بزدلوں کی طرح چیخ کر کہا۔

''ٹھیک ہے.....'' میں نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''تم اس لڑکے کی بات کر رہے ہو جسے تین روز پہلے سری نگر سے لایا گیا ہے.....؟''

اس نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہاں.....'' طاہر بھائی نے گرج کر جواب دیا۔

گپتا ظالم اور وحشی درندہ تھا..... ایسے لوگ بہت بزدل ہوتے ہیں لیکن وہ تو ہماری توقعات سے بڑھ کر بزدل ثابت ہوا۔ اس نے نہ صرف کامران بھائی کا حلیہ بتایا بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ انہیں کہاں رکھا گیا ہے۔ جس جگہ کی نشاندہی اس نے کی تھی، وہ غلط تھی یا صحیح، اس کا علم ہمیں کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا لیکن ہو بھی جاتا تو انہیں ایسی جگہ سے نکالنا بظاہر ممکن نہ تھا۔ اب ہمیں اپنے منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل کرنا تھا۔ دوپہر کا کھانا دینے کے بعد گپتا کو نشہ آور کافی پلائی گئی جس سے اس کو نیند آ گئی۔ ہم نے طے کیا تھا کہ اسے زیادہ دیر تک بقائمی ہوش و حواس میں رکھنا شاید ٹھیک نہ ہو.....

اب دوسری ٹیم کا کام شروع ہوا اور ہم نے ایک دوسرے شہر سے دہلی کی اعلیٰ کمان سے رابطہ کرنے کے بعد انہیں گپتا کے اغوا کی خبر دی اور کہا کہ وہ اس کی تصدیق کر لیں جس کے بعد ہم دوبارہ رابطہ کریں گے۔

اس طرح ہم ان پر نفسیاتی دباؤ ڈالنا چاہتے تھے اور انہیں زیادہ سوچ بچار کا موقع بھی نہیں دینا چاہتے تھے۔

گپتا کی کار ان لوگوں نے برآمد کر لی تھی۔ اس کی نشاندہی بھی ہماری طرف سے ہوئی تھی۔ اغوا کی خبر کو ہم نے جان بوجھ کر شام تک چھپایا تا کہ انہیں یقین دلا سکیں کہ گپتا کو دہلی میں نہیں رکھا گیا۔

اس کے قریباً تین گھنٹے بعد ہم نے انہیں ایک اور شہر سے فون کر کے ان کے افسر اعلیٰ سے بات کی۔ ہم نے انہیں کہا کہ ابھی تک گپتا کے اغوا کی خبر کسی کو نہیں ہوئی۔ اگر آپ کو اپنی عزت اور اس کی جان عزیز ہے تو ہم زیادہ سے زیادہ 24 گھنٹے کی مہلت دے رہے ہیں، جس میں انہیں کمانڈر کامران کو رہا کر کے بذریعہ ہوائی جہاز سری نگر پہنچانا ہوگا۔ ہم نے کہا اگر وہ چاہیں تو ہمارا اور ان کا سودا اندر ہی اندر طے پا سکتا ہے لیکن اگر انہیں ذلیل ہونے کا شوق بھی ہے تو 24 گھنٹے بعد ہم یہ خبر اخبارات کو جاری کر دیں گے۔

دوسری طرف سننے والا اس نفسیاتی حملے سے بوکھلا گیا۔ اس نے اپنی تربیت کے مطابق بات لمبی کرنے کی کوشش لیکن ہم نے اسے ''کال ٹریس'' کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

24 گھنٹے ہم نے خاموشی اختیار کئے رکھی اور اس مرتبہ ایک تیسرے شہر سے فون کیا۔ یہ انہیں بوکھلاہٹ میں مبتلا کرنے کے حربے تھے تا کہ انہیں یہ سمجھ ہی نہ آ سکے کہ ہم اصل میں ہیں کہاں؟

اس مرتبہ ہم نے انہیں زیادہ بولنے کے بجائے صرف ''ہاں'' یا ''ناں'' میں جواب دینے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے فوراً ''ہاں'' کہہ دی لیکن اپنے پاس گنجائش رکھنے کے لئے کہہ دیا کہ اصولی طور پر انہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہمارا مطالبہ منظور ہے لیکن وہ کچھ مہلت چاہتے ہیں۔

ہم نے جواب میں انہیں کہا کہ مہلت مل سکتی ہے لیکن گپتا کے اغوا کی خبر پریس کو جاری ہو جائے گی۔ جس نے ان کے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے..... اس کے باوجود انہوں نے ہم سے بارہ گھنٹے مزید مانگے جو ہم نے دیئے۔

❁❁

بارہ گھنٹے بعد دوبارہ ہم نے ان سے ایک اور سٹیشن سے رابطہ کرنے کے بعد ان کی بات سننے کے بجائے صرف اتنا کہا کہ کمانڈر صاحب کو فوراً سری نگر روانہ کریں۔ ایئرپورٹ پر انہیں کمانڈر صاحب کو جس منزل پر پہنچانا ہے، اس کا پتہ بتا دیا جائے گا۔

ان کی اگلی بات سننے سے پہلے ہم نے فون بند کر دیا اور خود کو تن بہ تقدیر چھوڑ دیا..... اب ہمیں اپنے ''نظم'' کی طرف سے اطلاع کا انتظار تھا۔

یہ انتظار بڑا اعصاب شکن اور جان لیوا تھا۔ اب گپتا بھی ہمارے لئے مسئلہ بننے لگا تھا۔ اسے بخار اور قے ہونے لگی تھی اور ہمارے پاس ناکافی میڈیسن تھیں۔ اس کے باوجود ہم نے کوصورتحال کو قابو میں رکھا۔

❁❁

عصر کے بعد ہمیں ''نظم'' کی طرف سے ''آپریشن کامیاب'' کی خوشخبری ملی تو ہمارے دل خوشی سے بے قابو ہو گئے۔ ہم نے اپنے دوسرے ذرائع سے یہ تصدیق کرنے کے بعد کہ کمانڈر کامران بسلامت ''محفوظ ہاتھوں'' میں پہنچ گئے ہیں۔ اللہ کے حضور شکرانے کے نوافل ادا کئے۔

ڈرائیور کو کچھ رقم دے کر اور معافی مانگ کر رہا کرتے ہوئے اسے بتا دیا کہ اسے گاڑی کہاں ملے گی..... اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ اس کی گاڑی کس ''گھناؤنی کارروائی'' کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ اگر اسے علم ہو جاتا تو شاید اس کا خوف سے دم ہی نکل جاتا۔ کیونکہ گرفتاری کے بعد سے اب تک وہ مسلسل روتا رہا تھا۔ ہم نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے اس طرح چکر دے کر رہا کیا تھا کہ اسے کبھی اس بات کا علم نہ ہو پاتا وہ کہاں قید رہا ہے۔ اسے بتا دیا تھا کہ پہلی فرصت میں اپنی گاڑی کا رنگ ٹھیک کروا کر اپنی نمبر پلیٹ لگا لے ورنہ وہ مارا جائے گا کیونکہ ہم نے اس کی گاڑی بینک ڈکیتی کے لئے استعمال کی ہے.....

ڈرائیور نے رہائی پر دس ہزار روپیہ وصول کرتے ہوئے ایسے ''شریف ڈاکوؤں'' کا تہہ دل سے

شکریہ ادا کیا اور اپنی راہ لی.....

گپتا کو غنودگی کی حالت میں وہیں چھوڑ کر ہم نے اپنی راہ لی اور دوسرے شہر سے اس کے وارثوں کو آگاہ کر دیا کہ وہ کہاں موجود ہے۔ جب گپتا کو اس کے ہمکار زنجیروں سے رہائی دلا رہے تھے تو ہمارے تمام ساتھی دہلی چھوڑ کر جا چکے تھے۔ صرف میں اکیلا یہاں رہ گیا تھا کیونکہ مجھے فی الوقت دہلی ہی میں رکنے کی ہدایت ملی تھی۔ آسیہ بہن جی کی طرف سے تمام مجاہدین کو الگ الگ راستوں سے اکیلے اکیلے سری نگر پہنچنے کا حکم ملا تھا۔

میں گھر پہنچا تو دل جذبہ تشکر سے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے کو بے چین تھا۔ ساری رات میں نے اللہ کے حضور عاجزی کرتے اس کا شکر ادا کرتے بسر کی کیونکہ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ وہی ہمارا کارساز ہے اور اس نے ہماری توقعات سے بڑھ کر مدد فرمائی جس کی وجہ سے ہم سرخرو ہوئے۔

دس روز مزید میں نے کیسے دہلی میں قیام کیا؟ یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ بالآخر مجھے سری نگر پہنچنے کا حکم مل گیا۔ ایک مرتبہ پھر میں سری نگر کی طرف جا رہا تھا جہاں مجھے ایک مدت کے بعد پھر آسیہ کو دیکھنے کا موقع ملتا۔ اپنے ساتھیوں کی خیریت کا علم ہوتا.....

❁❁

سری نگر میں مجاہدین نے میرا والہانہ استقبال کیا۔ آسیہ نے گھر والوں کی خیریت دریافت کی۔ اسے میرے گھر والوں کے نام بھی حفظ ہو گئے تھے۔ کمانڈر کامران نے بطور خاص مجھے اپنے پاس بلا کر میری ہمت افزائی کی..... ان کا زخم گہرا تھا اور علاج جاری تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ جلد ہی ''بیس کیمپ'' چلے جائیں گے جہاں سے مکمل صحت یابی کے بعد ان کی واپسی ممکن ہو گی۔

سری نگر کے ہائیڈ آؤٹ میں میرا قیام تین روز تک رہا۔ ان تین دنوں میں بار بار کوئی طاقت میرے منہ سے آسیہ کے لئے وہ بات کہلانا چاہتی تھی جسے اب میں زبان پر لانے کے لئے بے چین تھا۔

جی ہاں! میں اسے بتا دینا چاہتا تھا کہ اپنے سفر کے آغاز ہی میں دراصل میں اس کی زلفوں کا اسیر ہو گیا تھا..... لیکن کیا میں اس سے کبھی یہ بات کہہ پاؤں گا؟

اس لڑکی سے جو مجاہدین میں پوجنے کی حد تک عزت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے، جو ان کے ایک مضبوط گروپ کی کمان کر رہی تھی اور جس نے بھارتی افواج کو ناکوں چنے چبا دیئے تھے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ خود مجھے ابھی تک اس بات کا یقین نہیں ہو رہا تھا کہ لاشعوری طور پر میں اس کی محبت میں کس شدت سے مبتلا ہو چکا ہوں..... یہ سوچتے ہوئے کچھ خوف محسوس ہوتا تھا کہ مجھے آسیہ سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

محبت ہے.....

اگر میں نے اس تک اپنے جذبات پہنچا ہی دیئے تو یہ انکشاف اس پر کیا اثرات مرتب کرے گا؟

کہیں خدانخواستہ اس کی رائے میرے متعلق تبدیل تو نہیں ہو جائے گی؟

کہیں وہ یہ تو نہ سمجھے گی کہ میں نے یہ سارا پاکھنڈ اس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کیا ہے؟

کہیں وہ.....

اس سے آگے میری سوچیں منجمد ہو جاتیں۔

میں لرز کر رہ جاتا۔

اس روز ساری رات میں کروٹیں بدلتا اور یہی سوچتا رہا کہ خدانخواستہ میری نیت میں کوئی کھوٹ تو نہیں۔ رات تہجد کے لئے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہوئے میں نے رو رو کر دعا کی کہ یا اللہ مجھے صحیح راستہ اور ہدایت نصیب فرما.....

فجر کی ادائیگی کے بعد مجھے اچانک ایک خیال نے آلیا اور جیسے دل پر پڑا پتھر ہٹ گیا ہو۔ میں نے سوچا میں سنت رسول ﷺ ادا کرتے ہوئے حاجی بابا کے ذریعے آسیہ تک اپنے جذبات پہنچاتا ہوں اور اپنے معاملات اللہ پر چھوڑتا ہوں۔

حاجی بابا آسیہ کے بزرگ تھے اور مجھے بہت عزیز رکھتے تھے۔ ان کے دل میں کہیں میرے لئے بہت عزت موجود تھی کہ میں بھارتی مسلمان ہوں کر ان کے ساتھ شامل جہاد ہوں۔ حاجی بابا سے آج ملاقات نہیں ہوئی تھی شاید وہ شہر کسی کام سے گئے تھے۔ میں ان کی واپسی کا شدت سے منتظر تھا جب ہمیں اس رات اگلے محاذ کی طرف کوچ کا حکم مل گیا اور دل کی دل میں رہ گئی۔

❁❁❁

سری نگر لداخ روڈ اس علاقے کی بڑی شاہراہ ہے۔ دن بھر اس پر بھارتی فوجی گاڑیاں سری نگر اور لداخ کے درمیان محو سفر رہتی ہیں۔ اسی علاقے میں کنگن سے چودہ کلومیٹر کے فاصلے پر ہم ایک کارروائی پہلے بھی کامیابی سے کر چکے تھے اور اس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھے۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ اسی مقام پر دشمن کو نشانہ بنایا جائے۔ پورا پروگرام طے کرنے کے بعد اس علاقے کی ریکی کی گئی۔ معلوم ہوا کہ ہر روز سہ پہر کے بعد ایک فوجی کانوائے سری نگر سے لداخ راشن وغیرہ لے کر یہاں سے گزرتا ہے۔ ہم نے اسی فوجی قافلے پر حملے کا پروگرام بنایا۔ اس کے بارے میں لوگوں سے ابتدائی معلومات لینے کے بعد میں اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ گیا۔ پھر عصر کے وقت جب سورج کنگن کے بلند و بالا پہاڑوں پر ڈھلنے لگا تھا، ہم نے اسلحے کو چھپانے اور ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں سے بچنے کے لئے فرنیں اور گرم کوٹ پہن لئے۔

ہم پانچ تھے۔ میرے کندھے پر میری پیکا گن تھی۔ دوسرے ساتھی کلاشنکوفوں سے مسلح تھے۔ سڑک پر اترنے کے بعد ہم فی الفور پہلے سے طے شدہ پوزیشنوں پر چلے گئے۔

تین ساتھیوں کو میں نے ''کورنگ'' پر رکھا اور حملے کے لئے صرف ایک ساتھی کو اپنے ساتھ رکھا۔ ہائی وے سے کچھ دور نالہ سندھ بہہ رہا ہے۔ ہم اس کے ساتھ گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ مجاہدین کی کارروائیوں کی وجہ سے ہر کلومیٹر کے بعد فوج نے ایک حفاظتی چوکی بنا دی تھی جہاں ہر وقت فوجی پہرے پر موجود رہتے تھے۔ ہم سے چند سو میٹر کے فاصلے پر ایک پوسٹ مشرق میں اور دوسری مغرب میں تھی۔ ہمیں ان دونوں چوکیوں پر متعین فوجیوں کا خیال رکھنا تھا۔ اس لئے ہم نے اس بات کا پورا اہتمام کیا تھا کہ ہمیں کوئی گھات کے مقام پر جاتے ہوئے نہ دیکھ پائے۔

پانچ بجے کے قریب بھارتی فوج کی تین گاڑیاں سڑک کے موڑ سے ایک بڑے مکان کے پہلو

WAQAR@URDUFANS

سے نمودار ہوئیں۔ ہم نے انہیں گزر جانے دیا۔ یہ چھوٹی گاڑیاں تھیں۔ ان کے پیچھے تین شکتی مان گاڑیاں آ رہی تھیں، ہم نے ان ہی کو نشانہ بنانا تھا۔ جوں ہی پہلی گاڑی میری رینج میں آئی، میں نے پیکا سے اس کے عقب میں مشین گن تھامے فوجی پر فائر کر کے اسے ڈھیر کر دیا۔ دوسرے ساتھی نے دوسری گاڑی پر فائرنگ کر دی۔ گاڑیوں نے رکے بغیر جوابی فائرنگ کی۔ لیکن انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ انہیں تاک تاک کر گولیاں مارنے والے کہاں ہیں۔ وہ زیادہ تر فائرنگ جنگل کی جانب کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد قریبی پوسٹوں سے بھی فائرنگ ہونے لگی۔ ہمیں اپنے اسلحے کے محدود ہونے کا احساس تھا، اسی لئے میں باقاعدہ فوجیوں کے سروں کا نشانہ لے کر فائر کر رہا تھا۔ محض بارہ فائر کر کے میں نے فائرنگ روک دی، اس لئے کہ فوجی گاڑیاں اب ہماری رینج سے دور جا چکی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے سیٹی بجائی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ آہستہ آہستہ اوپر جنگل کی طرف چڑھنے لگا، بھارتی فوجی اسی زور و شور سے فائرنگ کر رہے تھے۔ تاہم ان کا ہدف اب بھی جنگل کا ایک حصہ تھا جو ہم سے دور تھا۔ ہم ان کی گولیوں سے محفوظ بڑے سکون سے اوپر چڑھتے ہوئے ایک گھنٹے بعد جنگل میں اپنے ہائیڈ آؤٹ پر پہنچ گئے۔ وہاں جا کر نماز پڑھی، کھانا تیار کر کے کھایا اور پھر لمبی تان کر سو گئے۔ اس کارروائی نے بھارتی فوج کو اس علاقے میں بوکھلاہٹ کا شکار کر دیا کیونکہ وہ اب تک ہمارے حملوں سے محفوظ تھے۔

اس علاقے میں ہمیں اب ایک مستقل خفیہ ٹھکانے (Hide Out) کی ضرورت تھی۔ میں نے ساتھیوں سے کہا، کیوں نہ ایک خفیہ ٹھکانہ تعمیر کر لیا جائے تاکہ ہمیں لوگوں کے گھروں میں جانا ہی نہ پڑے۔ اپنے ساتھیوں اور چند مقامی مجاہدین کے ہمراہ ہائیڈ آؤٹ کے لئے کسی موزوں جگہ کی تلاش میں نکل پڑا۔ ہم ایک پہاڑ کو عبور کر کے دوسری طرف پہنچے۔ بہت بلندی پر ایک مقام نہایت موزوں معلوم ہوا۔ فوج کا ادھر گزر کم ہی ہوتا تھا۔ قریب ہی ایک چشمے سے پانی ابل رہا تھا۔ مقامی مجاہدین نے بھی میری پسند پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ راشن وغیرہ لانے کا راستہ بھی تھا۔ دفاعی لحاظ سے بھی یہ جگہ موزوں تھی۔ اس کے اردگرد بارودی سرنگیں بچھا کر دشمن کو روکا جا سکتا تھا۔ اگر فوج عقب کی جانب سے آنے کی کوشش کرتی تو محفوظ علاقے کی طرف نکل جانے کے امکانات بھی تھے۔ دوسرے یہ کہ عقب کی جانب سے ہمارے پہنچنے میں دشمن کو کم از کم تین دن پیدل کا سفر طے کرنا پڑتا تھا۔

خوش قسمتی سے اس مقام پر جو تقریباً گیارہ ہزار فٹ بلند ہے، ہمیں ایک غار مل گیا۔ فیصلہ کیا گیا کہ اسی کو پناہ گاہ میں بدل دیا جائے۔ مقامی ساتھی گینتی بیلچے لے آئے۔ میں ٹارچ لے کر غار میں داخل ہوا جو کافی بڑا تھا۔ باہر سے مٹی اندر ڈالی۔ کافی دیر تک صفائی، کھدائی اور مٹی ڈالتے رہنے کے بعد ہم غار

کی سطح کو ہموار بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ اب اس "کمرے" میں منتقل ہونے کا مرحلہ تھا۔ کام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ٹارچ کے ذریعے غار کا تفصیلی معائنہ کیا تو ایک کونے میں نیچے کی طرف سوراخ نظر آیا۔ قریب گیا تو معلوم ہوا اس غار کے نیچے ایک اور غار ہے۔ ٹارچ کے ذریعے اوپر سے دیکھنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ ڈر تھا آگے کوئی درندہ نہ ہو۔ اپنا پستول نکال کر اور ایک ہاتھ میں ٹارچ لے کر میں سوراخ میں اس طرح گھسا کہ ایک ساتھی نے میری ٹانگیں پکڑی ہوئی تھیں اور میں الٹا ہو کر غار میں لٹک رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میری انگلیاں زمین سے ٹکرائیں اس سے غار کی گہرائی کا اندازہ ہو گیا۔

میری توقع کے برعکس غار میں کوئی درندہ نہ تھا۔ چند لمحے اسی طرح لٹکے ہوئے ٹارچ کی مدد سے جائزہ لیتا رہا۔ اس کے بعد میرے کہنے پر مجھے دوبارہ اوپر کھینچ لیا گیا۔ چند منٹ تک سانس درست کرنے کے بعد دوبارہ سیدھا ہو کر سوراخ کے راستے نیچے اترا۔ یہ غار پہلے سے زیادہ بڑا تھا۔ اندرونی ساخت کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد میں نے دوسرے ساتھیوں کو بھی نیچے بلا لیا۔ سب نے اس نئی جگہ کو پسند کیا۔ یہ جگہ زیادہ محفوظ اور گرم تھی۔ غار سے باہر جانے کا راستہ بھی دریافت ہو گیا۔ ایک کونے میں ایک دراڑ تھی جسے کھود کر ہم نے اچھی خاصی گزرگاہ بنا لی۔ اس کے بعد مٹی کھودنے اور ڈھونے کا کام از سر نو شروع کیا گیا۔ کافی تگ و دو کے بعد یہ غار اچھے خاصے کمرے کی شکل اختیار کر گیا جہاں دس افراد آسانی سے قیام کر سکتے تھے۔

اگلے روز ہمارے مقامی ساتھی سامان سے لدے چھ گھوڑوں کے ہمراہ آ پہنچے۔ اس سامان میں کمبل، بستر، آگ جلانے کے بخاری برتن، تیل، گیس کے چولہے اور روزمرہ استعمال کی دوسری اشیاء تھیں۔ سب ساتھیوں نے مل کر ان اشیاء کو پناہ گاہ میں سجایا۔ غار کو آراستہ بھی کر لیا۔ لکڑی کے مختلف ٹکڑے ایک دوسرے سے جوڑ کر غار کا دروازہ بھی بنا لیا گیا جو سرِ شام بند کر دیا جاتا تھا۔

ہائیڈ آؤٹ کے قریب ہم نے لکڑی کے تختوں سے ایک چھوٹی جگہ بھی بنا لی تھی، جہاں دھوپ بھی سینک لیتے تھے۔ کوئی ایک ماہ تک ہم یہاں قیام پذیر رہے۔ سطح سمندر سے بے حد بلندی کی وجہ سے چاروں طرف نہایت گہری برف موجود تھی، کچھ دن بعد مزید برف گرنے لگی اور آخر یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ ہم دنیا سے بالکل کٹ کے نہ رہ جائیں، اس خطرے نے ہمیں سے یہ مامن چھڑا دیا۔ ہم نے اپنی گنیں اور ایمونیشن اٹھایا، دیگر اشیاء کو وہیں محفوظ طریقے سے چھوڑ کر اور اپنی پناہ گاہ کو اچھی طرح بند کر کے کنگن روانہ ہو گئے۔ کنگن میں چند دن گزار کر گاندربل چلے گئے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک رات گاندربل کے علاقے بن ہامہ میں اپنے ایک ہمدرد کے ہاں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ اچانک گولیوں کی تڑتڑاہٹ نے جگا دیا۔ گن اور ٹارچ سنبھال کر جلدی سے اٹھا۔ اذانوں آواز سنائی دے رہی تھی۔ باہر نکلا تو ایک مقامی مجاہد دوڑتا ہوا میرے پاس آیا۔ اس سے پوچھا کیا قصہ ہے؟ تو اس نے بتایا..... قریبی بستی میں کچھ مجاہدین ایک مکان میں سوئے ہوئے تھے کہ فوج نے مکان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا ہے۔ وسیم نے تو مکان کی دوسری منزل سے چھلانگ لگائی اور فوج کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے فرار ہو گیا جبکہ دوسروں کے ساتھ جھڑپ جاری ہے۔ مزید تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محاصرہ بی ایس ایف نے کیا ہے اور اس کی قیادت رنبیر سنگھ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ شخص بلا درجے کا ظالم تھا۔ بہت سے مجاہد اور بے گناہ شہری اس کے ظلم و تشدد کا شکار ہو چکے تھے۔ مخبر نے اسے دوسری منزل پر بنی ہوئی ہائیڈ آؤٹ دکھا کر بتایا تھا کہ طاہر بھائی یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ مخبر نے بالکل ٹھیک نشاندہی کی تھی۔ لیکن رنبیر کو اس کی قسمت نے دعوت دی تھی۔ طاہر بھائی اپنی کلاشنکوف کے ٹریگر پر انگلی چپکائے آنے والے کے "استقبال" کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ جوں ہی وہ اوپر چڑھا طاہر بھائی نے درجنوں گولیاں اس کے سینے میں اتار دیں۔ وہ گرا پڑا۔ اپنے افسر کو مرتے دیکھ کر باقی "بہادر" فوجی مکان سے بھاگ کر ساتھ والے مکانوں میں جا کر چھپ گئے۔ تاہم طاہر بھائی اور ان کے ساتھیوں کے لئے محاصرہ توڑنا ناممکن نہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد طاہر بھائی فوج کا محاصرہ توڑتے ہوئے ڈیڑھ کلومیٹر دور بن ہامہ میں ہم سے آ ملے۔ ان کی دائیں ہاتھ کی ایک انگلی گولی لگنے سے زخمی ہو گئی تھی۔ میرے ساتھ اس وقت کشمیر کے چار مجاہد تھے۔ میرے دو ساتھی کنگن میں تھے جبکہ جاوید بھائی جو مجھ سے کچھ وقت کے لئے الگ ہو گئے تھے، گھیرے میں پھنس چکے تھے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا ہمیں فوراً جا کر فوج پر حملہ کر کے گھیرا توڑنا اور ساتھیوں کو نکالنا ہے۔

ہم پانچوں ایک مختصر راستے سے تقریباً دوڑتے ہوئے لار پہنچے۔ فوج ابھی تک فائرنگ کر رہی تھی، مگر انہوں نے جوں ہی ہمیں دیکھا ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔ فوج مکانوں کو نشانہ بنا کر فائر کر رہی تھی۔ ہم ان فوجیوں کے عقب سے آ رہے تھے۔ فوج نے بھاگنا شروع کیا تو میں نے ساتھیوں کو فائر کرنے سے منع کر دیا۔ اس دوران میں نے محسوس کر لیا تھا کہ گھروں کے اندر سے فائر نہیں آ رہا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وسیم بھائی اندر ہوتے اور خاموش رہتے یا مقابلے سے ہاتھ کھینچ لیتے۔ اب تو امکان یہی تھا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں یا پھر نکل گئے ہیں۔

اپنے ساتھیوں کے بارے میں اطلاع نہ پا کر میں نے دل ہی دل میں اگلے اقدام کے بارے میں سوچ لیا۔ اپنے مقامی ساتھیوں سے میں نے کہا..... "آج بدلہ ضرور چکایا جائے گا۔" انہوں نے پوری مستعدی سے ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ مجھے اندازہ تھا کہ فوجی یہاں کے معرکے سے فارغ ہو چکے ہیں، اس لئے اب وہ فوراً اپنی گاڑیوں کے ذریعے لار کیمپ کی جانب جائیں گے۔ میں ساتھیوں کے ہمراہ مار دھاڑ کرتا ہوا لار کیمپ سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر وت لار کے مقام پر جا پہنچا۔ مقامی ساتھیوں کو میں نے راستے میں مختلف مقامات پر پہرے پر تعینات کر دیا تھا۔ ان کی ذمہ داری یہ لگائی کہ پیدل فوج کو ہماری طرف نہ آنے دیں۔ وت لار کے قریب مین سڑک پر امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نام پر ایک اسلامی درس گاہ ہے، جس کے قریب چند گھر ہیں۔ میں پیکا گن اٹھائے ہوئے جب اس مقام پر پہنچا تو مکانوں سے لوگ نکل کر باہر آ گئے۔ معرکے کے لئے یہی مقام موزوں تھا۔ دشمن قریب ہی تھا۔ اس سے آگے جانے کی صورت میں کوئی اوٹ نہ تھی اور پیچھے ہٹتے تو آبادی کے لوگ دونوں طرف سے فائرنگ کی زد میں آ جاتے۔ گھروں کے آگے چند گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ میں نے ایک بزرگ سے کہا، ان گھوڑوں کو کہیں دور لے جا کر باندھ دیں اور گھروں کی خواتین اور بچوں کو یہاں سے نکال کر پیچھے خاصے فاصلے پر لے جائیں۔

اس کے بعد میں نے سڑک کے بالکل ساتھ ایک بڑے پتھر پر بیٹھ کر حالات کا جائزہ لیا۔ جہاد کی راہ میں نکلیں تو اللہ تعالیٰ مرنے کا خوف ختم کر دیتا ہے۔ بعض اوقات تو انسان پر دیوانگی سی طاری ہو جاتی ہے۔ مجاہد موت کا تعاقب کرتا ہے اور وہ آگے بھاگتی ہے۔ میرے دل میں کسی قسم کا خوف نہ تھا، بس دشمن کو پانے اور اس پر کاری ضرب لگانے کا جذبہ بھا۔ اس دوران وہی بزرگ دوبارہ آئے اور کہا۔

"بیٹا تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا، گھر میں ناشتہ تیار ہے، پہلے کچھ کھا پی لو۔" میں نے واقعی کچھ بھی نہیں کھایا تھا لیکن یہ ناشتہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اسی جگہ میں نے گن پر پوزیشن لئے ہوئے چائے پی کہ دشمن پر حملہ کسی وقت بھی متوقع تھا۔ ہماری وہاں موجودگی کی خبر گھروں سے نکل کر پورے محلے میں پھیل چکی تھی۔ کھڑکیوں، دروازوں اور چھتوں سے بہت سی شفقت و محبت سے جھانکتی آنکھیں ہمیں دیکھ رہی تھیں۔ بہت سے بچے، عورتیں اور بوڑھے اپنے اپنے گھروں کے دروازوں کے باہر نکلتے، ہمیں دیکھتے اور پھر گھر کے اندر چلے جاتے۔ ان سب کے لبوں پر کامیابی اور سلامتی کی دعائیں تھیں۔ چند منٹ بعد ایک بزرگ ہاتھ میں کچھ اٹھائے ہوئے گھر سے نکلے اور تیزی سے میری طرف آئے۔ میں نے دور انہیں اشارہ کیا، سڑک چھوڑ کر واپس چلے جائیں، لیکن ان پر میرے اشاروں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

WWW.KAR@URPUBLICATIONS

میں غصے سے پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ لیکن وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے میری جانب بڑھتے رہے اور میرے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے قریب آ کر دودھ کا گلاس مجھے تھما دیا۔ ان کی سادگی اور خلوص نے میرے غصے کو ٹھنڈا کر دیا، میں نے مسکراتے ہوئے کہا.....

"اگر فوج آ جاتی تو آپ کی شہادت یقینی تھی۔"

انہوں نے کہا....."اس سے بڑھ کر میرے لئے خوش بختی کیا ہو سکتی ہے۔" میں نے جلدی سے دودھ حلق میں انڈیلا، گلاس ان کے ہاتھ میں دیا اور انہیں واپس بھیج کر پھر پیکا گن سنبھال کر بیٹھ گیا۔ اب میں بے چینی سے فوج کا منتظر تھا۔ دو گھنٹے تک دشمن کا انتظار کرتا رہا۔ دس بجے کے قریب دو فوجی گاڑیاں نمودار ہوئیں۔ دونوں ٹرک تھے، ہر ایک پر درجنوں فوجی سوار تھے۔ یہ وہ گاڑیاں نہیں تھیں جن کا میں انتظار کر رہا تھا، بلکہ یہ دوسری طرف سے آ رہے تھے۔ دراصل یہ کمک لار کی طرف جا رہی تھی لیکن مجھے کیا، میں تو فوجی گاڑیوں کا منتظر تھا، جس طرف سے بھی آئیں، میرے لئے یہی غنیمت تھا۔ ایک ٹرک میرے سامنے سے گزر گیا تو میں اچانک اٹھا اور پیکا گن ساتھ لئے سڑک پر چھلانگ لگا دی اور دوسرے ٹرک کے سامنے والے بڑے شیشے پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ڈرائیور نے مجھے دیکھتے ہی بریک لگا دی تھی۔ آگے جانے والے ٹرک کے ڈرائیور نے جوں ہی فائرنگ کی آواز سنی تو اس نے بھی بوکھلاہٹ میں بریک لگائی۔ فوجی ایک دوسرے کے اوپر گر پڑے۔ اگلے ٹرک کا عقبی حصہ مجھ سے پندرہ میٹر کے فاصلے پر تھا اور پیچھے والا بھی اتنا ہی دور تھا۔ میں ان دونوں ٹرکوں کے تقریباً درمیان میں تھا۔ وقت ضائع بغیر میں نے آگے رکنے والے ٹرک کی پشت پر بیٹھے فوجیوں پر گولیوں کا برسٹ مارا۔ پیکا کے برسٹ نے بہت سے فوجیوں کو خون میں نہلا دیا۔ اس کے ساتھ ہی میری پیکا کا پٹہ ختم ہو گیا۔ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پٹھو میں ہاتھ ڈالا، ایک گرنیڈ لیا، اس کی پن نکالی اور ٹرک کے اندر پھینک دیا۔ زوردار دھماکہ ہوا، فوجیوں کے اوسان ایسے خطا ہوئے کہ وہ جوابی حملہ کرنے کی بجائے مدد کے لئے چیخ و پکار کرنے لگے۔

گرنیڈ پھینکنے مجھے چند لمحوں کی جو مہلت مل گئی، اس میں پیکا دوبارہ لوڈ کر لی۔ پھر میں تیزی سے پچھلے ٹرک کے عقب میں پہنچ گیا۔ یہ شکتی مان گاڑی تھی جس کا پچھلا حصہ تقریباً پانچ فٹ بلند تھا۔ ٹرک ہی کی آڑ میں میں نے اندر دبکے ہوئے فوجیوں پر ایک برسٹ مارا۔ میرا حملہ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ فوجیوں کو جوابی کارروائی کا موقع نہ مل سکا۔ حالانکہ ایل ایم جی لئے ایک فوجی ٹرک پر کھڑا تھا۔ میری پیکا ایک مرتبہ پھر بند ہو گئی۔ دور جانا ممکن نہ تھا۔ اس لئے میں نے اسی گاڑی کے اگلے ٹائر کے پاس بیٹھ

کر پیکا کو دوبارہ لوڈ کیا۔ اس دوران اگلی گاڑی سے ایک زخمی فوجی باہر نکلا، وہ لڑکھڑاتا ہوا سڑک پر چل رہا تھا۔ اس نے جوں ہی مجھے دیکھا، ہاتھ کھڑکر دیئے اور روتے ہوئے بولا....."بھگوان کے لئے مجھے کچھ نہ کہنا۔" لیکن اس کی انگلی گن پر چپکی ہوئی تھی.....اس سے مجھے ٹریننگ کے دوران پڑھا ہوا سبق یاد آ گیا کہ دشمن پر اعتبار نہ کرنا۔ اسے گرانے کے بعد میں نے گن پھر لوڈ کی اور نہایت اطمینان سے اگلے ٹرک کے پیچھے بچے کھچے فوجیوں کو چن چن کر نشانہ بنایا۔ جس وقت میں پیکا لوڈ کر رہا تھا، اگلی گاڑی کے ڈرائیور اور ایک دوسرے فوجی کو گاڑی سے اتر کر بھاگ کر قریبی کھیتوں میں پناہ لینے کا موقع مل گیا۔ چند منٹ کے اندر اندر میں نے دونوں ٹرکوں پر اپنا حملہ مکمل کر لیا تھا۔

❁❁

میری فائرنگ ابھی جاری تھی کہ پیچھے پانچ فوجی جیپیں نمودار ہوئیں۔ ان جیپوں پر بھی فوجی سوار تھے۔ انہوں نے جب فائرنگ کی آواز سنی تو جیپیں روک کر اور بھاگ کر قریبی کھیتوں میں چھپنے لگے۔ میں نے درجنوں فوجیوں کو گنیں تھامے زمین کی جانب سر جھکائے کھیتوں میں چھلانگیں لگاتے دیکھا تو طبیعت ان کی خبر لینے کے لئے للچائی، لیکن یہ ممکن نہیں تھا، میرے پاس ایمونیشن بھی کم تھا اور پھر فوجی کھیتوں میں پوزیشنیں لے چکے تھے۔ یہاں کھیتوں کا ایک وسیع سلسلہ تھا۔ اصل گاؤں یہاں سے تین سو میٹر کے فاصلے پر سڑک سے ہٹ کر تھا۔ میں نے حملے سے پہلے ہی پسپائی کے لئے ایک راستہ دیکھ لیا تھا۔ فوجیوں کے کھیتوں میں پوزیشنیں لینے کے باوجود وہ راستہ ابھی تک محفوظ تھا۔ میں نے فوراً اپنی گن سنبھالی اور مدرسے کے عقب سے ہوتے ہوئے گاؤں میں داخل ہو گیا۔

دشمن سے کامیابی سے نمٹنے سے آسودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ اپنی کامیابی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ کوئی دس منٹ تک وہاں بیٹھا سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ایک سو میٹر مزید اوپر چڑھ کر دوبارہ دوربین کے ذریعے فوجیوں کی نقل و حرکت دیکھی۔ انہوں نے اب فائرنگ بند کر دی تھی۔ کچھ دیر کھیتوں میں دبکے رہنے کے بعد دو فوجی اٹھے اور گنیں تانے ان دو ٹرکوں کی طرف بڑھنے لگے جن کے دو کے سوا سارے فوجی میرے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ باقی فوجی انہیں کور دے رہے تھے۔ انہوں نے ٹرکوں تک سو میٹر کا فاصلہ آدھے گھنٹے میں رینگتے ہوئے طے کیا۔ جب یقین ہو گیا کہ حملہ آور چلے گئے ہیں تو ڈرتے ڈرتے گاڑیوں کے اندر جھانک کر دیکھا، وہاں ان کے درجنوں ساتھی مرے پڑے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اشارے سے دوسرے فوجیوں کو بلایا۔ میں ان کی یہ ساری کارروائی بڑی دلچسپی سے دوربین سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد جیپوں نے حرکت کی۔ دو جیپیں لار کیمپ کی طرف چلی گئیں۔ دو جیپیں

WAR@UrduAna

دونوں ٹرکوں کے عقب میں کھڑی کی گئیں اور پھر ان میں لاشوں کو لادنے کا کام شروع ہوا۔ پھر تیسری جیپ بھی لوڈ کی گئی۔ یہ تینوں جیپیں سری نگر کی جانب روانہ ہوگئیں۔ یہ گاڑیاں جہاں جہاں سے گزریں، بعد میں وہاں خون کی سرخ لکیریں دکھائی دیں۔ خون سے لت پت یہ گاڑیاں جب سری نگر شہر سے گزریں تو وہاں بھی ہماری کارروائی کی خبر پھیل گئی۔

❁❁

دوپہر کے وقت میں نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا تھا۔ ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد اپنے ساتھیوں سے جاملا۔ ساتھیوں نے یہ دردناک خبر سنائی کہ دو مجاہد بھائی جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ ہم نے شہدا کی خوش بختی پر خاصی دیر تک بات چیت کی اور پھر فاتحہ خوانی کی۔ اس کے بعد چند گھنٹے پہاڑ پر بھی آرام کیا۔ ساتھیوں کے پاس سوکھی روٹیاں تھیں، وہ بانٹ کر کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کیا..... مغرب کی اذانوں کے ساتھ وہاں سے ایک دوسرے علاقے کی طرف رخت سفر باندھا۔ نالہ سندھ کے برفانی پانی کو ایک جگہ سے عبور کیا۔ سردی کی وجہ سے کم ضرور تھا لیکن پانی کی ٹھنڈک سے ٹانگیں سن ہو گئیں۔ آدھی رات کے وقت ایک محفوظ علاقے میں پہنچ کر ایک ہمدرد کے ہاں رات بسر کی۔

❁❁❁

ہم ایک مرتبہ پھر اپنے ہائیڈ آؤٹ پر واپس لوٹ آئے۔ "بیس کیمپ" میں حاصل کی گئی تربیت کے مطابق میں جس علاقے میں بھی جاتا وہاں اپنا نظام جاسوسی ضرور استوار کر لیتا تھا۔ یہاں بھی ہم نے فوراً اپنے دو ہمدرد بنا لئے تھے۔ یہ دونوں سرکاری ملازم تھے اس لئے عام کشمیریوں سے زیادہ باخبر رہتے تھے۔ ان ہی میں ایک ہمدرد ایک روز شام کے اندھیرے میں ہمارے پاس پہنچا تو اس نے خبر دی کہ یہاں سے نزدیکی گاؤں "وٹمان" میں بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی "را" کی طرف سے بنائی گئی تنظیم جس کا سربراہ "کوکا پرے" ہے، کا ایک کمانڈر گھاترو موجود ہے۔

گھاترو کی شہرت ہم سن چکے تھے۔ یہ شخص جو کبھی مجاہد تھا، بھارتی فوج کے پاس سرنڈر کرنے کے بعد سے ان کا کیٹ (CAT) بن چکا تھا اور رسوائے زمانہ "کوکا پرے" کا دایاں ہاتھ سمجھا جاتا تھا۔ کمانڈر کامران پر بھارتی فوج نے جو حملہ کیا تھا اس کی قیادت بھی بدبخت گھاترو کر رہا تھا۔ "وٹمان" نامی اس گاؤں میں دراصل اس کے ایک عورت سے ناجائز تعلقات تھے۔ یہ عورت جو سرکاری شفاخانے میں کام کرتی تھی، گھاترو کے ساتھ مل کر مجاہدین کی مخبری کیا کرتی تھی لیکن بظاہر اسے یہاں بڑی معزز شخصیت سمجھا جاتا تھا۔

وٹمان گاؤں کی زیادہ آبادی تو مجاہدین کی حمایت ہی کرتی تھی لیکن اس سارے علاقے میں "کوکا پرے" کے گروہ کی موجودگی کی وجہ سے لوگ عموماً خوفزدہ رہتے تھے کیونکہ کوکا پرے بھارتی انٹیلی جنس کا سرکاری سانڈ تھا جو جدید ترین اسلحہ اور اپنے پندرہ بیس محافظوں کے ساتھ بھارتی آرمی کی جیپوں میں یہاں دندناتا پھرتا، اس شخص کے شر سے اس علاقے کا کوئی باشندہ محفوظ نہیں تھا۔ یہ لوگ جسے چاہتے دن دیہاڑے اٹھا کر اپنے ٹھکانے پر لے جاتے اور اس پر تشدد کر کے اکثر موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

مسلمان لڑکیاں جتنی غیر محفوظ ہندو درندوں سے تھیں، اس سے کچھ کم برا سلوک ان کے ساتھ

WAQAR@UrduFANS

گھاترو اور اس کے ساتھ نہیں کرتے تھے۔

اپنے ہمدرد کی طرف سے گھاترو کی موجودگی کی اطلاع نے ہمارے جسم میں دوڑتے خون کو انگاروں میں تبدیل کر دیا۔ مجھے یاد آ گیا کہ اس موذی کے ہاتھوں ذلت اٹھانے کے بعد ایک مقامی عالم دین کی پاکباز صاحبزادی نے خودکشی کر لی تھی اور اس علاقے کی درجنوں خواتین کی وہ عصمت دری کر چکا تھا، ان لوگوں کو مقامی فوج کی پشت پناہی حاصل ہونے کی وجہ سے مجاہدین ابھی تک اس کے خلاف کوئی بڑی کارروائی نہیں کر سکے تھے۔

میں نے فوراً اپنے ''نظم'' کو یہ اطلاع پہنچائی اور وہاں سے اس موذی کو کیفر کردار تک پہنچانے کی اجازت حاصل کی۔

گھاترو ''وٹمان'' میں اپنی جس واشتہ سے ملنے آیا تھا، اس کے کسی رشتہ دار کی شادی تھی اور یہ شادی وہ لوگ بڑے جوش و خروش سے کر رہے تھے۔ گھاتروں نے اپنے اثر و رسوخ سے جموں سے ناچنے والی عورتیں منگوائی تھیں جو آرمی کی حفاظت میں رہتی تھیں۔

اگلے روز شام کو شادی تھی۔ میں نے سوچا اگر ہم نے ان لوگوں پر حملہ کیا تو کئی بے گناہ بھی مارے جائیں گے کیونکہ شادی کی اس تقریب میں دو ڈھائی سو مہمانوں کی آمد متوقع تھی۔ اور اس سے پہلے ایسی مثالیں موجود تھیں جب ''کوکاپرے'' نے مجاہدین کے گھیرے میں آنے کے بعد مقامی آبادی کو ڈھال بنا کر بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلی۔

مقامی مجاہدین کو ہم نے اس منصوبے میں شامل کرنا ضروری سمجھا اور یہ طے پایا کہ میں اور طاہر بھائی بارات میں شامل ہو کر گھاترو کو اس کے انجام تک پہنچائیں گے جبکہ باقی مجاہدین ''وٹمان'' کے گردا گرد پہاڑیوں پر اپنا گھیرا ڈالے رکھیں گے۔ ہم جب ''وٹمان'' گاؤں سے نکل کر اپنی پناہ گاہ کی طرف آئیں گے تو گھاترو کے ساتھی اور وہاں موجود فوجی ہم پر حملہ کریں گے، ہمارا تعاقب کریں گے۔ مجاہدین ہمیں ان سے بچانے کے لئے کور فائر (Cover Fire) دیں گے۔

بارات جس گاؤں سے آ رہی تھی، وہ بھی وٹمان کے نزدیک ہی تھا۔ عصر کی نماز کے بعد مجاہدین نے ہم دونوں کے لئے خصوصی دعا کی، ہمیں شاندار کپڑے پہنائے جن میں ہم نے آسانی سے اپنا اسلحہ اور بارود چھپا لیا اور رخصت کر دیا۔

❁❁

میں اور طاہر بھائی مقامی ہمدرد کی معاونت سے فوج کی نظروں سے بچتے بچاتے گاؤں کی اس

سمت میں پہنچ گئے جس راستے سے بارات نے گزرنا تھا۔ ہمارے یہاں پہنچنے سے بمشکل پندرہ منٹ بعد شہنائی کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ہم دونوں محفوظ آڑ میں چھپ گئے۔ اب ہمیں گھوڑی پر سوار دولہا، اس کے آگے آگے چلتے ہوئے ڈھول تاشے اور شہنائیوں والے دکھائی دینے لگے تھے۔

بارات کے دائیں بائیں کچھ لوگوں نے بڑے بڑے گیس لیمپ سروں پر اٹھا رکھے تھے جن کی روشنی میں ہمیں بارات کے ساتھ ساتھ چلنے والے ''کوکاپرے'' کے مسلح غنڈے بھی دکھائی دینے لگے تھے۔ ان لوگوں نے اپنی طرف سے مکمل بندوبست کیا ہوا تھا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے الحمدللہ انہیں اس بات کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ کب ہم دونوں اس بارات کا حصہ بن گئے ہیں۔ یوں بھی زیادہ لوگوں نے شاید نشہ کیا ہوا تھا اور وہ باجے گاجے کے ساتھ ناچتے ہوئے جا رہے تھے۔

''وٹمان'' کے باہر ایک قدرے مسطح قطعہ اراضی پر گیس لیمپوں کی روشنی میں گھاترو اور اس کے ساتھیوں نے بارات کا استقبال کیا۔ پہلے سے رکھی کرسیوں اور چارپائیوں پر کچھ باراتی وہاں بیٹھ گئے جبکہ باقی کچھ فاصلے پر شادی والے گھر کی طرف چل دیئے۔

اندھیرا بڑھنے لگا تھا۔ سردی اپنا اثر دکھا رہی تھی۔ اکثر لوگوں نے ''کانگڑیاں'' لگا رکھی تھیں جبکہ تین چار جگہ آگ بھی روشن کی ہوئی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے نزدیک رہے تاکہ مشکل آنے پر ایک دوسرے کی مدد بھی کر سکیں۔

گھاترو اپنے دو مسلح ساتھیوں کے ساتھ سامنے چارپائی پر گاؤ تکیہ لگائے بڑے متکبرانہ انداز میں بیٹھا تھا۔ اس کی نشاندہی ہمارے ساتھ موجود مقامی ہمدرد نے کی جس کے بعد ہم نے اسے چلے جانے کے لئے کہا کیونکہ اب اس کا کام ختم ہو گیا تھا۔

مقامی ہمدرد وہاں سے بڑی ہوشیاری سے کھسک گیا، اس نے کسی شخص کو یہاں قطعاً اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ ہمیں جانتا ہے..... اس کی روانگی کے بمشکل تین چار منٹ بعد ہی اچانک ایک کونے میں بیٹھے سازندوں نے اپنے ساز سنبھال لئے اور ایک عورت نے اٹھ کر ناچنا شروع کر دیا۔ جبکہ باقی دو عورتیں اونچی آواز میں کوئی مقامی گیت گانے لگی تھیں..... اس کے ساتھ ہی وہاں شراب نوشی شروع ہو گئی۔ ہمارے لئے ایک ایک لمحہ جانگسل تھا۔ گھاترو اور دوسرے تماش بین اب نشے کی حالت میں عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگے تھے۔ وہ اچانک اٹھ کر ناچتی ہوئی طوائف پر نوٹ نچھاور کرنے لگے تھے۔ میں نے طاہر بھائی کی طرف دیکھا، آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ اب کام کا وقت آ گیا ہے۔

WAQAR@URDUPAD.NS

ہم نے اپنے ٹارگٹ منتخب کر لئے تھے۔ میں نے گھاترو کو جہنم واصل کرنا تھا اور طاہر بھائی نے اس کے محافظوں کو نشانہ بنانا تھا۔ دل ہی دل میں دعا کرنے کے بعد ہم نے آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور طاہر بھائی مجھ سے قریباً آٹھ دس فٹ دور ایک تماشائی کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے میری طرف دیکھ کر ہاتھ اپنے "فیرن" کے نیچے ڈالا اور یہی عمل میں نے دہرایا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر خصوصی کرم کیا اور دونوں نے ایک ہی لمحے میں بمشکل چند سیکنڈ کے فرق سے اپنا کام کیا۔ پہلے میں نے گھاترو کو جو مجھ سے بمشکل دس بارہ فٹ دور ہوگا، نشانہ بنایا۔ اپنے ساتھ موجود ایک شراب کے نشے میں مدہوش باراتی کے کندھے کے اوپر سے میں نے اس پر یکے بعد دیگرے چار فائر کئے اور اللہ کے فضل سے چاروں گولیاں عین ٹھکانے پر لگیں۔ دو گولیاں اس کے سر میں اور دو گولیاں سینے اور پیٹ میں لگیں۔ اس کی موت تو پہلے گولی لگنے کے بعد شاید دہشت ہی سے ہو گئی ہوگی۔

اس اثناء میں طاہر بھائی نے اپنا کام کر دیا تھا۔ وہ بلا کے نشانہ باز تھے۔ انہوں نے ایک ایک کر کے گھاترو کے دونوں مسلح گارڈز کے سروں کو نشانہ بنایا اور ان کے بھیجے اڑا کر رکھ دیئے۔ میں نے احتیاطاً اپنی باقی گولیاں بھی ان دونوں پر فائر کر دیں اور چند سیکنڈ میں ہم نے اپنے پستول میں نئے چیمبر لوڈ کر لئے تھے۔

❁❁

رقص تھم گیا.....

گھاترو اور اس کے ساتھیوں کے وہاں موجود باراتیوں اور ناچنے گانے والوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا..... وہاں ایک طوفان بدتمیزی در آیا۔ بھگدڑ مچ گئی، جس کا جدھر منہ اٹھا اس نے اسی سمت بھاگنا شروع کر دیا۔

ہم دونوں نے پہلے سے منتخب راستے پر دوڑ لگائی جس پر مقامی مجاہدین نے گھات لگائی ہوئی تھی۔ اس علاقے میں "وٹمان" سے بمشکل دو سو گز کے فاصلے پر فوج کا کیمپ موجود تھا۔ لیکن تجربے نے بتایا تھا کہ رات کا اندھیرا پھیلنے کے بعد بھارتی فوجیوں کو اگر ان کے افسران گن پوائنٹ پر بھی باہر نکالنا چاہیں تو نہیں نکال سکتے، ان کے دلوں میں مجاہدین کی ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔

انہوں نے جو کچھ کرنا تھا، صبح سورج نکلنے کے بعد ہی کر سکتے تھے۔ بھگدڑ میں مزید اضافہ ہمارے مجاہدین کی ہوائی فائرنگ نے کر دیا۔ لوگ یہی سمجھے کہ مجاہدین کے کسی بڑے گروہ نے حملہ کر دیا ہے۔ کسی نے ہماری طرف توجہ نہ دی اور ہم الحمدللہ بڑی آسانی سے بحفاظت اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔

گھاترو اور اس کے ساتھیوں کی موت کی تصدیق ہم نے کر لی تھی۔ ان کے سروں کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

یہ بڑی کامیابی تھی جو اللہ نے ہمیں عطا کی.....

مقامی آبادی اتنی خوش تھی کہ صبح ایک طرف تو فوج نے تین چار دیہاتوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا جبکہ دوسری طرف اس گھیرے کے درمیان سے ہمارے ایک ہمدرد نکل کر کسی طرح ہمارے پہنچ گئے۔ خوشی سے وہ بے قابو ہو رہے تھے۔ انہوں نے ہمارے ماتھے دیوانہ وار چومنے شروع کر دیئے۔

انہیں ان حالات میں اتنا بڑا خطرہ مول لے کر یہاں نہیں آنا چاہئے تھا کیونکہ گھاترو کی موت کو بھارتی فوج ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور یہاں چلے آئے۔

گھاترو کی موت نے مجاہدین کی صفوں میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی۔ عوام کا حوصلہ بلند ہونے لگا اور یہ بات بھارتی حکومت کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ انہوں نے اس کا علاج "کریک ڈاؤن" کے ذریعے کیا۔ نزدیک دور کے دیہاتوں پر ہزاروں فوجیوں نے ہلہ بول دیا۔ "کوکا پرے" نے جس گھر کی طرف انگلی اٹھائی اسے بھارتی فوج نے بارود چھڑک کر جلا ڈالا۔ اس کے مکینوں کو گرفتار کر کے لے گئی۔ مجاہدین قلیل تعداد کے باوجود ان کی مزاحمت کرتے رہے۔ ہمیں اس روز تین مختلف مقامات پر گھات لگا کر حملہ کرنے کا حکم ملا اور ہم نے غاصبوں کو احساس دلا دیا کہ اب وہ سب کچھ اپنی مرضی سے کرنے پر قادر نہیں رہے۔ چھوٹی سطح پر ہی سہی لیکن ہم انہیں ان ظالمانہ کارروائیوں کا جواب دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

اگلے دس روز تک ہماری معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں اور مسلسل حملوں کے بعد ہم نے بھارتی فوجیوں کو ایک مرتبہ پھر چھاؤنیوں اور پوسٹوں تک محدود کر دیا۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔

ایک روز پھر میں سری نگر کی طرف عازم سفر تھا جہاں آسیہ سے ملاقات متوقع تھی۔ جس کا مجھے اب انتظار رہنے لگا تھا۔

❁❁❁

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہائیڈ آوٹ پر حاجی بابا میرے منتظر تھے۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور ایک مرتبہ پھر ہم راستہ بدل بدل کر سفر کرتے سری نگر کے گنجان آباد علاقے میں پہنچ گئے جہاں ایک مکان پر کمانڈر کامران کا علاج جاری تھا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی جب انہوں نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا اور مجھے گلے سے لگالیا۔

کمانڈر کامران کی رہائی میں جو کردار میں نے ادا کیا تھا، وہ اس سے بخوبی آگاہ تھے۔ اب گھاترو کو اس کے بدانجام تک پہنچانے کا آپریشن بھی میری ہی کمان میں انجام پایا تھا۔ جس نے مجاہدین کی نظروں میں مجھے ہیرو بنادیا تھا۔

مجھے یہاں ایک اہم میٹنگ میں طلب کیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آسیہ اندر آ گئی۔ آج میں نے پہلی مرتبہ اسے اتنا خوش دیکھا تھا۔

''علوی آپ نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا۔ اللہ آپ کو اجر عظیم سے نوازے اور استقامت عطا فرمائے۔''

اس نے حسب سابق مختصر سی بات کی۔ آج مجھے اس کی آنکھوں میں اپنے لئے عقیدت و احترام کے ساتھ کوئی اور جذبہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس جذبے کا بظاہر کوئی رنگ روپ تو ہوتا نہیں لیکن میرے دل نے بے اختیار گواہی دی۔

تھوڑی دیر بعد حاجی بابا کی معیت میں ہمارے مجاہد کمانڈر اندر آ گئے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ آج مقبوضہ کشمیر کے کونے کونے سے ہمارے ''نظم'' کی ساری کمان یہاں جمع ہے تو ضرور کوئی اہم بات ہونے والی ہے۔

حاجی بابا نے حسب روایت خوش الحانی سے تلاوت کام پاک کرنے کے بعد یہ اعلان کیا کہ

مجاہدین کی خواہش تھی کہ بھائی اسد علوی کے اعزاز میں خصوصی تقریب کی جائے۔ اس لئے آج کا کھانا جو ہماری بیٹیوں نے جن کا تعلق ''دختران ملت'' سے ہے، بطور خاص تیار کیا ہے..... گھاترو کو اس کے بد انجام تک پہنچانے کے لئے آج ہم سب اپنے مجاہد بھائی اسد علوی کے شکر گزار ہیں۔

جیسے جیسے حاجی بابا بول رہے تھے مجھ پر گھڑوں پانی پڑ رہا تھا۔ اگر مجھے اس بات کا علم ہوتا کہ یہ سب کچھ ہونا ہے تو شاید میں یہاں آنے سے معذرت ہی کر لیتا۔

مجھے علم نہیں تھا کہ اس تقریب میں مجھے اس لئے بلایا جا رہا ہے لیکن اس کے بعد والی بات نے تو مجھے قدرے گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا۔ کمانڈر کامران نے اب گفتگو کیا کا آغاز کیا اور بتایا کہ انہیں ''نظم'' کے حکم پر ''بیس کیمپ'' جانا ہے کیونکہ ان کی یہاں موجودگی کی وجہ سے بہت سے بے گناہ مارے جا چکے ہیں اور بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے ہر اس علاقے کے لوگوں کی زندگی جہنم بنا رکھی ہے جہاں کمانڈر کامران نے ماضی میں کبھی قیام کیا تھا۔

اپنی گفتگو کے آخر میں انہوں نے کہا کہ مرکزی مجلس شوریٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی جائے۔

جیسے ہی ان کے منہ سے یہ بات نکلی، آسیہ سمیت تمام ضلعی کمانڈرز نے ''اللہ اکبر'' کہا۔ یہاں ہم اونچی آواز سے نعرے نہیں لگا سکتے تھے ورنہ شاید وہ فائرنگ بھی کرتے۔ میں حواس باختہ ان کے چہروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو مبارک ہو.....''

آسیہ نے سب سے پہلے کہا۔

اس کے بعد فرداً فرداً سب نے مجھے مبارکباد پیش کی۔

مجھ پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ پھر اللہ نے مجھے حوصلہ دیا اور میں نے بڑے حوصلے سے اپنی کم مائیگی کا احساس دلانے کے بعد انہیں بتایا کہ میں خود سے زیادہ اپنے دوسرے مجاہد بھائیوں کو اس کا اہل جانتا ہوں۔

لیکن ..... مجلس عاملہ کا یہ فیصلہ مجھے قبول کرنا ہی پڑا کیونکہ اب اس کو تبدیل کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔

رات کا کھانا ہم نے اکٹھے کھایا۔ نماز اکٹھے ادا کی جس کے بعد تمام لوگ الگ الگ ٹھکانوں پر منتقل ہو گئے جبکہ میں اور کمانڈر کامران یہاں اکیلے رہ گئے۔

ہمارے ''نظم'' کے ہر مجاہد کو کمانڈر کامران اور ''آسیہ بہن'' سے بے پناہ عقیدت تھی۔ میں جانتا تھا

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہ ان کے پسینے کی جگہ یہ لوگ اپنا خون بہانے کو تیار تھے۔ اگلے دو تین روز کے بعد وہ ہم سے الگ ہونے والے تھے۔ اس بات نے سب کے دل قدرے بوجھل کر دیئے تھے۔

ساتھیوں کی روانگی کے بعد میں ان کے نزدیک بیٹھ گیا۔ ہم آپس میں باتیں کرنے لگے۔ میں نے محسوس کیا کہ کمانڈر کامران مجھ سے کوئی اہم بات کرنے کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر رہے ہیں کیونکہ آج وہ قدرے بدلے ہوئی دکھائی دے رہے تھے۔ مجھ سے خاصی دیر وہ میرے والدین، گھربار، خاندان سے متعلق سوالات کرتے رہے۔ پھر اچانک ہی انہوں نے وہ بات کہہ ڈالی جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کی طرف سے کہی جائے گی۔

''اسد بھائی..... سرحدی صورت حال کچھ اچھی نہیں..... مجھے علم نہیں کہ ''بیس کیمپ'' پہنچ بھی پاؤں گا یا نہیں..... اور پہنچ گیا تو واپس بھی آسکوں گا یا نہیں..... عین ممکن ہے کہ ''نظم'' کی طرف سے مجھے کوئی اور ذمہ داری نہ سونپ دی جائے کیونکہ میری کمر کا زخم مجھے زیادہ متحرک نہیں رہنے دے گا۔ میرے دل میں ایک پھانس سی نجانے کیوں اٹکی ہوئی ہے؟ جانتے ہو میرا آسیہ بہن سے کیا رشتہ ہے؟''

''نہیں.....'' میں نے جواب دیا۔

''آسیہ میری خالہ زاد بہن ہے۔ اس کا بھائی شہید کمانڈر شاہین ہمارے پہلا کمانڈر تھا۔ جسے بھارتی انٹیلی جنس والے گرفتار کر کے لے گئے اور یہاں انہوں نے یہ افواہ پھیلا رکھی کہ وہ مفرور ہے۔ جبکہ ہماری اطلاعات کے مطابق اسے تشدد کر کے ان موذیوں نے مار ڈالا..... اسد بھائی! شاہین اس کا اکلوتا بھائی تھا..... اس کی شہادت سے پہلے بھارتیوں نے آسیہ کی ماں اور باپ کو بھی شہید کر دیا تھا۔ اس روز گھر میں نہ ہونے کی وجہ سے آسیہ محفوظ رہی..... اس کے گھر کو آگ لگا کر بھسم کر دیا گیا۔ جس کے بعد سے آسیہ ہمارے ہاں منتقل ہوگئی..... بچپن ہی سے آسیہ دوسرے بچوں سے الگ تھلگ مزاج رکھتی تھی ..... اس نے بھائی اور والدین کی شہادت پر ماتم کناں ہونے اور اپنے جیسی بہت سی لڑکیوں کی طرح غم اور صدمے کی شدت سے پاگل ہو کر سری نگر کی گلیوں میں چیخنے چلانے سے اپنے بھائی کے مشن کو آگے بڑھانا زیادہ ضروری سمجھا..... آج وہ ہمارے ''نظم'' کی ایک اہم کمانڈر ہے..... اس دنیا میں یوں تو ہر مجاہد اسے مجھ سے بڑھ کر عزیز رکھتا ہے لیکن خونی تعلق سے اس کا سب سے قریبی رشتہ دار میں ہی ہوں ..... میرے دل میں گزشتہ تین ماہ سے ایک ہی بات سمائی ہوئی ہے.....''

یہ کہہ کر اس نے رک کر میری طرف دیکھا۔ میں خاموشی اور احترام سے سر جھکائے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ لیکن مجھے اپنے دل کی دھڑکنوں کی آواز ساتھ ہی سنائی دے رہی تھی۔

''اسد بھائی..... آسیہ کا بھائی اور باپ دونوں کے ناطے میری خواہش تھی کہ وہ تمہاری رفیقہ حیات بنے.....''

ان کے منہ سے یہ بات نکلی اور میرا دل دھک سے رہ گیا..... اسے آپ شادی مرگ کی کیفیت کہیں یا کوئی اور نام دیں، مجھے یوں لگا جیسے میرے دل نے جو چند لمحے پہلے تک زور زور سے دھڑک رہا تھا، اچانک دھڑکنا بند کر دیا ہو.....

کمانڈر کامران میرے جواب کے منتظر تھے اور میری زبان گنگ تھی..... بالآخر انہیں کہنا ہی پڑا۔

''اسد بھائی آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا.....''

میں نے اپنے حلق کو تھوک نگل کر تر کیا اور خود کو حوصلہ دے کر کہا۔

''کمانڈر صاحب آپ مجاہد ہیں۔ آپ کے کردار کی قسم ہر مجاہد کھا سکتا ہے میں صرف آپ سے ایک سوال کرتا ہوں؟''

میرے جواب پر وہ حیرانگی سے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے بات ہی عجیب کہہ دی تھی۔

''فرمایئے.....'' انہوں نے پوچھا۔

میں نے قرآن پاک کی اس آیت کا حوالہ دیا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''امانتیں'' ان کے اہل لوگوں کے سپرد کیا کرو'' اور ان سے سوال کیا۔

''کیا آپ مجھے اس امانت کا اہل پاتے ہیں؟''

''الحمدللہ! آپ اس کے اہل ہیں..... میرے عزیز! یہ مجھ اکیلے کا نہیں، حاجی بابا اور یہاں موجود ان تمام مجاہدوں کا متفقہ فیصلہ تھا جو آج یہاں موجود تھے..... تمہاری آمد سے پہلے ہم نے مشاورت سے یہ فیصلہ کیا کیونکہ میں دم رخصت اپنے سر سے بوجھ اتارنا چاہتا ہوں..... اور ہم نے حاجی بابا کے ذریعے آسیہ بہن کی رائے بھی معلوم کی تھی.....'' انہوں نے ابھی اتنی بات ہی کی تھی کہ میں نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''انہوں نے کیا کہا.....؟''

''الحمدللہ..... ہماری بہن نے اس پر صاد کیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ آپ کو بھی یہ فیصلہ دل سے قبول ہو۔''

انہوں نے طمانیت بھرے لہجے میں کہا۔

''کمانڈر صاحب! اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ اس عظیم مجاہدہ کے لئے خود کو اہل نہیں پاتا۔ میرے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی کہ میں آسیہ کو اپنی رفیقہ حیات بنا سکوں۔ انشاء

WAQAR@UP.DUF.ANE

اللہ میں خود کو اس منصب کا اہل ثابت کروں گا اور جیتے جی انہیں کبھی کسی تکلیف کا احساس نہیں ہونے دوں گا....."

ابھی میری بات نامکمل ہی تھی جب حاجی بابا اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے شاید یہ فقرہ سن لیا تھا اور شاید انہوں نے ہی کمانڈر کامران کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ مجھ سے اس مسئلے پر بات کریں۔

"اللہ آپ کو اپنے فیصلے پر استقامت نصیب کرے۔ میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ بے شک اللہ ہی ہے جو ہم سے بہترین فیصلے کرواتا ہے اور یہ بھی آسمانی فیصلہ ہے....."

انہوں نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

کمانڈر کامران بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے لگا کر مبارکباد پیش کی۔

❁❁

میں قدرت کے فیصلوں پر حیران تھا۔ ایک روز پہلے میرے لئے آسیہ تک اپنے جذبات پہنچانا ہی کار دارد تھا اور اب یہ خوف دامنگیر تھا کہ کہیں اپنے سابقہ کارنامے سے شہ پا کر یا پھر اب اپنے "نظم" میں کمان سنبھالنے کے بعد جب میں آسیہ تک اپنے جذبات پہنچاتا تو نجانے وہ کیا سوچتی.....

اللہ تعالیٰ نے جب یہ مسئلہ خود ہی حل کر دیا تو میں نے جان لیا کہ یہ قدرت کا اپنا فیصلہ ہے۔ اب اس فیصلے سے والدین کو آگاہ کرنا ضروری تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو بھی خدانخواستہ کوئی غلط بات نہیں تھی۔ لیکن میں نے سوچا گھر میں سب سے بڑا بیٹا ہونے کے ناطے میرا فرض ہے کہ میں والدین کی اجازت حاصل کروں۔

ہم صرف تین بھائی ہیں۔ دو مجھ سے چھوٹے اور میں سب سے بڑا۔ میرے گھر والوں نے اب مجھ سے وابستہ توقعات ختم کر لی تھیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس راستے پر میں چل نکلا ہوں، وہاں سے واپسی اب ممکن نہیں اور یوں بھی اب میں ان کے کسی کام کا نہیں رہا۔

دونوں چھوٹے بھائی بڑے سمجھدار تھے۔ میں نے انہیں کچھ بتایا نہیں تھا کہ میں کیا کرتا ہوں یا کیا کرنے والا ہوں، انہیں صرف اتنا ہی علم تھا کہ تبلیغی جماعت سے وابستہ ہونے کی وجہ سے میں اکثر سفر میں رہتا ہوں یوں بھی اب میں نے اپنی داڑھی خاصی بڑھالی تھی۔ البتہ ایک احتیاط ضرور کی تھی کہ جب کبھی میں سری نگر سے دہلی آتا تو کپڑے مقامی ہی پہنتا۔ میں اپنی کسی حرکت سے خود کو مشتبہ نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ ہم دہلی کے جس علاقے میں رہتے تھے، مسلمانوں کی اکثریت یہاں آباد تھی اور بھارتی انٹیلی جنس یہاں خاصی متحرک رہتی تھی۔

صبح نماز کے بعد جب ہمارے لئے ناشتہ تو آسیہ موجود نہیں تھی۔ اسے شاید اطلاع مل گئی تھی کہ مجاہدین نے کیا فیصلہ کیا ہے..... یوں دکھائی دیتا تھا جیسے کمانڈر کامران کو اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں ہونے والے حالات وواقعات کی جھلک دکھادی ہو کیونکہ انہوں نے بہت سے فیصلے ایک ساتھ کر لئے تھے۔

ناشتے کے بعد حاجی بابا اور کچھ مقامی مجاہدین آ گئے جن کے سامنے کمانڈر کامران نے میرے اور آسیہ سے متعلق فیصلے کا اعلان کیا۔ تمام مجاہد بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔

مجاہدین کی اسی محفل میں کمانڈر کامران نے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کر دیا کہ اگر میں کوئی مجبوری محسوس نہ کروں تو اگلے روز جمعہ کی شام کو آسیہ اور میرا نکاح کروانا چاہتے ہیں.....

تمام مجاہدین نے اس فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کی تو میں کیا کہہ سکتا تھا۔ میں نے بھی ہاں کہہ دی کیونکہ میرے دل نے گواہی دی تھی کہ اس آسمانی فیصلے کو انشاء اللہ میرے گھر والے بھی قبول کر لیں گے اور میں والدین کی دعائیں بھی حاصل کر لوں گا۔

تب مجھے علم نہیں تھا کہ کمانڈر کامران کو اتنی جلدی کس بات کی ہے..... جمعہ کے روز جب مجاہدین کی معیت میں میرا اور آسیہ کا نکاح ہوا تو وہ بے حد خوش دکھائی دے رہے تھے۔

اگلے روز وہ "بیس کیمپ" کی طرف عازم سفر تھے۔ تیسرے دن جب وہ سرحدی علاقے میں پہنچ چکے تھے تو دشمن کے گھیرے میں آ گئے۔ کمانڈر کامران اور ان کے ساتھ جانے والے دونوں مجاہدوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ مقابلہ شام سات بجے سے صبح پانچ بجے تک چلتا رہا اور صبح دس بجے کے بعد بھارتی فوجیوں کو ان کے جسد خاکی دیکھنے کی ہمت ہوئی۔ حالانکہ تینوں مجاہدین صبح آٹھ بجے تک شہید ہو چکے تھے۔

ان کی شہادت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی۔ کپواڑہ سے سری نگر تک مجاہدین نے اس سانحے کو شدت سے محسوس کیا۔ ہمارے "نظم" میں انہیں ڈویژنل کمانڈر ہوتے ہوئے بھی مرکزی قیادت جیسی اہمیت حاصل تھی۔ ان کی شہادت سے ہمارے دل ٹوٹ گئے۔

آسیہ اور میں ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تھے جب حاجی بابا ہمارے پاس یہ خبر لے کر آئے۔ ہمارے لئے آنسوؤں پر قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ آسیہ تو سسکیاں لے کر روتی ہوئی حاجی بابا سے لپٹ گئی۔

حاجی بابا نے ہمیں قرآنی آیات سنا کر صبر کی تلقین کی اور بتایا کہ مجاہدین کے ہمدرد سیاسی لوگ اگلے چوبیس گھنٹوں میں ان کی لاشیں حاصل کر لیں گے۔ اس کے ساتھ ہی مرکزی قیادت کی طرف سے ہم دونوں کو سختی سے ہدایت کی گئی کہ ہم کمانڈر کامران کے جنازے میں شرکت نہیں کریں گے.....

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہمارے ''الفتح'' کے کسی مقامی یا ڈویژنل کمانڈر کو جنازے میں شرکت کی اجازت نہیں تھی کیونکہ ہم سب یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ اس جنازے میں جہاں ہزاروں کی تعداد میں کشمیری مسلمان شامل ہوں گے، وہاں سینکڑوں کی تعداد میں بھارتی انٹیلی جنس کے لوگ اور مخبر بھی موجود ہوں گے۔ کم از کم آسیہ کو گرفتار کرنے کے لئے وہ ضرور جان کی بازی لگا دیں گے۔

ہمارے لئے اس حکم کی تعمیل گو کہ ممکن نہیں تھی لیکن اطاعت امیر سے بندھے ہونے کے سبب ہم دونوں نے دل پر پتھر رکھ کر فیصلے کو قبول کر لیا اور تین روز تک گھر ہی میں بند رہ کر اپنے عظیم مجاہد ساتھی کا سوگ مناتے رہے۔

آسیہ کی حالت تو مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تھی..... اس کا اس دنیا میں سب سے قریبی خون کا رشتہ کمانڈر کامران ہی سے تھا جو اب دنیا میں موجود نہیں رہے تھے۔ ہمارے ''الفتح'' کی طرف سے ان کے جنازے پر یہ اعلان کر دیا گیا کہ ہم کمانڈر کامران کی شہادت کا حساب اگلے تین روز میں انشاء اللہ چکا کر ان کی روح کو سرشار اور اپنے کلیجوں کو ٹھنڈا کریں گے۔

نماز جنازہ کے تھوڑی دیر بعد ہی ہمارے ایک ہائیڈ آؤٹ پر ہماری تنظیمی قیادت اکٹھی ہو گئی جہاں ''آپریشن کامران'' طے پا گیا۔ ہم دونوں کو اس میں شامل نہیں کیا گیا لیکن ڈویژنل کمانڈر کی حیثیت سے مجھے منصوبہ بندی سے آگاہ کر کے میری اجازت ضرور طلب کی گئی۔

میں نے تنظیم کی مرکزی قیادت سے کہہ دیا کہ میں ان کے اس حکم کی شاید تعمیل نہ کر سکوں کیونکہ یہ میرے ضمیر اور ایمان کے خلاف تھا کہ میں اس اہم آپریشن کے دوران گھر میں چھپا رہوں۔

بڑی ردوقد کے بعد بالآخر مجھے اس شرط پر اجازت ملی کہ آسیہ گھر میں پابند رہے گی اور میں آپریشن کے خاتمے پر آسیہ کے ساتھ کچھ عرصہ کے لئے دہلی چلا جاؤں گا۔ میں نے یہ حکم تسلیم کر لیا۔

❁❁❁

مجھے تنظیم کی طرف سے بانڈی پورہ کا محاذ سونپا گیا جہاں ہم اگلے ہی روز اپنے ہائیڈ آؤٹ پر پہنچ گئے۔ مجاہدین ہمارے منتظر تھے۔ کمانڈر کامران کی شہادت نے ان کے دلوں میں جو آگ لگائی تھی، وہ بھارتی درندوں کے خون سے ہی ٹھنڈی ہو سکتی تھی۔ ہم نے پہلی کارروائی کے لئے جس بھارتی فوجی کیمپ کا انتخاب کیا، اس کیمپ کا نام وٹلب تھا جو بانڈی پورہ کے مضافات میں ہے۔ پنجاب اور گورکھا رجمنٹ کی کئی اہم کمپنیاں یہاں متعین تھیں اور ایک محتاط اندازے کے مطابق پانچ ہزار کے لگ بھگ فوجی یہاں مقیم تھے۔ انہوں نے گردونواح کے علاقوں میں خاصا اودھم مچا رکھا تھا۔ شہری آبادی پر مظالم کے علاوہ مجاہدین کے لئے بھی اس کیمپ کا وجود ایک مستقل مصیبت بنا ہوا تھا۔ بھارتی فوجیوں کے حوصلے اس لئے بھی بڑھے ہوئے تھے کہ اس کیمپ پر گزشتہ دو برس سے مجاہدین کوئی حملہ نہیں کر سکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کیمپ قدرے گہرے محفوظ مقام پر تھا۔

شمال، جنوب اور مشرق کی طرف جھیل کا پانی تھا۔ اس لئے اس پر حملہ کرنا اسی صورت میں ممکن تھا کہ مغربی جانب واقع ٹیلوں سے ہوتے ہوئے بالکل سر پر جا کر میزائل یا راکٹ فائر کئے جائیں، مگر اس صورت میں حملہ آوروں کا پورے کیمپ کی فائرنگ کی زد میں آنا یقینی تھا۔ حملے کے بعد فرار کی کوئی موزوں راہ نہ تھی نہ ہی کوئی ایسی پناہ گاہ تھی جہاں ایکشن کرنے سے پہلے چھپا جاتا۔ ہم نے اسی لئے چیلنج قبول کیا اور اسے اپنے کمانڈر کے حضور خراج عقیدت کا بہترین طریقہ جانا۔

میرے ہمراہ بارہ ساتھی تھے۔ شام کے وقت کا انتخاب کرنے سے پہلے میں نے اچھی طرح سوچ لیا تھا کہ اس حملے میں کیا خطرات ہو سکتے ہیں۔ جان کا خطرہ تو ہر وقت رہتا ہے اور اس کی پرواہ ہمیں کم ہوتی ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو دو گروپوں ''حملہ آور'' اور ''دفاعی'' (کورنگ پارٹی) میں تقسیم کیا۔ کورنگ پارٹی میں عاقب بھائی بھی تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ کیمپ پر حملے کے جواب میں حفاظتی

WAQAR@URDUPARKS

مورچوں سے ہونے والی فائرنگ کے توڑ کے لئے جوابی فائرنگ کریں اور اس کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھیں، جب تک ہم منصوبے کے مطابق اپنی کارروائی مکمل کر کے نکلنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔

مغرب کی طرف سے جس پہاڑی سے ہم کیمپ پر حملے کے لئے اترے، اس کی بلندی سطح سمندر سے ساڑھے چھ ہزار فٹ کے لگ بھگ ہوگی، یعنی وادی کی بلندی سے چند ہی سو فٹ زیادہ۔ اس دن کیمپ میں گھنٹیاں بجائی جا رہی تھیں۔ شاید فوجی کسی قسم کے مذہبی تہوار کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ فوجی کسی ایک بیرک میں جمع ہیں۔ بہت سوچ بچار کے بعد اور دوربین سے مسلسل مشاہدہ کرنے کے بعد میں نے اس بیرک کا بھی تعین کر لیا جس میں یہ اجتماع ہو رہا تھا..... چنانچہ ہم نے اپنا میزائل اسی بیرک پر فٹ کیا تھا۔ سب ساتھی ایکشن کے لئے تیار تھے۔

میں نے میزائل چلانے والے ساتھی کو اشارہ کیا۔ ایک ثانیے کے بعد میزائل ٹھیک اپنے ہدف پر گر چکا تھا۔ گرد و غبار اور چیخ و پکار کی آوازوں سے ہمیں یقین ہو گیا کہ ہمارا ایکشن کامیاب ہو گیا ہے۔ اب میں نے طے شدہ حکمت عملی کے تحت تین گرنیڈ فائر کئے۔ ایک گرنیڈ تو مس ہو گیا، دو ہدف پر گر کر پورے زور سے پھٹے۔ کیمپ میں تباہی مچ گئی، کیمپ سے کچھ اوپر واقع حفاظتی مورچے سے ہم پر جوابی فائرنگ اور گولہ باری شروع ہو گئی۔ وہ میزائل لانچ کرنے کے مقام سے آگاہ ہو چکے تھے۔ اس لئے ان کے بھرپور برسٹ ہمارے قدموں میں آ کر گرے۔

دوسری جانب سے ایک گشتی فوجی پارٹی نے بھی صورت حال کا ادراک کر کے فائرنگ شروع کر دی تھی، لیکن ان کی فائرنگ زیادہ تر دفاعی نوعیت کی تھی۔ یعنی وہ محض ہمیں یہ باور کرانے کے لئے گولیاں چلا رہے تھے کہ وہ بھی ''موجود'' ہیں اور کوئی ان کی طرف جانے کی کوشش نہ کرے، تاہم دشمن کے مورچوں اور کیمپ کے اندر سے ہونے والا جوابی حملہ بھرپور تھا۔ کچھ ہی دیر بعد انہوں نے مارٹر گن سے گولہ باری بھی شروع کر دی اور فضا میں روشنی کے گولے پھینک کر پورے علاقے کو دن کی طرح روشن کر دیا۔

دشمن کے جوابی حملے کے ساتھ ہی ہماری کورنگ پارٹی نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ان کی فائرنگ سے ہم پر دباؤ کم ہوا تو ہم نے ''پس قدمی'' کا آغاز کیا۔ میرے ساتھی کے پاؤں میں موچ آ گ تھی۔ لہذا میں نے انہیں آگے رکھ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کیا۔ واپسی کے سفر میں ہمیں روشنی اور گولیوں کی بوچھاڑ کے علاوہ خاردار تاروں سے بھی سخت مزاحمت کرنی پڑی۔ ہر پانچ فٹ کے فاصلے پر تاروں کی ایک باڑ سامنے آ جاتی تھی۔ ہمارے پاس تار کاٹنے کو کچھ نہ تھا، لہذا ہماری رفتار بے حد سست

تھی۔ ادھر سے گولیوں کی بارش بھی مسلسل ہو رہی تھی۔ ہم آہستہ آہستہ چلتے رہے۔ کہیں تو گولیوں سے بچنے کے لئے ہمیں رینگنا بھی پڑتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت شامل حال رہی۔ مجھے یا میرے کسی ساتھی کو کسی گولی سے زخم نہیں آیا۔ بس راستے کے پتھر اور خاردار تاریں کچھ نہ کچھ ''میزبانی'' ضرور کرتی رہیں۔ پروگرام کے مطابق ہمیں اپنی کورنگ پارٹی سے جا کر ملنا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے کی مسلسل جدوجہد کے بعد ہم پانچ سو میٹر کا فاصلہ طے کر کے اپنی کورنگ پارٹی سے جا ملے۔ پہلے ہی حملے کے متوقع نتائج نے ہمارے حوصلے دو چند کر دیئے۔

ہم کیمپ سے دور ہو گئے تھے، مگر ابھی خطرہ ٹلا نہیں تھا، لیکن جس طرح اللہ کے فضل سے ابھی تک ہم خیریت سے تھے اور دشمن کی طرف سے چلائی گئی ہزاروں گولیوں سے محفوظ رہے تھے، اس سے امید ہو گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ہمیں اپنی امان میں رکھے گا۔ کچھ دیر بعد ہم نے اوپر ٹیلے سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ اب وٹلب کیمپ کی طرف سے آنے والی گولیاں اور گولے آسمان پر روشنیاں تو بکھیر رہے تھے، لیکن ہم ان سے محفوظ ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا شکر ادا کر کے میں نے وائرلیس سیٹ آن کیا۔ اپنے مرکزی چینل سے رابطہ کیا۔ انہیں اپنی کارروائی کی اطلاع دی اور پھر ان سے کہا، دشمن کے چینل سن کر بتائیں کہ جانی نقصان کس قدر ہوا ہے۔ تھوڑی دیر کے اندر اندر ہماری کمان کی جانب سے سگنل آنے لگے۔ وہ سب ہمیں مبارکباد پیش کر رہے تھے۔ یہ کیمپ پر پہلا مگر بھرپور حملہ تھا۔ دریں اثناء مجھے اپنے سیٹ پر دشمن کا چینل سننے کا موقع مل گیا۔ وٹلب کیمپ والے چیخ چیخ کر دوسرے کیمپوں سے کمک مانگ رہے تھے۔

اب ہمارے دل فخر و مسرت اور تشکر کے جذبات سے سرشار تھے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے ہم محفوظ علاقوں کی طرف رواں دواں تھے۔ دو بستیاں عبور کر لیں..... تیسرے گاؤں میں کچھ دیر کے لئے رکے..... لیکن دل نے کہا یہاں ٹھہرنا بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔ عین ممکن ہے صبح دشمن کے فوجی زخمی سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے ان بستیوں میں پھیل جائیں..... لہذا فیصلہ کیا گیا کہ راتوں رات چلتے ہوئے لولاب پہنچیں گے۔

علی الصبح جب قدم تھکاوٹ سے اٹھائے بھی نہ جا رہے تھے، ہم ایک تنگ گھاٹی سے وادی لولاب میں اتر رہے تھے۔ ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز فجر ادا کی تو سب تازہ دم ہو گئے۔ تاہم اب بھوک کا مداوا ضروری تھا۔ ناشتے کے لئے ساتھیوں کو دو گروپوں میں بانٹا گیا۔ پہلے ایک گروپ نے بستی میں جا کر اپنے مجاہد صفت عوام کی میزبانی کا لطف لیا۔ بعد میں دوسرے گئے۔ میں دوسرے گروپ میں شامل

WAQAR@UPDATES

تھا۔ ہمارے میزبانوں کی خواہش تھی کہ ہم جی بھر کر کھائیں۔ بھوک مٹانے کے بعد میں واپس جنگل میں آ گیا۔

❁❁

وٹلب کی طرح کولگام کا کیمپ بھی مقامی آبادی اور مجاہدین کے لئے دردسر بنا ہوا تھا۔ یہ کیمپ وادی لولاب کے حریت پسند عوام کو ان کی آزادی کی سزا دینے کے لئے قائم کیا گیا تھا، اب ہماری کمان نے ہمیں اس کیمپ کو ہدف بنانے کا مشن سونپا۔ ضلعی کمان نے مجھے اس سلسلے میں ضروری ہدایات دیں اور بتایا کہ دشمن بہت چالاک اور خطرناک ہے۔ وہ کئی مقامات پر گھات لگا کر مجاہدین کو نقصان پہنچا چکا ہے۔ بہت سے مجاہدین کو وہ شہید کر چکا ہے۔ اس کیمپ میں فوج کے علاوہ بارڈر سکیورٹی فورس (BSF) کی بھی خاصی تعداد موجود تھی۔ کیمپ کے اندر فوج کی بیرکیں الگ تھیں اور بی ایس ایف علیحدہ رہتی تھی۔ مجھے یہ ٹاسک سونپنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ میں یہاں کے چپے چپے سے واقف ہو گیا تھا۔ ضروری ہتھیار، گولہ بارود اٹھا لیا گیا۔ اس دوران مجھے کولگام کیمپ کو چاروں طرف سے اچھی طرح دیکھنے اور اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ کیمپ کے مغرب میں مدھم پورہ نامی گاؤں ہے۔ کارروائی کے لئے ہمیں اس بستی سے ہو کر جانا تھا۔ کیمپ کے اوپر شمال کی جانب بہت بڑا اور گھنا جنگل ہے اور مشرق میں پانی کا ایک نالہ بہتا ہے۔ حملے سے پہلے ہمیں حملے، پسپائی اور پناہ لینے کے مقامات کا اچھی طرح چناؤ کرنا تھا۔ یہ بھی جاننا تھا کہ کیمپ کی نگرانی کرنے والے محافظ کہاں بیٹھے ہیں اور کس مقام پر گشت کرتے ہیں۔ گشت کرنے والی پارٹی جن جن جگہوں پر گھات لگا کر بیٹھی تھی، ہم نے وہ بھی اچھی طرح دیکھ لیں۔ اس کے بعد میں نے اپنے مختصر سے گروپ کو تین پارٹیوں میں تقسیم کیا۔ عام روایت کے برعکس اور حالات کے مطابق ایک ایکشن پارٹی اور دو کورنگ پارٹیاں بنائیں۔ طے کیا گیا کہ ایک پارٹی حملے کے مقام سے ہمیں نکالنے کے لئے کور فائر دے گی اور دوسری گاؤں کے راستے میں بیٹھے گی، تاکہ واپسی کے سفر میں خطرے کی صورت میں ہمیں بحفاظت نکال سکے اور باہر سے کوئی کمک اندر نہ آنے دے۔ تمام ساتھیوں کو ان کی ڈیوٹیاں سونپ کر اور واپسی کے سفر میں ملاقات کے مقام کا تعین کر کے میں اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔

ایکشن سے پہلے کے سب انتظامات مکمل ہونے کے بعد بھی ایک کام باقی تھا۔ مجھے تنہا کیمپ کے قریب ترین مقام پر پہنچ کر یہ معلوم کرنا تھا کہ دشمن کا اجتماع کس مقام پر ہے۔ یعنی ہم ہدف کس جگہ کو بنائیں۔ میں نے اندھیرا ہونے کا انتظار کیا۔ سردی کی راتیں جلدی شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر بھی میں

سات بجے کے قریب قریبی بستی کے چکر لگاتا رہا۔ اس کے بعد ایک گھر سے کمبل لیا اور ایک جگہ سے خشک گھاس کے چند چھوٹے گٹھے اٹھائے۔ گن کو فیرن میں چھپا لیا اور گھاس کا بوجھ سر پر اٹھا کر کیمپ کی جانب چل دیا۔ کیمپ سے ایک سو گز کے فاصلے پر پہنچ کر مجھے اندازہ ہوا کہ اس سے آگے جانا ناممکن ہے۔ یہاں تک تو میں گاؤں کے گھاس اٹھاتے ہوئے ایک مقامی گوالے کا بہروپ بنائے ہوئے تھا، لیکن اس سے آگے اس حالت میں جانا بھی خطرناک تھا، وہ مجھ سے پوچھ سکتے تھے کہ میں گھاس لے کر کیمپ میں کیا لینے جا رہا ہوں۔ لہٰذا گھاس اتار کر میں ٹہلتا ہوا کیمپ کی خاردار دیوار کے قریب چلا گیا اور پھر ایک جگہ کمبل میں جسم کا اکثر حصہ چھپائے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا۔ میرے بالکل سامنے کچھ فوجی قطار میں بنی ہوئی لیٹرینوں کی جانب آ رہے تھے، کچھ واپس جا رہے تھے۔ انہوں نے بھی مجھے دیکھا لیکن بے ضرر سا دیہاتی جان کر نظر انداز کر دیا۔ میں نے ان کی بے خبری کا فائدہ اٹھایا اور پورے کیمپ کا طائرانہ جائزہ لینے لگا۔ پھر اپنے ٹھکانے پر واپس لوٹ آیا، جہاں ہم نے اللہ کے حضور گڑگڑا کر کامیابی کی دعا مانگی، اپنے دو مجاہد ساتھیوں کی ڈیوٹی میزائل پر لگا کر میں نے حسب معمول گرنیڈ تھرور سنبھالا۔ سیٹ پر باقی ساتھیوں کو بھی بتا دیا کہ وہ تیار رہیں..... ایکشن کسی بھی لمحے شروع ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد ہمیں قریب ہی سے گزرنے والی اس مسافر بس کا انتظار تھا جو تقریباً ساڑھے سات بجے (عشاء کے وقت) وہاں سے گزرتی تھی۔ اس لئے کہ اس سے پہلے کارروائی شروع کرنے کی صورت میں بس کے مسافروں کو نقصان کا احتمال تھا۔ اللہ نے بس کو بروقت گزار دیا۔ اس کی روشنی میں ہمیں کیمپ کا منظر مزید دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد میں نے شب بین آلے (Night Vision Device) اور دوربین کی مدد سے میزائل کو ٹارگٹ پر فٹ کیا اور احمد بھائی سے کہا کہ وہ میرے اشارے کے ساتھ ہی "پنچ" دے دیں۔ یہاں میں یہ بتاتا چلوں کہ میزائل لانچر کو لوڈ کرنے کے بعد پنچ دینے کا مطلب دو تاروں کے سروں کو ملا کر فائر کرنا ہوتا ہے۔ یہاں ہم نے ایک نیا تجربہ کیا تھا۔ میزائل کے خالی حصے میں ایک لیٹر پٹرول بھی ڈالا تھا تاکہ ہدف پر گرنے کے بعد آگ بھڑکے، زیادہ تباہی ہو اور ہم اس کی روشنی میں اپنی کارکردگی کا جائزہ بھی لے سکیں۔

کیمپ سے باہر جانے کے راستے پر ہم نے اپنی پیکا گن فٹ کر رکھی تھی کہ اگر کیمپ سے کچھ فوجی جان بچا کر باہر مورچوں کی جانب بھاگیں تو ان کی خبر لی جا سکے۔ کچھ اور نیچے میں خود گرنیڈ گن کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہم نالے کے بالکل سامنے بیٹھے تھے۔ پانی بہنے کی آواز سناٹے میں صاف سنائی دے رہی تھی اور احمد بھائی صرف دس گز کے فاصلے پر بیٹھے میرے اشارے کے منتظر تھے۔ ادھر میں نے "اللہ اکبر" کہا

WWW.AFGHANURDUBOOKS.COM

ادھر احمد بھائی نے میزائل داغ دیا۔

میزائل سیدھا فوجی بیرک کی دیوار پر جا کے لگا اور دھماکے کے ساتھ بیرک گر پڑی اور اس کے اندر اور باہر آگ بھڑک اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے کانوں نے چیخوں کا شور سنا۔ کچھ زخمی رو رہے تھے اور چند ایک بدحواس ہو کر گالیاں بک رہے تھے.....

کیمپ کے اندر ہماری کارروائی اتنی تھی، لیکن اصل تماشا کیمپ کے باہر ہونا تھا۔ اگر ہمارا اندازہ درست تھا تو کیمپ میں زندہ بچ جانے والے فوجیوں کو باہر کی جانب بھاگنا تھا۔ اب ہمیں کیمپ سے نکل بھاگنے والے اسی "شکار" کا انتظار تھا۔ کچھ ہی دیر بعد فوجی کیمپ کے بڑے گیٹ سے نکلے اور تیزی سے جنوب کی سمت بھاگنے لگے۔ لیکن جنوب میں متعین ہماری کورنگ پارٹی کی پکا گن اور کلاشنکوفوں نے ان کا پروگرام ناکام بنا دیا تو وہ خوف زدہ ہو کر ہماری جانب یعنی کیمپ کے مغرب کی طرف آئے۔

ان کی کوشش تھی کہ ہمارے سامنے نالے میں اتر کر مغرب کی جانب نکل جائیں۔ میں نے ان کی بے بسی کا لطف لیتے ہوئے ایک گرنیڈ ان پر پھینکا، وہ چیختے ہوئے پیچھے مڑ گئے۔ آگے بھی موت موجود تھی۔ وہ کیمپ کے اطراف میں بدحواس ہو کر بھاگنے لگے۔ لیکن کوئی جگہ محفوظ نہ تھی۔ اب وہ یا تو گولیوں کا نشانہ بن کر تڑپ رہے تھے یا زمین پر لیٹ کر چوہوں کی طرح رینگ رہے تھے۔

ہم خاصی دیر سے خاموش بیٹھے اپنے سیٹ پر دشمن کی باتیں اور بدحواسیاں سن رہے تھے۔ وہ دور دراز سے فوجیوں کو اپنی مدد کے لئے پکار رہے تھے..... "ہم پر ہزاروں اگر وادیوں نے حملہ کر دیا ہے۔ ہماری مدد کے لئے پہنچو....." ہمیں ان کی بات سن کر ہنسی آ رہی تھی، لیکن ہمارے لئے خاموش رہنا اس لئے ضروری تھا کہ ہم ابھی تک اپنے شکار سے نبرد آزما تھے اور ان کے درمیان تھے۔ کچھ دیر بعد میں نے وائرلیس پر دوسری پارٹیوں کو واپسی اور مقررہ مقام پر پہنچنے کی ہدایت دے دی۔ خود مجھے اب اس طرح واپسی کی راہ اختیار کرنی تھی کہ اگر میرے ساتھی کہیں پھنس جائیں تو انہیں کور دے سکوں۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم سب نے مشرق کی سمت چلنا شروع کر دیا۔ دشمن دیوانہ وار گولیاں چلا رہا تھا جو چنگاریوں کی طرح فضا میں لہراتی ہوئی کچھ دور جا کر خاموش ہو جاتیں۔

رات نو بجے کے قریب ہم سب یکجا ہو چکے تھے۔ اللہ نے ایک بار پھر ہمیں مکمل طور پر صحیح سالم رکھا تھا۔ اس پورے معرکے پر ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوا تھا اور اب ہم جنگل میں ایک محفوظ ٹھکانے پر پہنچ چکے تھے۔ ساتھی بہت خوش تھے اور واپس چلتے ہوئے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، اور ہم کسی قریبی گاؤں میں جا کر کھانا کھانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے، اس لئے وہ رات

شدید سردی کے عالم میں بھوکے پیاسے جاگتے ہوئے جنگل میں گزار دی۔

علی الصبح "اللہ اکبر" کی صداؤں نے ہمیں اس حال میں جگایا کہ سب بیٹھے بیٹھے سو رہے تھے۔ نماز کے لئے وضو کا انتظام نہ تھا۔ لہٰذا بہت نیچے نالے میں جا کر وضو کیا اور اللہ کے حضور سربسجود ہو گئے۔ اس کا شکر واجب تھا کہ جو قدم قدم پر اپنے ان دیکھے لشکروں کے ساتھ ہمارے ہمراہ تھا۔ نماز ادا کرنے کے بعد واپس جنگل میں پہنچے۔ یہاں ہم نے وائرلیس پر اپنے اور دشمن کے ذرائع سے اپنی کارروائی کے اثرات و نتائج جاننے کی کوشش کی، خاصی دیر تک تو خاموشی رہی۔ اس کے بعد پہلے تو دشمن کے ذرائع سے کیمپ میں پھیلی ہوئی تباہی کی اطلاع ملی..... دشمن کے وائرلیس آپریٹر اطلاعات بھیج اور وصول کر رہے تھے۔ ہمارا مرکزی چینل کل شام سے ہی ہماری کارروائی کو مانیٹر کر رہا تھا..... انہوں نے بتایا کہ دشمن کے ستائیس افراد مارے گئے ہیں اور چونکہ بیرک گر گئی ہے اس لئے تیرہ افراد اس کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ اس خبر کو سن کر ہم نے جشن مسرت منایا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد ہمارا واحد مسئلہ تھا کھانا..... لیکن اس کا دور دور تک سراغ نہ تھا۔

دو بجے دوپہر تک ہم نے اسی حالت میں سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ ڈسٹرکٹ کمانڈر سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ہمیں شاباش اور مبارکباد بھی دی اور کھانا بھی کھلایا۔

اس نوعیت کی کارروائیاں باقی مجاہد ساتھیوں نے مل کر مقبوضہ کشمیر کے دوسرے حصوں میں کی تھیں۔ تین دن میں ہم نے کمانڈر کامران کی شہادت کا خاصا قرض چکا دیا۔ دشمن کے درجنوں فوجی مارے گئے اور سینکڑوں زخمی ہو چکے تھے کیونکہ اس آپریشن میں دوسری مجاہد تنظیمیں بھی ہمارے ساتھ شامل تھیں۔ لہٰذا نتائج توقع سے بڑھ کر شاندار حاصل ہوئے۔

بھارتی فوج کی بوکھلاہٹ کا یہ عالم تھا کہ اب انہوں نے معمول کا گشت بھی پیدل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اے پی سی (آرمڈ پرسنل کیریئر) کے بغیر گشت کے لئے باہر نہیں نکلتے تھے۔

❁❁

آسیہ کو تمام کامیابیوں کی خبریں مل رہی تھیں۔ میں واپس پہنچا تو اس نے میرا والہانہ استقبال کیا۔ حاجی بابا کے چہرے پر جو زندگی میں نے اس روز دیکھی وہ پھر کبھی دکھائی نہیں دی۔ دختران ملت کی بہنیں ہمیں ملنے آئیں اور مرکزی قیادت کے حکم پر اس روز ہمیں دہلی جانے کے لئے تیار رہنے کا حکم مل گیا۔

مقامی مجاہدین نے اپنے ہمدردوں کی مدد سے ہمارے لئے جہاز کے دو ٹکٹ جعلی ناموں سے حاصل کر لئے تھے۔ ہم نے بھارتی مسلمانوں کا روپ اختیار کیا ہوا تھا اور تاثر یہ دے رہے تھے جیسے

شادی کے فوراً بعد اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے لئے سری نگر آئے تھے اب واپس جا رہے ہیں۔

آسیہ نے بھارتی مذہبی گھرانوں کی مسلمان خواتین کی طرح کالے رنگ کا برقع اوڑھ رکھا تھا۔ کسی نے اسے چیک کرنے کی ہمت نہ کی۔ میرا حلیہ بھی خاصا تبدیل ہو چکا تھا۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہم بخیر و عافیت اگلے روز شام کی فلائٹ سے دہلی پہنچ گئے۔

❁❁

ہوائی اڈے پر زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود تھی۔ میں نے ایئرپورٹ سے ٹیکسی کی اور ہم اپنے گھر کی طرف چل دیئے۔ گھر پہنچا تو والدین اور بھائی گھر پر ہی موجود تھے، میرے ساتھ ایک خوبصورت اور نوجوان دوشیزہ کو دیکھ کر سب حیران ہو رہے تھے۔ آسیہ نے اپنا برقع اتار کر سب کو سلام کیا تو میں نے ایک بات واضح طور پر محسوس کی کہ اللہ کے فضل سے میرے گھر والوں نے اسے قبول کر لیا ہے۔

"صاحبزادے اب مہمان کا تعارف بھی کرواہی دو....."

والد صاحب نے کہا۔

"ابا حضور! آپ سے معذرت کے بعد عرض کر رہا ہوں کہ یہ آپ کی بہو آسیہ ہے۔ ہماری شادی ایسے حالات میں ہوئی کہ آپ کو بروقت اعتماد میں نہ لے سکا۔ اس پر شرمندہ ہوں۔ تفصیل پھر کبھی عرض کروں گا۔"

میں نے مختصراً کہا۔

"اے لو..... میاں اس میں معذرت کس بات کی۔ ارے! اللہ نے ایسی چاندسی دلہن گھر بیٹھے دے دی..... اور کیا لینا ہے ہمیں....."

والدہ صاحبہ نے آسیہ کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

"مولانا! بڑے سیانے نکلے بھئی....."

چھوٹے بھائی امجد نے جو مجھے دوستوں کی طرح عزیز تھا، کہا۔

"حضرت یہی تو فائدہ ہے اس راستے پر چلنے کا..... دین بھی مل گیا اور دنیا بھی....."

والد صاحب نے کہا تو میرا دل بلیوں اچھلا۔

"بھابی کو دیکھ کر تو اب میرا دل بھی ایک چلا کاٹنے کو چاہتا ہے....."

امجد نے دوبارہ کہا اور سب ہنس دیئے۔

میں اپنے والدین کی طبیعت جانتا تھا۔ وہ کبھی بھی اپنی اولاد کو ناراض نہیں کر سکتے تھے۔ گو کہ میرے والد ایک کاروباری آدمی تھے اور دین سے ان کا رشتہ روزے نماز کی حد تک ہی تھا، لیکن انہوں نے کبھی میرے "تبلیغی" ہونے پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے بیٹوں پر کوئی ناجائز قدغن لگانے کے قائل ہی نہیں تھے۔

رشتہ داروں میں یہ بات پھیل گئی کہ اسد علوی چاندسی دلہن لے کر آیا ہے۔ میں نے ان سب کو مطمئن کرنے کے لئے یہی کہا کہ آسیہ ہمارے امیر جماعت کی صاحبزادی ہیں، جن کی وفات ہو چکی ہے، ان کی خواہش پر میں نے یہ رشتہ کیا ہے۔

والدین نے اپنے دل کے ارمان نکالنے کے لئے ولیمہ کی بھرپور ضیافت کر ڈالی اور مطمئن ہو گئے..... دو چار روز رشتہ داروں کے ہاں "نو بیاہتا جوڑے" نے دعوتیں بھی اڑا لیں۔ میں نے والد صاحب کو بتایا تھا کہ ہمارے امیر صاحب نے ہمیں لکھنو میں رہنے کے لئے گھر بھی دیا ہے کیونکہ آسیہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور اب ان کی جائیداد کی وارث بھی وہی ہے..... جس جگہ کا ایڈریس میں نے دیا وہ الحمد للہ ہمارے ایک ہمدرد ساتھی تھے اور ان کا گھر ہمارا "سیف ہاؤس"۔

میں نے یہ کور سٹوری (Cover Story) بادل نخواستہ آسیہ کی اجازت سے تیار کی تھی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ کسی جہادی تنظیم سے منسلک ہونے کی خبر سے میرے سارے خاندان پر کیا اثرات مرتب ہوں گے اور آسیہ کا اصلی تعارف کیا قیامت ڈھائے گا؟ آٹھ دس روز تک لوگ ادھر ادھر کی ہانکتے رہے، کسی نے اسے میرا معاشقہ بتایا، کسی نے کہا مولوی نے بڑا شاندار شکار پھانسا ہے۔ کسی نے دین کی آڑ میں دنیا داری کا طعنہ دیا، غرض جتنے منہ اتنی باتیں..... ہمیں اس بات کی خوشی تھی کہ والدین نے جی جان سے ہمیں قبول کر لیا ہے۔

میری والدہ نے آسیہ کے لئے کپڑوں اور زیورات کے ڈھیر لگا دیئے جو اس کے مزاج کے خلاف تھا کیونکہ وہ مجاہدہ تھی اور ایک خاص ماحول میں اس کی پرورش ہوئی تھی لیکن حالات کو وہ مجھ سے بہتر جانتی اور سمجھتی تھی کیونکہ اللہ نے اسے مومنہ کی بصیرت سے نوازا تھا۔

❁❁

اس روز ہم گھر پر موجود تھے۔ دو تین دنوں سے میرٹھ میں آر۔ایس۔ایس کے غنڈوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام اور لوٹ مار کی خبریں آ رہی تھیں۔ گو کہ یہ اب معمول بن چکا تھا لیکن اخبارات اور لوگوں کی زبانی واقعات سن کر یوں لگتا تھا جیسے اس مرتبہ ان لوگوں نے منظم سازش سے میرٹھ

WAQAR@URDUFANS

چاہتے تھے۔ دوسرے تیسرے روز کسی نہ کسی مسلمان نوجوان کو "آئی ایس آئی" کا ایجنٹ ہونے کے الزام میں گرفتار کر کے لے جاتے۔

میرے عم زاد نے بتایا کہ آر۔ایس۔ایس کا مقامی غنڈہ بابورام مسلمانوں کے لئے "یمراج" بنا ہوا ہے۔ مسلمان لڑکیوں کو کالج کے باہر سے اٹھا کر لے جانا اس کا مشغلہ بن چکا ہے۔ ہنگامہ آرائی سے دو روز پہلے اس نے "شوراتری" کے موقع پر اعلان کیا کہ میرٹھ کے مسلمان صنعت کار آئی ایس آئی کے ایجنٹوں کو اپنے ہاں پناہ دیتے ہیں اور مجاہد تنظیموں کی مدد کرتے ہیں، وہ ان کا نام ونشان مٹا دے گا.....

مسلمان خوفزدہ تھے۔ بے چارے کیا کرتے۔ اس روز بابورام نے دو مسلمان لڑکیوں کو کالج کے باہر سے اغوا کیا اور ان کے محلے کے درمیان والے میدان میں انہیں برہنہ کرنے کے بعد ناچنے کا حکم دیا۔ لڑکیاں صدمے سے بے ہوش ہو گئیں۔ جس پر اس نے للکار کر کہا کہ اگر مسلمانوں میں غیرت ہے تو وہ اپنی لڑکیوں کو اس سے چھین لے کر جائیں۔

میرے خالو مرحوم نے اپنے کچھ صنعتکار ساتھیوں کے ساتھ پولیس کی مدد حاصل کرنی چاہی تو انہیں کورا جواب مل گیا۔ مقامی تھانے دار نے جو خالو جان کی بہت عزت کرتا تھا، انہیں اعتماد میں لے کر کہا کہ برائے کرم وہ بچوں سمیت فوراً یہاں سے نکل جائیں کیونکہ ان بدمعاشوں کے ارادے بہت خطرناک ہیں اور انہیں "سی آر پی" (سنٹرل ریزرو فورس) کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے.....

اسی شام دونوں لڑکیوں کی لاشیں مل گئیں۔ انہیں درندگی کی بھینٹ چڑھانے کے بعد قتل کیا گیا تھا۔

اس واقعہ پر کچھ نوجوان مشتعل ہو گئے اور وہ جلوس کی شکل میں جمع ہو رہے تھے جب آر۔ایس۔ایس کے غنڈوں نے بابورام کی سربراہی میں "سی آر پی" کی مدد سے حملہ کر دیا۔ درجنوں مسلمانوں کو مار ڈالا۔ وہ لوگ خالو جان کے گھر میں داخل ہو گئے جہاں صرف خالہ موجود تھیں کیونکہ بچوں کو انہوں نے احتیاطاً ایک سکھ دوست کے گھر میں چھپایا ہوا تھا۔ وحشی درندوں نے خالہ کی آنکھوں کے سامنے ان کے مجازی خدا کو شہید کر دیا اور "جے بجرنگ بلی" کے نعرے لگاتے چلے گئے۔

❁❁

جب میرا عم زاد یہ گھناؤنے واقعات سنا رہا تھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے بدن میں خون کے بجائے چنگاریاں دوڑ رہی ہوں۔ آسیہ کی کیفیت مجھ سے کچھ الگ نہیں تھی۔ ہم نے اسے حوصلہ دیا

اور رات کا کھانا زہر مار کر کے اپنے کمرے میں آ گئے۔ سارے محلے پر سوگواری طاری تھی، کئی نوجوان غصے سے باؤلے ہو رہے تھے، لیکن وہ کیا کر سکتے تھے۔

رات دیر گئے تک ہم جاگتے رہے۔ پھر ابا حضور کے حکم پر اپنے کمرے میں آئے تھے۔

کمرے میں آنے کے بعد بھی ہم خاموش رہے۔ اس خاموشی کے طلسم کو بالآخر آسیہ نے توڑا۔

"یہ ناقابل برداشت ہے....."

اس کی آواز میں قہر تھا.....

"ہاں..... لیکن....."

میں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے تڑپ کر میری بات کاٹ دی۔

"نہیں علوی صاحب..... قصہ زمین بر سر زمین..... متبوضہ کشمیر کی تاریخ میرٹھ میں دہرائی جائے گی۔ ہم بتائیں گے بابورام کو کہ پاکستانی کمانڈو کون ہیں.....؟"

رعد کڑک رہی تھی.....

"ہاں آسیہ..... ایسا ہی ہوگا..... اگر اللہ نے ہمارا انتخاب اس درندے کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے کر لیا ہے تو اس سعادت پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔

❁❁❁

WAQAR@URDUFANS

آسیہ نے یہ فیصلہ کیوں کیا تھا؟ مجھے کبھی اس سوال کا جواب نہیں مل سکا۔ دراصل وہ مسلمانوں کو دنیا کے کسی بھی کونے میں ذلیل ہوتے دیکھنا نہیں چاہتی تھی اور خصوصاً بھارت میں تو یہ بات اس کے قابل برداشت ہی نہیں تھی کہ ایک طرف تو چند ہزار مجاہدین نے جن کے پاس سامان حرب وضرب دشمن کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے، بھارت کی سات لاکھ فوج کو ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر رکھا ہے اور دوسری طرف بھارت میں رہنے والے کروڑوں مسلمان محض اپنی بزدلی کی وجہ سے جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

اس نے اس مہم کی امارت مجھے سونپ دی حالانکہ میں اس کے مقابلے میں قطعی نااہل تھا۔ ہم نے اگلے ہی روز اپنے ذرائع سے مرکزی قیادت کو آگاہ کر کے اس آپریشن کی منظوری لے لی۔ وہ تو نجانے کب سے یہ چاہتے تھے کہ جہاد کے ثمرات صرف مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں تک محدود نہ رہیں۔

آسیہ کو گھر والدین کے پاس چھوڑ کر اگلے روز میں علی الصبح میرٹھ جانے والی بس میں سوار ہو کر میرٹھ پہنچ گیا۔ میں نے آسیہ کی ہدایت پر اپنی داڑھی بالکل ہندو نوجوانوں کی طرح ترشوائی تھی۔ گلے میں "جینو" اور ہاتھ میں لوہے کا کڑا پہننے کے بعد اب میں بالکل ہندو دکھائی دے رہا تھا۔

شام تک کا وقت میں نے یہاں گھوم پھر کر گزارا۔ کشیدگی ختم ہو گئی تھی کیونکہ آر۔ایس۔ایس نے اپنے گھناؤنے مقاصد حاصل کر لئے تھے۔ مسلمانوں کی املاک تباہ کر دی تھیں۔ درجنوں کو مار ڈالا تھا جس کے بعد وہاں بھارت کی سیاسی قیادت پہنچ گئی جس نے حسب سابق ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشتمل امن کمیٹی بنا کر معاملات پر "قابو" پالیا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

مجھے بابو رام کی تلاش تھی جو بالآخر ایک ہوٹل کے باہر دکھائی دیا۔ میں نے دیکھا اس نے پستول گلے میں لٹکا رکھا تھا اور تین چار مشٹنڈوں کے ساتھ بازار میں دندناتا پھر رہا تھا۔ اپنے ذرائع سے میں نے

پتہ لگایا کہ اس نے یہاں میرٹھ کے مضافات میں جعلی موبل آئل تیار کرنے کی ایک فیکٹری بنا رکھی ہے اور عموماً وہ صبح ہونے کے بعد فیکٹری جاتا ہے۔ چونکہ اسے اس بات کا یقین تھا کہ اگلی دو صدیوں تک بھی مسلمان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اس لئے اس نے اپنی حفاظت پر کچھ زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ میں نے سہ پہر سے شام ڈھلے تک اس کے معمولات کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ اس کی حیثیت مقامی غنڈے سے زیادہ کچھ نہیں۔ آر۔ایس۔ایس کی آڑ میں یہاں سے "بھتہ" اکٹھا کرتا تھا۔ کیونکہ میں نے اب تک چار پانچ غنڈوں کو اس کے حوالے رقم کرتے دیکھا تھا۔ شاید یہ ہوٹل جہاں جوا بھی کھیلا جاتا تھا، اس کا تھا کیونکہ وہ ایک میز پر اپنے حواریوں کے ساتھ بیٹھا تھا اور لوگ عموماً اسے آ کر نذرانہ پیش کر رہے تھے۔

شام کے بعد وہ اٹھ کر اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ اس کا گھر بھی قریب ہی موجود تھا اور اس نے یہ فاصلہ پیدل طے کیا تھا۔ بابو رام میرٹھ کے قدیم محلے میں رہتا تھا۔ اس کا گھر بھی پرانے گھروں کی طرح تین چار منزلہ تھا۔ میں نے گھر کے اردگرد بھی اچھی طرح "ریکی" کر لی اور رات یہاں نزدیکی ہوٹل میں بسر کرنے کے بعد صبح پھر اس کے معمولات دیکھے۔ میں ناشتہ کرنے خاصی دیر سے اسی ہوٹل پر گیا جو اس کا اڈہ تھا۔ خاصی دیر بعد اس کی آمد ہوئی اور اس کے ساتھ ہی لوگوں کی بھیڑ اس کے گرد جمع ہونے لگی۔

سہ پہر تک میں نے اسی جگہ کے تین چار چکر لگائے اور واپس دہلی پہنچ گیا۔ اب میں نے اپنی منصوبہ بندی کر لی تھی جس پر آسیہ کی رائے لینی تھی..... گھر والوں کے علم میں یہی تھا کہ میں کسی ضروری کام سے پٹیالہ گیا تھا اب واپس آ گیا ہوں۔

یہاں بدستور سوگواری طاری تھی۔ مجھے دیکھ کر خالہ جان نے پھر رونا شروع کر دیا۔ میں نے انہیں حوصلہ دیا۔ وہ ایک ہی بات تکرار سے کہہ رہی تھیں کہ بیٹا اس نے کہا کہ آئی ایس آئی والوں کو بلاؤ وہ میرے خاوند کو ان سے بچالیں.....

بالآخر مجھے ضبط کا یارانہ رہا اور میں نے کہہ دیا۔ "خالہ اماں! عین ممکن ہے اس کی یہ خواہش پوری ہو جائے۔ اگر واقعی پاکستانی کمانڈو یہاں موجود ہیں تو وہ انشاء اللہ اپنی بہنوں کی بے حرمتی کا بدلہ ضرور لیں گے اور اس کا چیلنج قبول کریں گے....."

"بیٹا! میرا کلیجہ تو اب اسی روز ٹھنڈا ہو گا جب میں اس موذی کو کتے کی موت مرتے دیکھوں گی....." خالہ نے کہا اور میرے گلے لگ گئی۔

آسیہ نے انہیں الگ کر کے حوصلہ دیا اور کہا..... "خالہ جی اللہ بڑا بے نیاز ہے وہ ضرور آپ کا کلیجہ ٹھنڈا کرے گا۔ انشاء اللہ بابو رام جیسے تمام موذی اپنے انجام کو پہنچیں گے....."

WWW.PAKSOCIETY.COM

والد صاحب نے ان لوگوں کا کاروبار میرٹھ سے سمیٹ کر یہاں دہلی ہی میں لانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اب وہ خود دو چار روز بعد یہاں سے میرٹھ جا کر عم زادوں کی مدد سے کاروبار سمیٹنے کے لئے پر تول رہے تھے۔

رات کو اپنے کمرے میں آسیہ کو میں نے ساری رپورٹ پیش کی اور اپنی منصوبہ بندی سے آگاہ کیا۔ اس نے ایک کاغذ پر نقشہ بنانے کے بعد میرے منصوبے میں کچھ تبدیلیاں کیں اور ہم نے اگلے ہی روز سے اللہ کا نام لے کر اپنے مشن کا آغاز کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس رات ہم دونوں کروٹیں بدلتے رہے۔

تہجد کی نماز ادا کرتے ہوئے سسکیاں لے کر اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے رہے۔ ''باری تعالیٰ ہمیں ارزانی کر کہ ہم اپنی دو معصوم بہنوں کے ساتھ ہوئے اس سلوک اور مہا سبھائی غنڈوں کی للکار کا جواب دے سکیں اور اس کے ساتھیوں کو اس بات کا احساس دلا سکیں کہ تیرے بھیجے ہوئے دین مبین کو ماننے والے کبھی بے بس نہیں ہوتے۔ کیونکہ تو خود ان کا ہاتھ بن جایا کرتا ہے۔ یا اللہ ہمیں اس بہم میں سرخرو کرنا، تو جانتا ہے کہ ہم موت سے ڈرنے والے نہیں..... بس ایک ہی آرزو ہے کہ شہادت سے پہلے اس چیلنج کا جواب دے کر تیری کبریائی کا لوہا منوا لیں.....''

جب ہم دعا مانگ رہے تھے تو ہمارے دل گواہی دے رہے تھے کہ اللہ کے حضور ہماری دعائیں فیضیاب ہو گئی ہیں۔ ایسا اکثر ہوتا تھا۔ اس بات کا تجربہ مجھے مقبوضہ کشمیر میں متعدد مرتبہ ہو چکا تھا۔

فجر کی نماز کے بعد ہمیں گہری نیند آ گئی۔ میری آنکھ کھلی تو سورج کی روشنی روشندان سے اندر آ رہی تھی اور آسیہ وہاں موجود نہیں تھی۔ وہ شاید باہر اماں بی کے ساتھ مل کر ناشتہ بنا رہی تھی۔

ہم نے ناشتے کے بعد ان سے دو تین روز کی اجازت چاہی اور بتایا کہ ہمیں مراد آباد آسیہ کے ماموں کے ہاں جانا ہے۔ والدین نے بادل نخواستہ ہی اجازت دی۔ گھر سے ہماری روانگی روایتی کپڑوں اور پردے میں ہوئی تھی جبکہ گھر کے باہر ہم جیسے ہی ایک محفوظ مقام پر پہنچے، ہمارا حلیہ تبدیل ہو گیا۔ اب ہم دونوں ہندو میاں بیوی بن گئے تھے۔ آسیہ نے ساڑھی باندھ کر ماتھے پر تلک لگا لیا تھا اور ہم دونوں نو بیاہتا جوڑے کی حیثیت سے سفر کر رہے تھے۔

❁❁

میرٹھ پہنچنے تک ہمارے انتظامات ملک بھر میں موجود اپنے ''ہمدردوں'' کی وجہ سے مکمل ہو چکے تھے اور ہر وہ شے ہم نے حاصل کر لی تھی جس کی ہمیں کہیں بھی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ میرٹھ کے ترین ہوٹل میں ہم نے مسٹر اور مسز شنکرن کے نام سے کمرہ حاصل کر لیا۔ کاروباری نوعیت کی اہم جگہ

ہونے کی وجہ سے یہاں دو تین اچھے ہوٹل موجود تھے۔

آسیہ کو ہوٹل کے کمرے میں چھوڑ کر میں پھر بابو رام کے اڈے پر چلا آیا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ وہ آج فیکٹری گیا ہے۔ دوپہر کے بعد آئے گا۔ میں واپس لوٹ آیا۔ میں نے آسیہ کے ساتھ اس کے گھر کے دو چکر لگائے۔ اس دوران ہم نے یہاں آنے جانے کے محفوظ اور غیر محفوظ راستے تلاش کر لئے تھے اور انتظامات کا بھی قدرے جائزہ لے لیا۔ اب ہم مطمئن تھے۔ ہوٹل واپس آ کر ہم نے شام تک کا وقت گزارا۔ شام ڈھلتے ہی ہم دونوں نے ایک مرتبہ پھر اللہ کے حضور عاجزی اور انکساری سے اپنے مقصد میں کامیابی کی دعا کی اور اس ''مقامی ساتھی'' سے رابطہ کیا جس کی گاڑی میں ہمیں مشن مکمل کرنے کے بعد فرار ہونا تھا۔

ایک دوسرے کو استقامت اور ہمت قائم رکھنے کی دعا دیتے ہوئے ہو اس کے گھر کی طرف چل دیئے۔ پرانا محلہ تھا۔ بابو رام کی دہشت تھی یا چند روز پہلے کے واقعات کا پرتو، یہاں کچھ زیادہ لوگ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ سردیوں کی وجہ سے لوگ سرِ شام ہی اپنے گھروں میں دبک گئے تھے۔ آج یوں بھی سردی معمول سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ میں نے اور آسیہ نے گرم کوٹ پہن رکھے تھے اور چادریں کندھوں پر ڈالی ہوئی تھیں۔

سٹریٹ لائٹ کا نام و نشان نہیں تھا..... بابو رام کے گھر کے دروازے پر لگی بیل دبائی تو آواز ندارد ..... ہم نے بڑا سا لوہے کا دروازہ بجانا شروع کیا تو کسی نے گالیاں دیتے ہوئے لوہے کے پھاٹک کے کونے میں موجود چھوٹا سا دروازہ کھول کر پوچھا۔

''کون ہے؟''

''ہم دہلی سے آئے ہیں..... کیشو بھاؤ نے بھیجا ہے۔ بابو سے ضروری کام ہے جلدی سے انہیں بتاؤ۔'' میں نے قدرے کرخت لہجے میں کہا۔

دوسری طرف موجود نوجوان شاید کیشو بھاؤ کے نام سے ڈر گیا کیونکہ بابو رام ایسے کئی غنڈے اس کی جوتیاں سیدھی کیا کرتے تھے۔ کیشو بھاؤ آر۔ ایس۔ ایس کے غنڈہ ونگ کا ایک طرح سے چیئرمین تھا۔ ''بھاجپا'' کے تمام حلقوں میں اسے زبردست پذیرائی حاصل تھی۔

''ابھی آیا.....'' کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور اندر چلا گیا۔

اس کی واپسی بابو رام کے ساتھ ہی ہوئی جو بڑی تیزی سے یہاں تک آیا تھا..... میری اور آسیہ کی شکل پر نظر پڑتے ہی وہ کچھ گڑبڑا گیا۔

''میرا نام شوکمار اور یہ کماری نیلما..... ہمیں کیشو بھاؤ نے آپ کے پاس ضروری کام سے بھیجا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔" میں نے اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی کہا۔

"آیئے۔ پدھاریئے....."

اس نے آسیہ کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں اس کے پیچھے پیچھے چلتے مکان کی دوسری منزل پر ایک کمرے میں پہنچ گئے، یہاں اور کوئی موجود نہیں تھا۔

کیشو بھاؤ کے نام سے بابورام بھی چالو ہو گیا تھا اور مجھے یہی امید تھی۔ اس گدھے نے تو یہ جاننے کا تکلف بھی نہ کیا کہ کیشو بھاؤ کو آخر ایسی کون سی مصیبت آن پڑی جو اس نے ہمیں اس کے پاس بھیج دیا حالانکہ اس کے ایک اشارے پر بابورام بھاگتا ہوا دہلی اس کے قدموں میں پہنچ جاتا۔

"کیا لیں گے آپ؟"

اس نے ہمیں ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اپنے ساتھی کو واپس بھیج دیا۔

"کچھ چائے وغیرہ....."

میں نے کہا۔

"مہاراج کہیے تو وہسکی....."

"نہیں.....نہیں.....اس کی ضرورت ابھی نہیں۔ رات کو بات ہوگی....."

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

ابھی ہماری بات مکمل ہی ہوئی تھی جب ایک عورت دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ بابورام نے اسے چائے وغیرہ لانے کا حکم دیا اور ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔

ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آسیہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے گرین سگنل دے کر بابورام سے کہا۔

"بابورام جی.....دروازہ بند کر لیں ہم جلدی میں ہیں اور کچھ ضروری باتیں بھی کرنی ہیں....."

بابورام نے آسیہ کی طرف دیکھا اور بڑے بیہودہ انداز میں مسکراتے ہوئے دروازہ بند کر کے ہمارے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"فرمایئے....." اس نے دوبارہ آسیہ پر اپنی غلیظ نظریں جمائیں۔

"بابورام کچھ روز پہلے تم نے ایک بات کہی تھی....."

آسیہ نے کہا۔

"کیا.....؟" بابورام نے عجیب سے لہجے میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے دو مسلمان لڑکیوں کو برہنہ کر کے کہا تھا کہ پاکستانی کمانڈو اور آئی ایس آئی سے کہو وہ ان کا بدلہ لیں....."

یہ کہہ کر میں نے اس کی طرف پستول تان لیا.....

بابورام نے ناقابل یقین انداز میں ہماری طرف دیکھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ غصے اور حیرانگی سے اس کے منہ سے کوئی بات ہی نہیں نکل پائی تھی۔

"پاکستان تک تمہارا چیلنج نجانے کب پہنچے.....ہمارا تعلق اس دیش سے ہے۔ ہم نے سوچا اپنی لڑائی میں پرائے کی ٹانگ کیوں گھسیٹیں.....اس لئے ہم خود ہی چلے آئے....." میں نے اگلی بات کہی۔

میری بات کے جواب میں بابورام کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا.....لیکن ابھی اس نے دو تین گالیاں ہی دی تھیں جب آسیہ نے اپنی تمام نفرت ہاتھوں میں سمیٹ کر اس کے منہ پر اتنی قوت سے پنچ مارا کہ بابورام سامنے دیوار سے ٹکرایا اور الٹ کر واپس گر پڑا۔

"تہذیب کے دائرے میں رہ کر بات کرو....."

آسیہ کا لہجہ مجھے بھی اجنبی لگا۔

بابورام اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے منہ سے خون جاری تھا.....

"تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے....."

اس نے اپنی دانست میں ہمیں زبردست چیتاؤنی دیتے ہوئے کہا۔

"ہم بچنے کے لئے یہاں نہیں آئے....."

میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

ابھی میری بات بمشکل مکمل ہوئی تھی جب دروازے پر آہٹ ہوئی، میں نے بابورام کی کنپٹی پر پستول کی نالی جماتے ہوئے اسے خاموش رہنے کی وارننگ دی اور آسیہ نے دروازہ کھول دیا۔ وہ عورت جسے بابورام نے چائے لانے کے لئے کہا تھا ٹرے ہاتھوں میں پکڑے کھڑی تھی۔ جیسے ہی اسے اندر کا منظر دکھائی دیا، ٹرے اس کے ہاتھوں سے قالین پر گر پڑی۔ اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے خوف کے مارے چیخ نکلے، آسیہ نے اس کے منہ پر ہاتھ جمایا اور اسے اندر کھینچ لیا۔

"چپ چاپ یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھو۔ ایک لفظ بھی منہ سے نکلا تو....."

آسیہ نے اسے سامنے صوفے پر اٹھا کر پھینکتے ہوئے وارننگ دی۔ خدا جانے اس کی آواز میں کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

قہر سٹ آیا تھا۔عورت کی تو گھگی بندھ گئی۔وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی ہمیں اور کبھی بابورام کو دیکھ رہی تھی۔شاید اس نے بابورام کی ایسی درگت کا کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔

"بابورام.....تم تو کتے کی موت مرنے والے ہو.....اس لئے ممکن ہے تمہاری زبان سے لوگ اب کچھ نہ سن پائیں لیکن تمہاری اس داشتہ کے ذریعے یہ بات ضرور تمہارے حواریوں تک پہنچ جائے گی کہ تمہیں مسلمان بچیوں کی آبروریزی کرنے کی سزا ملی ہے اور یاد رکھنا آج کے بعد جس نے بھی ایسا کیا، اس کا انجام تم سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا....."

میں نے بابورام سے کہا۔اس وقت خود مجھے اپنی آواز اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔

وقت ضائع کرنا مناسب نہیں تھا۔کیونکہ یہاں کسی بھی لمحے کسی کی آمد بھی متوقع تھی.....ہم نے پہلے سے طے شدہ منصوبے پر عمل شروع کیا۔

بابورام اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔جب اچانک ہی آسیہ نے ایک خاص انداز سے ہاتھ کا بچ اس کی گردن پر مارا اور وہ بغیر آواز نکالے ایک طرف لڑھک گیا۔آسیہ نے گو کہ مارشل آرٹس کی تربیت حاصل کی تھی لیکن اللہ نے اسے بطور خاص قوت سے نوازا تھا۔اس سے پہلے اپنے ساتھیوں سے یہ سنا تھا کہ اس نے ایک مرتبہ آرمی کے ٹرک میں موجود دو محافظوں کی گردنیں اس طرح توڑ کر راہ فرار اختیار کی تھی۔اب یہ مظاہرہ میں نے آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

میں نے فوراً اپنی کمر کے گرد لپٹی نائلون کی ڈوری جو بڑے سے کوٹ نے چھپا رکھی تھی، کھولی اور کرسی پر کھڑے ہو کر اسے پنکھے سے پھندے کی صورت لٹکا دیا۔ہم نے اس فاحشہ کے سامنے پھندا بابو رام کے گلے میں ڈالا اور اسے اوپر کھینچ لیا۔جھٹکے سے اس کی گردن ٹوٹ گئی۔اس کا جسم زور سے کپکپایا اور ٹھنڈا ہو گیا.....

بابورام کی موت کا یقین کرنے کے بعد ہم نے اپنے پاس موجود اس کے جرائم کی تفصیل والا کاغذ ہار کی طرح اس کے گلے میں ڈالا اور فاحشہ کی طرف متوجہ ہوئے جس پر قریباً بے ہوشی طاری تھی۔

وہاں بچ رہنے والی تھوڑی سی چائے میں آسیہ نے دو گولیاں اپنے کوٹ کی جیب سے نکال کر گھولیں اور اس لڑکی کے حلق میں چائے انڈیل دی۔ہمارا ایمان اور ضمیر اجازت نہیں دیتا تھا کہ کسی عورت پر ہاتھ اٹھائیں حالانکہ آر۔ایس۔ایس کی عورتیں مردوں سے زیادہ مسلمانوں پر ستم ڈھاتی تھیں۔اسے بے ہوش کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ ہمیں یہاں سے نکلنے کا موقع مل جائے۔

اپنے کام سے فارغ ہو کر آسیہ نے ماہر ڈاکٹروں کی طرح آخری مرتبہ بابورام کی لاش کا معائنہ کیا

اور اثبات میں گردن ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

❁❁

اللہ کا بے پایاں احسان کہ بابورام کے گھر سے باہر نکلنے تک ہمیں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں ہوا۔یہاں پہرے داروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی کیونکہ اس موذی نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں ہوگا کہ کوئی مسلمان بھی ایسا غیرت مند ہوگا جو اس کے چیلنج کا جواب دے سکے۔شاید اس نے مسلمانوں کا صرف "حال" دیکھا تھا۔"ماضی" کا مطالعہ نہیں کیا ہوگا۔

پہلے سے مقررہ جگہ پر ہمارے وہی مقامی مجاہد ساتھی کار سمیت موجود تھے جنہوں نے اس سے پہلے کمانڈر کامران کی رہائی کے مشن میں میرے ساتھ کام کیا تھا۔بادل نخواستہ انہوں نے بھی ایک سکھ کا روپ دھارن کر رکھا تھا۔

ہم کار میں بیٹھ اور اللہ کے فضل سے بخیر و عافیت میرٹھ سے باہر آ گئے۔یہاں سے ہماری منزل سہارنپور تھی جہاں ایک ہمدرد کے ہاں ہم نے آٹھ روز قیام کیا۔

بابورام کے قتل کی خبر کو اخبارات نے خوب اچھالا تھا۔اس قتل کو بھی انہوں نے آئی ایس آئی کے کھاتے میں ڈال دیا لیکن بابورام کے انجام کو دیکھ کر اس وقت کسی نے مسلمانوں سے انتقام لینے کی دلیری نہیں کی۔شاید انہیں اس بات کا شک تھا کہ ابھی آئی ایس آئی کے ایجنٹ یہاں موجود ہوں گے جو ان کو بابورام جیسے انجام سے دوچار نہ کر دیں۔

دہلی واپس پہنچ کر ہم نے تین روز قیام کیا اور ہم مختلف ذرائع سے سفر کرتے اگلے آٹھ دس روز میں سری نگر پہنچ گئے۔گو کہ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج سے لوہا لئے ہوئے مجھے ایک عرصہ ہونے کو آیا تھا لیکن بابو رام کو پھانسی سے لٹکا کر جس سرشاری کے عالم سے میں دوچار ہوا وہ نشہ زندگی میں پھر کبھی نصیب نہ ہو سکا۔

ہمارے "اقدام" نے اس کارنامے پر ہمیں مبارکباد دی اور ہم نے بھارت میں مسلم کش تنظیموں کو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا باقاعدہ فیصلہ کرنے کے بعد اللہ کی مدد سے وہاں اپنا نیٹ ورک بھی مضبوط کر دیا جس نے اگلے چند ماہ میں بابورام ایسے بہت سے موذیوں کو بھیانک انجام سے دوچار کیا اور ظالموں کو یہ احساس دلانے میں کامیاب رہے کہ وہ بھارتی مسلمانوں کو ماضی کی طرح بے بس اور بزدل نہ سمجھیں۔اب جہادی برکات سے یہاں ایسے مجاہد بیدار ہو چکے ہیں جو ان سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

❁❁❁

WAR@Pdfs

میرٹھ میں بابورام کے قتل سے کیا قیامت گزری؟ اس کا صحیح اندازہ میں یہاں سرینگر میں بیٹھ کر تو نہ کر سکا، البتہ ایک حیرت انگیز انکشاف ہم پر پہلی مرتبہ یہ ہوا کہ مہاسبھائی غنڈوں پر بڑا خوف طاری ہو گیا۔ انہوں نے اس کارروائی کو ظاہر ہے اپنی ذہنیت کے مطابق پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسی آئی ایس آئی کے کھاتے میں ڈال دیا اور سارے شہر میں افواہ پھیل گئی کہ مسلمانوں کی توہین اور قتل عام کا بدلہ لینے کے لئے آئی ایس آئی کے کمانڈوز آ گئے ہیں۔

اس افواہ کا کم از کم ایک فائدہ مسلمانوں کو ضرور ہوا کہ جہاں ایک طرف آر۔ایس۔ایس اور بجرنگ دل کے غنڈوں کو لگام پڑ گئی وہاں ان کے حوصلے بھی بلند ہو گئے کہ دنیا میں کہیں ایسے مسلمان بھی موجود ہیں جو ان کی مدد کے لئے آ سکتے ہیں کیونکہ ماضی میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

بھارتی حکومت کوئی بھی پراپیگنڈہ کرتی، اپنے عوام کو مطمئن کرنے کے لئے جو بھی حربے اختیار کرتی ..... لیکن ..... ایک بات ان کے علم میں تھی کہ چند روز میں دہلی اور میرٹھ میں جو کارروائیاں ہوئی ہیں وہ کسی غیر ملکی ایجنسی نے نہیں کیں بلکہ مقامی مسلمانوں نے ہی اپنا حساب چکایا ہے۔

اس تلخ حقیقت نے بھارتی ایجنسیوں کی دن رات کی نیند حرام کر دی اور انہوں نے خصوصاً مسلمانوں کے دینی مدارس کو اپنا نشانہ بنا لیا۔ اس الزام کے ساتھ کہ فلاں دینی مدرسے میں "پاکستانی آتنک وادیوں" نے پناہ حاصل کی تھی یا فلاں نے ان کی مدد کی تھی۔ بھارتی ایجنسیوں نے بے گناہ اور مظلوم مسلمانوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا جو ہنوز جاری ہے اور آپ جو آئے روز بھارتی اخبارات اور ٹی وی کے ذریعے مختلف جوانوں کی تصاویر دیکھتے ہیں، جن پر یہ الزام ہوتا ہے کہ انہیں پاکستانی ایجنسی آئی ایس آئی نے تربیت دے کر یہاں بھیجا ہے، غلط بے بنیاد اور گمراہ کن پراپیگنڈہ کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

دراصل بھارتی حکومت بھی یہ بات جانتی ہے کہ جہاد افغانستان نے ساری دنیا کے مسلمانوں میں جہادی جذبے کو جو ہماری ملی بداعمالیوں کی وجہ سے مر چکا تھا، دوبارہ زندہ کر دیا ہے اور خصوصاً بھارتی نوجوان مسلمانوں کو اس حقیقت کا ادراک ہو چکا ہے کہ وہ جب تک خود اپنی حفاظت کا عزم نہیں کریں گے آسمان سے فرشتے ان کی مدد کو نہیں آئیں گے۔

آج بھارت کے طول و عرض میں مسلمانوں کے خلاف ماضی کے برعکس برپا ہونے والے فسادات میں جب انہیں برابر کا جواب ملتا ہے تو بھارتی حکومت تلملا اٹھتی ہے۔

دوسری طرف اس جہادی فکر نے ایک اہم کارنامہ یہ انجام دیا ہے کہ بھارتی انتہا پسند ہندو جو مسلمانوں کے خون کا پیاسا رہتا تھا، اب اس سے خوفزدہ رہنے لگا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت گری کے واقعات میں ماضی کی نسبت بہت کمی آ گئی ہے اور انہوں نے اب اپنی قتل و غارت گری کا رخ عیسائیوں کی طرف موڑنا شروع کر دیا ہے۔

❁❁

اس روز میں ایک اہم میٹنگ میں شرکت کرنے کے لئے سری نگر کے ایک "ہائیڈ آؤٹ" کی طرف جا رہا تھا، میرے لئے اب اس شہر کے گلے محلے اجنبی نہیں رہے تھے۔ اپنی سفید رنگت کی بنا پر مجھے یہاں ایک اور سہولت بھی حاصل تھی کہ جب تک کوئی بہت غور سے میری بات نہ سنے، اسے مجھ پر غیر کشمیری ہونے کا شک نہیں گزرتا تھا۔ جہاں تک بھارتی فوج اور دوسری ایجنسیوں کا تعلق ہے، میری کوشش رہتی تھی ان سے ٹکراؤ نہ ہو۔ اگر کبھی ایسا ہو ہی جاتا تو میں گونگا بن جاتا اور اب میں نے گونگا بننے کی اچھی خاصی مشق بھی کر لی تھی۔

میں اور میرا مقامی ساتھی افضل ایک رکشہ سے اتر کر پیدل اپنے ٹھکانے کی طرف جا رہے تھے، ہم نے مقامی نوجوانوں کی طرح چلون قمیص ہی پہن رکھی تھی تاکہ کسی کو ہم پر شک نہ ہو۔ میری داڑھی بھی تراشی ہوئی تھی کیونکہ لمبی داڑھی اور مخصوص لباس مجاہدین کی شناخت بن چکا تھا، اور بھارتی فوجی ہر لمبی داڑھی والے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ہم اپنے معمول کے مطابق لیکن چوکنے ہو کر ہی اس مکان تک پہنچے تھے جہاں بھارتی انٹیلی جنس والوں نے ہمارے لئے جال بچھا رکھا تھا۔ ان لوگوں نے حیرت انگیز طور پر اپنی اس کارروائی کا شک نہیں ہونے دیا اور بڑی ہوشیاری سے اپنا کام کر گئے۔ اس بات کا علم ہمیں بعد میں ہوا کہ یہ کارروائی انہوں نے ایک "مخبر" کی اطلاع پر کی تھی۔ یہ مخبر جو کبھی مجاہد تھا، گرفتاری کے بعد بھارتی فوج کا تشدد برداشت

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیئے۔ بالکل یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی انسانی سلاٹر ہاؤس میں آ گیا ہوں اور کسی بھی لمحے اب مجھے یہاں ذبح کر دیا جائے گا کیونکہ باقی لوگوں کو وہ شاید باری باری مار رہے تھے۔

ہوش آنے کے فوراً بعد جب اردگرد کے ماحول سے قدرے آشنائی ہوئی تو اپنا خیال آیا۔ میرے جسم کا بند بند درد کر رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے کسی نے میری ہڈیوں کو چن چن کر نشانہ بنایا ہو۔

صبر کر کے لیٹا رہا.....

دل نے کہا یہ آزمائش کا آغاز ہے اور میں اللہ کی نصرت کا طلب گار ہوا۔ لیٹے لیٹے میں نے دل ہی دل میں دعا مانگی کہ یا اللہ! جہاد کے اس میدان میں شاید میں کبھی اپنی مرضی سے نہ داخل ہوتا اگر آپ کی نصرت اور تائید شامل حال نہ ہوتی اور اب جب مجھ پر آزمائش کی گھڑی آ گئی ہے تو بھی میں آپ کی مدد کا طلبگار ہوں۔ میں نے بڑے خشوع و خضوع سے اللہ کے حضور گریہ زاری کی کہ مجھے ہمت عطا کرے اور میری زبان سے کوئی ایسا لفظ بھی ادا نہ ہو جس سے دشمن کو فائدہ اور مجاہدوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو.....

دعاؤں کی قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کون سی گھڑیاں مخصوص کی ہیں، اس کا علم مجھے نہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جب دل سے نکلی دعا کو اللہ کے حضور قبولیت کی سند عطا ہو تو دل اس پر گواہی بھی دے دیا کرتا ہے اور مجھے اس کی گواہی مل گئی.....

اب میں مطمئن تھا.....

مجھے علم تھا مجھے اب کن کن جان سوز مراحل سے گزرنا ہے اور کس طرح یہ موذی میرے جسم کا بند بند توڑیں گے لیکن احساس قوی تھا کہ اللہ کی نصرت میرے شامل حال ہو چکی ہے۔

میں جان بوجھ کر اس پوزیشن میں لیٹا رہا جس میں مجھے یہاں پھینکا گیا تھا لیکن تابہ کہ.....

پندرہ بیس منٹ ہی بمشکل گزرے ہوں گے جب مجھے اپنی سمت آتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

یہ آوازیں جلد ہی درد اور اذیت سے تڑپتے ان مظلوموں کی آہ و بکا پر غالب آنے لگیں جن سے مجھے ہوش میں آنے کے فوراً بعد واسطہ پڑا تھا۔

اب وہ میرے سیل کے شاید بالکل سامنے آ گئے تھے.....

اچانک ہی ان میں سے ایک نے مجھ پر ٹھنڈے پانی کی بالٹی پھینک دی اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا.....

میں نے دیکھا، سامنے تین قصائی موجود تھے۔

"جندہ ہے سالا....."

ان میں سے ایک نے مجھے گالی دے کر کہا۔

"ارے یہ مُسلے اتنی آسانی سے مرنے والے نہیں....."

دوسرے نے جواب دیا۔

"چلو دیکھ لیتے ہیں۔ کتنا دم خم ہے اس میں....."

تیسرے نے کہا۔

اور.....

انہوں نے میرے سیل کا دروازہ کھول دیا۔

❁❁

میری کمر پر چمڑے کا بنا ہوا ایک بڑا سا کوڑا مارتے ہوئے مجھے جانوروں کی طرح ہانکتے ایک سمت میں لے جا رہے تھے۔

میں نے دیکھا میرے دونوں اطراف اسی طرح کے سیل بنے ہوئے ہیں جن میں سے کچھ خالی تھی اور کچھ میں زخموں سے چور چور مجاہدین تڑپ رہے تھے..... مجھے دیکھ کر حیرت انگیز طور پر انہوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ان نعروں کو میں اپنے لئے تائید غیبی جان رہا تھا۔ شاید وہ بے چارے مجھے حوصلہ دینا چاہتے تھے۔ بعد میں مجھے علم ہوا کہ یہاں کا یہ دستور ہے جب بھی کسی تازہ دم مجاہد کو یہاں لایا جاتا ہے تو اس کی حوصلہ افزائی کے لئے یہاں پہلے سے زیر عتاب مجاہدین نعرے ضرور بلند کرتے ہیں۔

ان نعروں کا جواب میرے صیادوں کی طرف سے میری پیٹھ پر پڑنے والے کوڑوں کی شکل میں انہیں مل رہا تھا.....

میں نے اپنی زبان دانتوں تلے دبالی تھی اور ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ انہیں ان کی بے بسی کا احساس دلانے کے لئے میں نے بھاگنے کے بجائے اپنی معمول کی رفتار بنائے رکھی اور ہر ضرب پر اپنے دل میں آیات قرآنی کا ورد کرتا رہا۔

اس اذیت ناک سفر کا اختتام ایک ہال کمرے میں ہوا۔ لکڑی کے بنے اس کمرے میں تین فوجی آفیسر سول کپڑوں میں موجود تھے۔ میرے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے میری گردن پکڑ کر شاید

WAQAR@URDUPAK.NET

یہ سوچا تھا کہ مجھے منہ کے بل ان کے قدموں میں پھینک دے۔

لیکن..... یہ ان کی خام خیالی تھی۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہونے والی گردنیں کسی اور کے سامنے نہیں جھکا کرتیں۔

تینوں مل کر زور لگاتے رہے کہ میں نیچے جھک کر گر پڑوں لیکن اللہ تعالیٰ نے نجانے مجھ ناتواں میں اس لمحے کیا توانائیاں بھر دی تھیں کہ جلد ہی انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور مجھ پر دیوانہ وار پل پڑے۔ انہوں نے مجھے زمین پر گرا کر وہاں رکے مخصوص بیدوں سے پیٹنا شروع کر دیا لیکن اللہ کے فضل وکرم سے میں نے انہیں باور کروا دیا کہ اس مرتبہ انہوں نے غلط بندے کا انتخاب کر لیا ہے۔ میرے منہ سے "ہائے ہائے" ضرور نکل رہی تھی لیکن یوں جیسے کوئی گونگا شخص اذیت ملنے پر آوازیں نکالتا ہے۔

"ٹھہرو....."

سامنے کھڑے تینوں افسران میں سے ایک نے جو شاید اس تفتیشی ٹیم کا سربراہ دکھائی دے رہا تھا، اپنا ہاتھ کھڑا کیا اور وہ رک کر ہانپنے لگے۔

"گونگا ہے شاید؟"

اس نے کہا اور میری سمت بڑھا۔

اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھوٹی سی چھڑی زمین پر بیٹھے ہوئے میرے کندھے پر رکھی پھر اسے میری ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر میرا منہ اونچا کیا۔

"کھڑا کرو اسے....."

اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا اور انہوں نے مجھے اٹھا کر دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا۔

ایک مرتبہ پھر اس نے اپنی چھڑی میری ٹھوڑی پر جما دی اور میری طرف دیکھ کر عجیب سے لہجے میں کہا۔

"اوہو..... یہ تو بے چارہ گونگا ہے....."

اس کے ساتھ ہی پوری قوت سے چھڑی میرے منہ پر ماری اور میرا منہ خون سے بھر گیا۔ وہاں موجود تمام وحشی دیوانہ وار قہقہے لگانے لگے۔

"کیا نام ہے تیرا.....؟"

اس نے اچانک پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

میں خاموش رہا.....

اس پر اس کا دوسرا ساتھی جو ابھی تک دیوانہ وار قہقہے لگا رہا تھا، میری طرف بڑھا.....

"دیکھو نوجوان..... ممکن ہے تم واقعی گونگے ہو..... لیکن ہم نے یہاں بڑے بڑے گونگوں کو بولنے پر مجبور کر دیا ہے..... اپنا نام بتاؤ شاباش....."

میں خاموش رہا۔

اس نے پوری قوت سے بیچ میرے پیٹ میں مارا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے پوری قوت سے ہتھوڑا میرے پیٹ پر مارا ہو۔

میرے ہمراہ آنے والوں نے میرے دونوں بازو پکڑ لئے تاکہ میں زمین پر گر کر اس وحشی درندے کے لئے مسائل پیدا نہ کروں۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے ماہر باکسرز کی طرح یکے بعد دیگرے آٹھ دس زوردار مکے میرے پیٹ میں مارے تو مجھے اپنی انتڑیاں کٹنے کا احساس ہوا۔

"میرا نام میجر واڈیا ہے....."

اس نے اپنے کام سے فراغت پر اپنا تعارف کروایا اور سامنے میز پر دھرے پستول کو اٹھا کر الٹا سیدھا کرنے لگا۔

"میجر صاحب کے سامنے تو اصلی گونگے بھی طوطے کی طرح بولنے لگتے ہیں تم تو نقلی گونگے ہو۔" تفتیشی ٹیم کے دوسرے قصائی نے کہا۔

میں بمشکل سیدھا کر کھڑا ہوا تو وہ دونوں مجھ پر پل پڑے۔ مجھے وہ وحشیوں کی طرح پیٹ رہے تھے۔ شاید آپ اسے مبالغہ سمجھیں، دو تین گھنٹے وہ مسلسل مجھے مارتے رہے۔ اس دوران میں دو مرتبہ بے ہوش ہوا لیکن اللہ کے فضل سے میری زبان سے وہ میرا نام بھی نہیں کہلوا سکے اور مجھے سیل میں پھینک کر چلے گئے۔

❁❁

شام کے بعد رات آئی تو دوبارہ مجھے وہیں لے جایا گیا اور ایک مرتبہ پھر وہی شیطانی کھیل شروع ہو گیا جو وہ دن میں کھیل چکے تھے۔ اس مرتبہ انہوں نے مجھے ایک دوسرے کمرے میں پہنچایا تھا جہاں مجھے چھت سے لگے رسے کے ساتھ الٹا لٹکا کر پانی سے بھرے حوض میں غوطے دیئے گئے۔

یہ کمرے لکڑی کے بنے ہوئے تھے اور عارضی تعمیر دکھائی دے رہی تھی جس سے مجھے اندازہ ہو گیا

WAQAR@URDUFANS

کہ یہ تفتیشی سنٹر ہنگامی طور پر تیار کیا گیا ہے۔ دو تین گھنٹے بعد وہ مجھے سیل میں پھینک گئے اور صبح ہونے پر پھر اٹھا کر لے گئے۔ انہیں اس بات پر ناقابل برداشت غصہ تھا کہ ابھی تک وہ میری زبان سے میرا نام بھی نہیں اگلوا سکے تھے۔ میجر واڈیا پر تو جنونی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی جس کے بعد وہ عجیب وغریب وحشیانہ حرکتیں کرنے لگتا۔ کبھی میز پر دھرا اپنا پستول اچانک اٹھا کر میری کنپٹی پر رکھ کر مجھے جان سے مارنے کی دھمکیاں دینے لگتا۔ کبھی میری داڑھی کے بال ایک ایک کر کے نوچتا.....

ایک روز تو اس نے بڑی وحشیانہ حرکت کی اور میری کنپٹی پر پستول لگا کر اس کا ٹریگر دبا دیا.....

''ٹک'' کی آواز سے ایک مرتبہ تو میں بھی سہم کر رہ گیا..... لیکن پستول خالی تھا۔

وہ بدبخت مجھ پر شاید موت کا خوف طاری کر کے میری زبان کھلوانا چاہتا تھا لیکن اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ موت کا خوف ہمیں چھو کر بھی نہیں گزرا۔ ہم نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے، اس میں تو ہم خود موت کا تعاقب کرتے ہیں۔

اگلے روز وہ مجھے قریباً نیم مردہ کر کے اپنے سیل میں پھینک گئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ میں اپنی زندگی کی آخری عبادت کر لوں کیونکہ کل میری زندگی کا آخری دن ہے۔

شاید اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ بات انتہائی ناگوار گزری تھی کیونکہ موت زندگی پر وہ قادر نہیں تھے۔ وہ بدبخت نہیں جانتے تھے کہ اگلے روز کس کا آخری دن آنے والا تھا.....

❁❁❁

میرے جسم کا شاید ہی کوئی ایسا حصہ تھا جو درد کے احساس سے مبرا ہو۔ یہاں کے تفتیشی افسر میرے ساتھ کوئی خصوصی سلوک نہیں کر رہے تھے، وہ یہاں آنے والے ہر ''ملزم'' کو تفتیش کے اس جہنم سے گزارتے تھے۔ کشمیر میں یہ بات عام طور پر کہی جاتی تھی کہ جے۔ آئی۔ ٹی (جائنٹ انٹروگیشن سنٹر) سے اپنے مکمل وجود کے ساتھ کوئی واپس نہیں آتا اور یہ ہے بھی حقیقت.....

میری حالت یہ تھی کہ مسلسل اذیت کے بعد اگر میں یہ کہوں کہ اذیت کا احساس ہی نہیں رہا تھا تو بے جا نہ ہوگا۔

اپنے بدن کی توڑ پھوڑ مجھے معمول کی کارروائی محسوس ہونے لگی تھی۔

میں جانتا تھا کہ صبح ہونے پر یہ لوگ یہاں کے ہر سیل میں موجود قیدی کو باہر نکال کر اس پر دیوانہ وار مشق ستم ڈھاتے ہیں اور اسے یہاں ''صبح بخیر'' کا نام دیا جاتا ہے، جس کے بعد انہیں سیلوں میں بند کر کے ان کے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر ایک چپاتی پھینک کر اس پر دال یا سبزی نام کی کوئی شے ڈال دی جاتی ہے اور انسانوں کو کتوں کی طرح کھانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد متعلقہ تفتیشی آفیسر کے سامنے حاضری اور جسمانی توڑ پھوڑ کے ناقابل بیان عمل سے گزرنا، یہ سلسلہ بسا اوقات سارا دن اور ساری رات بھی جاری رہتا تھا۔ مجھے اور تو کسی کا علم نہیں تھا لیکن جہاں تک میری بات ہے اب یہ سب کچھ معمول کی کارروائی لگتی تھی۔

آج ان موذیوں کے ہتھے چڑھے تیسرا دن تھا، اس دوران ایک مرتبہ بھی انہوں نے مجھے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جس حالت میں بھی تھا، جب بھی مہلت میسر آتی اللہ کے حضور عاجزی ضرور کرتا تاکہ وہ مجھے استقامت عطا فرمائے۔

میں جانتا تھا یہاں سیلوں میں بند تمام مجاہد اسی تکلیف دہ عمل سے گزر رہے ہیں۔ میرے دل سے

WAQAR@URDUFANS

ان سب کے لئے اور اپنے ان مجاہد ساتھیوں کے لئے دعائیں نکلتی تھیں جو قابض اور غاصب دشمن سے ہر محاذ پر اپنے کمترین وسائل کے ساتھ نبرد آزما تھے۔

❁❁

اس روز میجر واڈیا نے ساری رات مجھ پر بے پناہ تشدد کیا۔ مجھے کھڑا کر کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال کر ایک کھڑکی کی سلاخوں میں اس کا کنڈا لگا دیا تا کہ میں بے ہوش ہونے پر بھی زمین پر نہ گروں بلکہ اپنے بازوؤں کے زور پر لٹک جاؤں..... اس کے بعد مجھے مسلسل جاگنے پر مجبور کیا گیا۔ اس کے لئے بڑا بھیانک طریقہ استعمال کیا جاتا۔ کھڑے کھڑے میرے پاؤں سوج گئے تھے۔ تکلیف پر اب نقاہت غالب آ گئی تھی۔ جیسے ہی مجھے اونگھ آتی، میرے پیچھے موجود جلاد میری کمر پر زوردار کوڑا رسید کرتا یا پھر سر کے بال پکڑ کر گردن کو زور سے جھٹکا دیتا۔ ایک مرتبہ تو مجھے یوں لگا جیسے میری گردن ہی ٹوٹ جائے گی..... میری مسلسل خاموشی نے انہیں غصے سے باؤلا کر دیا تھا.....

وہ اسے اپنی ناکامی سمجھ رہے تھے کہ تین دن اور تین راتیں مسلسل اذیتیں دینے کے باوجود ابھی تک میری زبان نہیں کھلوا سکے۔

وقت کا احساس ختم ہو چکا تھا.....

خدا جانے رات کا وہ کون سا پہر تھا جب میں تیسری مرتبہ بے ہوش ہوا اور وہ لوگ مجھے گھسیٹ کر میرے سیل میں پھینک کر چلے گئے۔

مجھے ہوش آیا تو بمشکل میں اپنی آنکھیں ہی کھولنے کے قابل رہ گیا تھا۔ سارا جسم درد سے ٹوٹ رہا تھا۔ سیل کے پتھریلے فرش پر میں لاش کی طرح ڈھیر تھا۔ بمشکل میں اٹھ کر دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔

ابھی میرے حواس بحال ہی ہوئے تھے جب میں نے وہاں رات کو گارڈ ڈیوٹی کرنے والے ایک مقامی پولیس کے سپاہی کو اس طرف آتے دیکھا۔

وہ یہاں معمول کا پہرہ دے رہا تھا۔ ان لوگوں کا طریق کار یہی تھا کہ بار بار مختلف سیلوں کے نزدیک آ کر وہاں محبوس ملزموں کا جائزہ لیتے کہ وہ کہیں فرار ہونے کی کوشش تو نہیں کر رہے۔

جب گارڈ میرے سیل کے نزدیک آیا تو اس نے مجھے نام لے کر پکارا اور میرے متوجہ ہونے پر چوکنے ہو کر ارد گرد نظریں دوڑانے کے بعد مجھ سے کہا۔

"تمہارے لئے پیغام ہے....."

مجھے فوراً یہی احساس ہوا کہ اب یہ لوگ کوئی نئی چال چلنے والے ہیں، یوں بھی میں اس کے سوال کا

جواب کیسے دیتا، میں تو "گونگا" تھا۔

میں نے اس کی طرف دیکھنے کا تکلف بھی نہ کیا۔

"ظفر نے یہ کاغذ دیا ہے۔ پڑھ کر مجھے واپس کر دو....."

یہ کہہ کر اس نے اپنی مٹھی میں بند ایک کاغذ کا پرزہ سلاخوں سے ہاتھ اندر ڈال کر میری طرف بڑھایا اور آگے نکل گیا۔

میں نے لپک کر کاغذ اٹھا لیا۔ کیونکہ اس نے "ظفر" کا جو مخصوص کوڈ ادا کیا تھا، اس نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ یہ ہمارا اپنا آدمی ہے۔ میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلا کہ ساتھیوں نے مجھ تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ تربیت کے مطابق وہ میری رہائی کے لئے جان لڑا دیں گے کیونکہ ہم اپنے کسی مجاہد کو اس طرح دشمن کے لئے تر نوالہ نہیں بننے دیا کرتے تھے۔

بے چینی سے میں نے بہت محتاط ہو کر کاغذ کا پرزہ پڑھنا شروع کیا جس پر انتہائی مختصر پیغام ہمارے مخصوص کوڈ میں اس شناخت کے ساتھ درج تھا کہ میرے "نظم" نے مجھ تک رسائی حاصل کر لی ہے اور انشاء اللہ جیسے ہی ان لوگوں نے مجھے یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے باہر نکالا میرے ساتھی کارروائی کریں گے..... مجھے "حامل رقعہ ہذا" پر اعتماد کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔

اللہ کے بے پایاں احسانات کا شکر گزارتے ہوئے میں نے کاغذ تہہ کر کے مٹھی میں بھینچ لیا۔

بمشکل تین چار منٹ بعد وہی گارڈ اپنے معمول کا راؤنڈ لگا کر میرے پاس آیا اور مجھ سے رقعہ وصول کرتے ہوئے اپنے دوسرے ہاتھ میں موجود چھ سات گولیاں اور کیپسول میری طرف بڑھا دیئے۔

"انہیں پانی سے نگل لو....."

اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

سیل کے کونے میں موجود مٹی کے چھوٹے سے گھڑے میں پانی کا بمشکل ایک گلاس باقی تھا، میں نے گولیاں نگل لیں..... اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ رہا.....

قریباً دس منٹ بعد اس کی دوبارہ آمد ہوئی تو اس نے اپنے لمبے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک مگ نکالا جسے اوپر سے پلاسٹک کے ڈھکن سے بند کیا گیا تھا اور میری طرف بڑھا دیا۔

"جلدی سے پی کر خالی کر دو....."

اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

میں نے اس کی تجویز پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا اور مگ میں موجود چائے پینے لگا۔ یہ وہ چائے تھی جو

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہاں کے پہرے داررات کو اپنے لئے تیار کرتے تھے اور ہمارے اس محترم ساتھی نے اپنا حصہ مجھے دیا تھا۔

میں جان گیا کہ یہ بھی مجاہد ہے جس نے مصلحتاً بھارتی حکومت کے نوکر کا بھیس بدل رکھا ہے اور اس کے کام کی نوعیت ہم سے بھی زیادہ خطرناک تھی۔

چائے کا مگ میں نے بمشکل دو منٹ میں حلق میں انڈیل لیا۔ گولیاں اور چائے معدے میں اترنے کے بعد مجھے قدرے سہولت مل گئی اور جان لیوا درد کم ہونے لگا۔

اس احساس نے کہ میرے ساتھی باہر موجود ہیں، میرا سیروں خون بڑھا دیا تھا اور میرے دل نے گواہی دی تھی کہ اب میجر واڈیا اور اس کے قصائی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے سوائے اس کے کہ وہ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، میں نے خود کو اللہ کی مدد کے بھروسے پر ایسے سلوک کے لئے بھی تیار کر لیا تھا۔

اس پیغام سے جو مجھے ملا ایک بات تو صاف ظاہر تھی کہ میں جس عمارت میں بھی بند ہوں، اس کو مجاہدین نے گھیرے میں لے لیا ہے اور اگر یہاں سے فرار کی ایسی کوئی کوشش کی جائے جس سے ایک مرتبہ اس خاردار تاروں والے کیمپ کو عبور کرنا ممکن ہو تو باہر ہمارے لئے مدد موجود ہے اور انشاءاللہ ایک مرتبہ ان موذیوں کے نرغے سے نکلنے کے بعد ان کے ہاتھ نہیں آئیں گے۔

میں نے عزم کیا کہ ان موذیوں کو ان کی بے بسی کا احساس ضرور دلواؤں گا، چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے.....

ابھی تک مجھے اپنے ساتھ گرفتار ہونے والے ساتھی کی اطلاع نہیں تھی۔ بعد میں علم ہوا کہ تفتیش کے تیسرے روز وہ تشدد کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے تھے کیونکہ ان کی ہڈیاں پہلے روز ہی توڑ دی گئی تھیں۔

شہید کی لاش کو غاصبوں نے اپنے معمول کے مطابق یہاں سے کافی فاصلے پر پھینک دیا تھا کہ اس کا شمار بھی ان ہزاروں گمنام شہدا میں ہو جائے جن کو اسی سلوک سے گزارنے کے بعد شہید کیا جاتا تھا۔

❁❁

ان گولیوں میں شاید کوئی خواب آور دوا بھی شامل تھی یا پھر اسی دوا کا اثر تھا کہ اب نیند سے میری آنکھیں بوجھل ہونے لگیں اور میں تھوڑی دیر بعد سیل کے ٹھنڈے فرش پر ہی گہری نیند سو گیا.....

یہ شاید اتوار کا دن تھا کیونکہ میری آنکھ خود ہی کھلی تھی۔ اتوار کی صبح یہاں محبوس مجاہدین کے لئے قدرے عافیت لاتی تھی۔ کیونکہ چھٹی کی وجہ سے ان کو صبح کا "ناشتہ" معمول کی مار پیٹ کے بغیر ہی مل جایا کرتا تھا۔

آج شاید ان کا کوئی مذہبی تہوار بھی تھا کیونکہ ہمیں ناشتے میں معمول کے برعکس "کڑھا پرشاد" بھی دیا گیا۔ شام تک سیل میں بند فرار کی مختلف ترکیبیں سوچتا رہا۔ میرا مسئلہ یہاں سے کسی طرح باہر نکلنا تھا لیکن مجھے جہاں رکھا گیا تھا وہاں کچھ ایسا اہتمام کیا گیا تھا کہ ہمیں سوائے اس مخصوص احاطے کے جہاں ہم موجود تھے، دیگر محل وقوع کا علم ہی نہ ہونے پائے۔

یہاں آنے اور یہاں سے واپس باہر جانے والوں کی آنکھوں پر سیاہ پٹیاں باندھ کر لایا جاتا تھا اور ہمیں تو یوں بھی بے ہوشی کی حالت میں یہاں پہنچایا گیا تھا۔ جس گارڈ نے رات مجھ سے رابطہ کیا تھا، وہ اب دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن مجھے یقین ہو چلا تھا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو میری پشت پناہی کرے گا اور ممکن ہے ہوا تو تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر میری مدد بھی کرے گا کیونکہ ماضی میں ایسے درجنوں واقعات ہو چکے تھے جب مقامی پولیس نے مجاہدین کو ایسی تفتیش گاہوں سے فرار ہونے میں مدد دی تھی۔

شام ڈھلتے ہی موذیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

یہاں حفاظت اور نگرانی کی ذمہ دار تو مقامی پولیس تھی جبکہ تفتیش اور باقی تمام کنٹرول آرمی کے پاس تھا اور آرمی کے لوگ پولیس سے بالکل مختلف دکھائی دیتے تھے۔ وہ جب جی چاہے پولیس ملازمین کو گالیاں دینے لگتے تھے اور معمولی کوتاہی پر ان کی سخت باز پرس ہوتی۔

حفاظت اور نگرانی کے لئے موجود پولیس کی تمام نفری مقامی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں بمشکل پانچ فیصد مقامی آبادی کے مسلمان سپاہی یا حوالدار وغیرہ ہوتے تھے کیونکہ ہندو فوجی ان پر اعتبار نہیں کرتے تھے۔ باقی پچانوے فیصد کا تعلق بھارتی پولیس جسے پیرا ملٹری فورس کہہ سکتے ہیں، سے ہوتا تھا۔ ان میں سی آر پی ایف، بی ایس ایف اور انڈو تبتین فورس کے جوان بھی شامل تھے۔

جس کیمپ میں مجھے لایا گیا تھا وہ دراصل فوج کی ہی ایک عارضی چھاؤنی میں قائم تھا جس کا علم یہاں آنے والوں کو نہیں ہوتا تھا۔ وہ یہی سمجھتے تھے جیسے انہیں کسی قلعے میں قید رکھا گیا ہے جبکہ صورتحال اس کے برعکس تھی۔ البتہ یہاں خاردار تاروں کے ذریعے ایسا خطرناک اور بظاہر ناقابل عبور انتظام تھا جس کا صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔

بھارتیوں کی طرف سے اگر مجاہدین کی گرفتاریوں اور ان پر ظلم و ستم ڈھانے کا سلسلہ جاری تھا تو اللہ کے فضل سے مجاہدین نے بھی کبھی کمزوری نہیں دکھائی۔ وہ بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر موقع ملتے ہی فرار کی کوشش کرتے تھے۔ اس فرار میں کوئی کامیاب ہو جاتا اور کوئی راہ شہادت پر گامزن.....

لیکن..... بھارتیوں کی کسی بھی کوشش سے مجاہدین کا مورال کبھی ڈاؤن نہیں ہوا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس سے پہلے فرار کے متعدد ایسے واقعات ہو چکے تھے جس کی مثالیں شاید جنگ عظیم کے دوران بھی نہیں ملتیں.....

آج شام کے بعد جو بھی بھارتی جوان یا افسر دکھائی دیتا وہ شراب کے نشے میں دھت تھا۔ کیونکہ یہ ان لوگوں کا کوئی تہوار تھا جس پر شراب نوشی ان کی عادت تھی اور نشے کی حالت میں وہ انسان سے واقعی درندے بن جایا کرتے تھے۔

❁❁

رات کا شاید پہلا پہر تھا جب مجھے اپنے سیل کی طرف تین موذی بڑھتے دکھائی دیے۔ میں پیش آمدہ حالات کے لئے خود کو تیار کرنے لگا۔

"اٹھو....."

ان میں سے ایک نے حسب عادت گالی دی.....

میرے اختیار میں ہوتا تو اس کی زبان گدی سے کھینچ لیتا۔ سچی بات تو یہی ہے کہ پہلے پہل مجھے ان کی ایسی حرکات پر بہت غصہ آیا کرتا تھا پھر ان کی بزدلی پر ترس آنے لگا۔

یہ سورمے جو یہاں زنجیروں سے بندھے نہتے مجاہدین کو دن رات مغلظات بکتے اور وحشیوں کی طرح ان پر پل پڑتے ہیں، مجھے علم تھا کہ عام حالات میں مجاہدین کے سائے سے بھی خوف کھاتے ہیں۔ ان میں تو اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنی بے پناہ طاقت اور آتش و آہن کے ساتھ سورج غروب ہونے کے بعد اپنی پناہ گاہوں سے باہر آنے کی بھی ہمت کریں۔

شاید بے چارے اپنی اس محرومی کا ازالہ ہمیں گالیاں دے کر کرنا چاہتے تھے۔

مجھے میجر واڈیا کے کمرے میں پہنچا دیا گیا.....

آج ہم جس کمرے میں آئے وہ پہلے سے مختلف تھا۔ لکڑی کے بنے اس کمرے میں تیل سے جلنے والے دو بڑے گیس لیمپ روشن تھے کیونکہ بجلی کا نظام یہاں اکثر مجاہدین کی کارروائیوں کی وجہ سے بگڑا رہتا تھا اور آج ان کے زیادہ تر مصنوعی بجلی پیدا کرنے والے جنریٹر فوج کے استعمال میں تھے۔

خلاف معمول آج میجر واڈیا اکیلا کھڑا تھا اس نے اپنے سامنے میز پر دوسری جنگ عظیم کی فلموں جیسے کچھ اوزار رکھے ہوئے تھے۔

"تم بڑے بہادر آدمی ہو....." اس نے میرے وہاں پہنچتے ہی کہا..... "ابھی تک میں تمہاری زبان نہیں کھلوا سکا..... حالانکہ مجھے یقین ہے کہ تم گونگے نہیں ہو..... خیر اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ

تمہاری زبان کاٹ دی جائے..... تاکہ نقل پر واقعی اصل کا گمان گزرے....."

یہ کہہ کر اس نے میز پر دھری ایک بڑی سی قینچی اٹھا کر مجھے دکھائی.....

"بے فکر رہنا..... میں ماہر سرجن کی طرح سارا آپریشن کروں گا..... تمہارا منہ کھولنے کے لئے ہمارے پاس یہ اوزار موجود ہیں۔"

اتنا کہنے کے بعد اس نے اپنے سامنے دھرے دو تین الٹے سیدھے اوزار مجھے دکھائے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔

ان سے تمہارا منہ میرے جوان کھولے رکھیں گے..... لیکن تمہاری زبان میں قینچی سے ہی کاٹوں گا ..... تاکہ تمہیں زیادہ تکلیف نہ ہو....."

اتنا کہہ کر اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔

وہاں موجود باقی درندے بھی اس قہقہے میں شامل ہو گئے۔

"تم شاید میجر صاحب کو جانتے نہیں..... بے وقوف! میجر صاحب جو کہتے ہیں وہ کر گزرتے ہیں ..... اب بھی وقت ہے کہ اپنی اصلیت بیان کر دو..... ہم بہادروں کی قدر کرتے ہیں تمہیں کچھ نہیں ہوگا ..... اسی طرح اپنے ساتھیوں میں واپس جاؤ گے اور ہمارے لئے کام کرتے رہو گے..... ابے چریا! مال بنا مال..... کیوں جان گنواتا ہے۔ تیرے مرنے سے کشمیر آزاد نہیں ہونے والا....."

مجھے یہاں لانے والوں کے انچارج حوالدار نے، جو تشدد کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتا تھا، کہا۔

"بہت سیانا بنتا ہے تو..... یہاں تو تیرے جیسے درجنوں گونگے طوطے کی طرح بولنے لگتے ہیں۔ جیا رام..... لاؤ ان دونوں کو....."

میجر واڈیا نے اپنی چھڑی سے میری ٹھوڑی اونچی کرتے ہوئے اپنے حوالدار سے کہا۔ اور وہ "او کے سر" کہہ کر باہر نکل گیا۔

میں تو سمجھ گیا اب نیا ڈرامہ ہونے والا ہے اور خود کو اس کے لئے تیار کرنے لگا۔ "تمہارے دو ساتھی تمہاری شناخت کر چکے ہیں..... تم کون ہو ہمیں علم ہو چکا ہے....."

میجر واڈیا نے جیا رام کے جاتے ہی کہا.....

"سیدھا کھڑا رہ....."

اچانک ہی ایک وحشی نے زوردار تھپڑ میرے منہ پر مارا۔

WAQAR@URDUFANS

یہ ان کی عادت تھی۔ ملزم کو خوفزدہ کرنے کے لئے وہ ایسی حرکتیں کرتے رہتے تھے تاکہ اس پر نفسیاتی دباؤ بڑھائے رکھیں۔

دراصل وہ گدھا جس نے مجھے تھپڑ مارا آج پہلی مرتبہ دکھائی دیا تھا ورنہ اسے علم ہو چکا ہوتا کہ اللہ کے فضل سے میں ان کے ایسے گھٹیا حربوں سے دبنے والا نہیں۔

اچانک ہی دروازہ کھلا اور دو زخمیوں کو جن کے چہرے گیس لیمپوں کی تیز روشنی میں ناقابل شناخت تھے، کیونکہ ان پر بری طرح سوجن آئی ہوئی تھی، حوالدار جیارام ایک اور جوان کے ساتھ گھسیٹتا ہوا لے آیا۔ دونوں کی حالت اتنی بری تھی کہ وہ اپنے قدموں پر بھی کھڑے نہیں ہو سکتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ یہاں آتے ہی زمین پر گر پڑے۔

"دیکھو انہیں..... تمہاری ہی تنظیم کے ہیں دونوں..... انہوں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

میجر واڈیا نے ہوا میں تیر چلایا.....

دونوں مجاہدین نے اپنی زخمی نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن حیرت انگیز طور پر ان کی آنکھوں میں مجھے غیرت ایمان کی وہ جھلک دکھائی دی جس نے میجر واڈیا کے چہرے پر برستی لعنت میں مزید اضافہ کر دیا۔

"بکواس کرتا ہے یہ....."

اچانک ایک مجاہد ساتھی کی قہر آلود آواز سنائی دی۔

"ہم کسی کو نہیں پہچانتے..... آپ ان حرام خوروں کی باتوں میں ہرگز نہ آئیں....."

دوسرے کی آواز رعد کڑکی.....

ان کی زبان سے یہ فقرے کیا ادا ہوئے جیسے اچانک وہاں موجود تمام وحشیوں پر بجلی گر پڑی ہو۔ ڈرامے نے ان کی توقعات کے بالکل برعکس کوئی اور ہی روپ اختیار کر لیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو وہ ساکت ہو گئے پھر ہم تینوں پر وحشت زدہ کتوں کی طرح پل پڑے۔

❁❁

اچانک ہی دو تین زوردار دھماکوں کی آواز سے کیمپ گونج اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی میرے دل نے کہا اسد علوی ہمت کرو..... اللہ سے جس کی دعائیں مانگتے تھے وہ گھڑی آ گئی۔

میرے دل نے کہا مجاہدین نے کیمپ پر حملہ کر دیا ہے..... کیونکہ آج ان کا تہوار بھی تھا اور آج تک ایسا ہوا نہیں کہ ان کے کسی تہوار کا مجاہدین نے اپنے طریقے سے استقبال نہ کیا ہو.....

شاید یہ انٹیروگیشن سنٹر انہوں نے کیمپ کے درمیان کسی کونے پر جو ان کی دانست میں بالکل محفوظ تھا، بنا رکھا تھا اور یہاں ٹارچر سیل بنا کر وہ اپنا گھناؤنا کاروبار چلا رہے تھے۔

انسانی سائیکی میں بعض ایسے لمحات آتے ہیں جو فہم و ادراک سے بالاتر ہوں۔ میں اپنے اس عمل کی کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکتا جو اس لمحے مجھ سے فوراً سرزد ہوا۔ جانے کون سی وہ نادیدہ قوت تھی جس نے میرے جسم میں بجلیاں بھری تھیں۔ اس سے پہلے کہ میجر واڈیا جس کے حساس کانوں نے ہماری طرح دھماکوں کی آواز سے صورت حال کا کچھ اندازہ کر لیا تھا، اپنے پستول کو میز سے اٹھاتا، بجلی کی طرح میں اپنی جگہ سے اچھلا اور میرا پاؤں اس گیس لیمپ پر پڑا جو میز کے ایک کونے میں روشن تھا۔

گیس لیمپ لکڑی کے فرش پر گرا اور تیل نے پلک جھپکتے میں آگ پکڑ لی۔ شاید میرے اس اچانک عمل نے ان موذیوں کو بھی چند ثانیے کے لئے تو مبہوت کر کے رکھ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ انہیں ہوش آئے، میجر واڈیا کا پستول جو وہ دھمکی دینے کے لئے میز پر رکھا کرتا تھا، میرے ہاتھ لگ گیا۔

میں نے پستول ان کی طرف تان لیا۔

"ہینڈز اپ....."

میں نے للکارا۔

بزدلوں کے چہرے پر موت کی زردی پھیل گئی۔ دونوں مجاہدوں نے اس اثناء میں دو درندوں کو ٹانگوں سے پکڑ کر زمین پر لٹا لیا تھا اور ان کے سینے پر بیٹھ کر اپنے دل کے ارمان نکال رہے تھے۔

"خبردار..... اگر کسی نے ہلنے کی کوشش کی تو....."

میں نے انہیں وارننگ دی۔

شاید حوالدار جیارام کا دماغ خراب ہو گیا تھا یا پھر قدرت اس کا حساب جلد بے باق کرنا چاہتی تھی، اس سے پہلے وہ چھلانگ لگانے کے بعد مجھ تک پہنچتا، پستول سے نکلی گولی نے اسے راستے ہی میں ڈھیر کر دیا.....

فرش نے آگ پکڑ لی تھی اور حوالدار جیارام منہ کے بل زمین پر لوٹ رہا تھا۔ "آپ ادھر آ جائیں۔"

میں نے دونوں مجاہدوں سے کہا۔

دونوں نے آخری زوردار تھپڑ اپنے شکار کے منہ پر مارے اور میرے نزدیک آ گئے۔

"باہر آ جائیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں نے انہیں کمرے سے باہر نکلنے کے لئے کہا۔

دونوں میرا مطلب سمجھ گئے اور فوراً باہر نکل گئے۔

آگ پھیلنے لگی تھی.....

"میجر واڈیا..... جو تمہارے اختیار میں تھا تم نے کرلیا..... اگر یہاں سے زندہ نکل گئے تو اپنے آقاؤں کو بتا دینا کہ اس سے دس گنا زیادہ فوج کے ساتھ بھی تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ پاؤ گے..... تم مجھے مارنے چلے تھے میجر واڈیا..... میری زبان کاٹنے والے تھے۔ دیکھ لو قدرت نے تمہارے "کریا کرم" کا بندوبست بھی کردیا۔ چلو اچھا ہوا شمشان گھاٹ کا خرچہ بچ جائے گا..... جلنا تو تم نے تھا ہی....."

اتنا کہہ کر میں نے دوسرے گیس لیمپ پر فائر کیا تو وہ دھماکے کی طرح پھٹا، اس کے ساتھ ہی میں نے باہر نکل کر دروازے کو کنڈی لگا دی.....

اس کمرے میں شاید صرف دروازہ ہی لوہے کا بنا ہوا تھا..... یا پھر کنکریٹ کے پتھر جن کے درمیان سب کچھ لکڑی سے بنایا گیا تھا۔

جہنمیوں کو جلنے کے لئے چھوڑ کر میں دونوں مجاہدین کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ہم نے ایک سمت بھاگنا شروع کردیا۔

ہمارے تعاقب میں ان کے دیوانہ وار دروازہ بجانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ شاید وہ دروازہ توڑنے کی کوشش کررہے تھے۔ عموماً تفتیش کرنے والے پستول سے مسلح ہوتے تھے جبکہ مار کٹائی کرنے والا عملہ خالی ہاتھ ہی ہوا کرتا تھا۔ شاید میجر واڈیا کو اجل یہاں لے آئی تھی۔ اس نے اپنے نمبر بنانے کے چکر میں آج اکیلے ہی میرا منہ کھلوانے کے لئے یہ ڈرامہ رچایا تھا اور اپنی لگائی آگ کا ایندھن بن گیا تھا۔

باقی دونوں ساتھیوں کا تو مجھے علم نہیں لیکن میں یہاں کے محل وقوع سے قطعاً ناواقف تھا۔

دونوں ساتھیوں نے جس طرف بھاگنا شروع کیا میں بھی اسی طرف بھاگنے لگا۔ جن سیلوں میں ہمیں رکھا گیا تھا ان سے تفتیش کرنے والے ٹارچر سیلوں کا خاصا فاصلہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ابھی تک ادھر سے گارڈ اس طرف نہیں آئی تھی.....

اب اچانک وہاں کھلبلی مچ گئی۔ شاید انہوں نے آگ جلتے دیکھ لی تھی یا پھر فائر کی آوازوں نے انہیں چوکنا کردیا تھا۔

بات کچھ بھی رہی ہو، وہ ہوشیار ہوگئے تھے اور اب طرف بھاگ رہے تھے۔ میرا گمان یہی تھا کہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

انہوں نے یہاں سے کچھ فاصلے پر بھارتی فوجی کیمپ پر مجاہدین کے گرنے والے گولوں سے یہی اندازہ لگایا ہوگا کہ شاید مجاہدین کا چلایا ہوا کوئی میزائل یہاں گرا ہے اور ان کی یہ بھاگ دوڑ سوائے افراتفری کے اور کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ حفاظتی گارد کے بغیر پیرا ملٹری فورسز والے جوانوں اور بھارتی فوج کے درمیان کتنا کھچاؤ رہتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے کیا جذبات رکھتے ہیں۔

"آپ کو راستے کا کچھ اندازہ ہے....."

میں نے اچانک ہی اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا۔

ہم ٹارچر سیلوں کے مخالف سمت میں بھاگ رہے تھے اور اپنے سیلوں کی طرف نہیں گئے تھے۔ امید تھی کہ اس طرف سے باہر نکل جائیں گے۔

"نہیں....."

دونوں نے بیک زبان کہا۔

"برادر ہمارا تعلق حزب سے ہے....."

ان میں سے ایک ساتھی نے اپنا اور اپنے ساتھی کا تعارف کرواتے ہوئے کہا..... میں نے بھی اپنا تعارف کروادیا۔

"چونکہ ہم تینوں کو کچھ اندازہ نہیں..... مناسب یہی ہے کہ ہم دو سمتیں اختیار کرلیں۔ انشاء اللہ کوئی نہ کوئی ضرور باہر نکل جائے گا..... میں شاید زیادہ دیر آپ کا ساتھ نہ دے سکوں..... مجھ میں چلنے کی سکت نہیں....."

اس نے زمین پر قریباً گرتے ہوئے کہا۔

مجھے اندازہ تھا کہ اس مجاہد کی پسلی ٹوٹی ہوئی ہے اور یہاں تک اس کا ہمارے ساتھ آنا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔

"مغیرہ بھائی انشاء اللہ ہم تینوں اکٹھے باہر جائیں گے..... اور آپ کے پیچھے رہنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔"

میں نے انہیں شناخت کرلیا تھا۔

یہ حزب کے "ابو مغیرہ" تھے جنہیں دس بارہ روز پہلے بھارتی فوج نے گرفتار کیا تھا، ان کے کارناموں سے کون آگاہ نہیں تھا۔

"اگر آپ مجھے جانتے ہیں تو اسے اپنے ایک مجاہد بھائی کی درخواست جان کر میری بات پر عمل کیجئے..... کیونکہ میں آپ کو حکم نہیں دے سکتا....."

ابو مغیرہ نے دوبارہ نقاہت سے کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ اگلی بات کریں، میں نے انہیں اٹھایا اور اپنے کندھے پر ڈال لیا..... خدا جانے کہاں سے مجھ میں اتنی طاقت آ گئی تھی۔ یہ اللہ کی تائید تھی اور کوئی نادیدہ قوت مجھے بار بار احساس دلا رہی تھی کہ اب ہم انشاءاللہ ان موذیوں کے قابو نہیں آئیں گے۔

ابو مغیرہ اور ان کے ساتھی حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ ان کی زبان سے کوئی اور بات نکلے میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا پستول دوسرے مجاہد کو دے دیا۔ "حفیظ بھائی! آپ ہمارے آگے آگے چلیں گے..... میں کچھ فاصلہ رکھ کر چلتا ہوں....."

حفیظ بھائی نے پستول پکڑا اور آگے آگے چلنے لگے۔

❁❁❁

ہم جس سمت میں سفر کر رہے تھے وہاں دوسری سمت سے ٹارچ سیل میں بند وحشیوں کی مدد کو آنے والوں کی نظروں سے فی الوقت محفوظ تھے کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان ٹارچ سیلوں کا پورا بلاک حائل تھا اور اس طرف بڑی بڑی گھاس جسے شاید جان بوجھ کر ابھی تک نہیں کاٹا گیا تھا، ہمارے لئے واحد سہارا تھی۔ جس میں ہم اچانک روشنی ہونے کی صورت میں چھپ سکتے تھے۔

ہم نے اس گھاس میں اپنا سفر جاری رکھا۔

ہمارے عقب میں فائرنگ تیز ہونے لگی تھی۔ شاید مجاہدین کے چلائے میزائلوں کے جواب میں بوکھلائے ہوئے بھارتی فوجی اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔ میں ان کی اس بوکھلاہٹ کا بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کیونکہ ماضی میں ایسی کئی کارروائیاں انجام دے چکا تھا۔ اس طرف سرچ لائٹس نہیں تھیں اور بھارتی فوجی جو روشنی کے گولے فائر کر رہے تھے وہ بھی یہاں تک نہیں پہنچے تھے۔ کیونکہ یہاں سے ان کے کیمپ کا فاصلہ کم از کم ایک فرلانگ ضرور رہا ہوگا۔ یہ اندازہ میں نے فائرنگ کی آوازوں سے قائم کیا تھا۔

اچانک ہی ہمارے سروں پر روشنی کا ایک گولہ پھٹا اور اگر میں پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً وہاں گھاس میں نہ چھپ جاتا تو عین ممکن ہے ہم دکھائی دے جاتے..... اچانک زمین پر بیٹھنے سے مغیرہ بھائی کو چوٹ بھی لگی جس پر میں نے ان سے معذرت کی لیکن انہوں نے مجھے ایسا کہنے سے روک دیا۔

ہم تینوں وہاں گھاس میں تن بہ تقدیر چھپے بیٹھے تھے۔ صورتحال بگڑتی جا رہی تھی۔ مغیرہ بھائی نے ایک مرتبہ پھر مجھ سے درخواست کی کہ میں انہیں چھوڑ کر نکل جاؤں لیکن میری غیرت ایمانی کو یہ گوارہ نہیں تھا۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ دوبارہ ایسی بات نہ کہیں.....

ہمیں جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس طرف آنے والا روشنی کا راؤنڈ بھی افراتفری ہی میں چلایا گیا تھا

WAQAR@URDUFANS

کیونکہ اس سے ہونے والی روشنی نے جب سامنے کا منظر عیاں کیا تو وہاں سوائے چھوٹے سے میدان اور اس کے بعد خاردار تاروں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا.....

میں نے اب پھر تن بہ تقدیر اسی سمت چلنے کا قصد کیا اور حفیظ بھائی کو آگے چلنے کے لئے کہا.....

ایک مرتبہ پھر ہم عازم سفر تھے.....

ہمارے عقب میں کیا ہو رہا تھا، اس کا کسی کو علم نہیں تھا البتہ میرا اندازہ تھا کہ جلتے ہوئے کمرے تک پہنچنے کے بعد وہ لوگ آگ بجھانے میں کوشاں ہوں گے اور کسی کا اس طرف خیال بھی نہیں گیا ہوگا کہ ہم فرار ہو چکے ہیں۔ ابھی تک مجھے یہ پوچھنے کی مہلت نہیں ملی تھی کہ ان دونوں مجاہدوں کو وہ موذی کہاں سے لے کر آئے تھے.....

بہرحال ایک بات طے تھی کہ جیسے ہی انہیں سمجھ آئے گی ان کے ساتھ کیا ہو گیا ہے وہ سب کچھ چھوڑ کر ہمارے پیچھے لگ جائیں گے اور ہمیں جو گھڑیاں مہلت کی نصیب ہوئی تھیں، ان سے فائدہ اٹھا کر ہی ہم یہاں سے نکل سکتے تھے۔ ہمارے لئے فی الوقت سب سے اہم مسئلہ اس کیمپ کی حدود سے باہر نکلنا تھا جہاں مجاہدین موجود تھے۔ بصورت دیگر بھی ہم یہ بات جانتے تھے کہ اللہ کے فضل سے کبھی بھارتی فوجی رات کے اندھیرے میں اپنی محفوظ کمین گاہوں سے باہر نہیں نکلیں گے۔

❁❁

ابھی ہم بمشکل پندرہ بیس گز ہی چلنے پائے تھے کہ مجھے اپنی داہنی سمت سے قدموں کی آہٹ سنائی دی.....

فوراً ہم تینوں دفاعی پوزیشن میں آ گئے۔ میں نے مغیرہ بھائی کو زمین پر بٹھا دیا اور خود ان سے تھوڑی دور کہنیوں کے بل لیٹ گیا جبکہ حفیظ بھائی ہاتھ میں پستول پکڑے بالکل فائرنگ پوزیشن میں بیٹھ گئے۔

انہوں نے البتہ مجھے خصوصی اشارہ کر دیا تھا کہ اس جماعت کا امیر میں ہوں اور وہ میرے اشارے پر ہی کوئی کارروائی کریں گے۔ یہ یقیناً ان کا بڑا پن تھا۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ لوگ مجاہدین کے درمیان اختلافات کی غلط افواہیں پھیلاتے ہیں جبکہ میدان جہاد میں تمام مجاہد اپنی تنظیمی وابستگی سے بالاتر ہو کر ایک دوسرے کے لئے دشمن کے خلاف "بنیان مرصوص" بن جاتے ہیں۔

میں نے حفیظ بھائی کو اشارے سے سمجھا دیا تھا کہ ہمیں مقابلے سے گریز کرنا ہے کیونکہ ابھی تک ان لوگوں کو ہماری پوزیشن کا علم نہیں، اگر ہم نے گولی چلائی تو اس کا علم ہو جائے گا۔

ہماری طرف آنے والے قدموں کی آہٹ سے مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ آنے والا اکیلا ہے، یہی مغیرہ بھائی کی رائے تھی.....

اب ہم اس شش و پنج میں مبتلا تھے کہ یہ شخص جو کوئی بھی ہے اس طرف اکیلا کیوں آ رہا ہے؟ کیا وہ کوئی انعام حاصل کرنے کے چکر میں زیادہ بہادر بننے کی کوشش کر رہا تھا یا پھر کوئی اور بات تھی۔

اچانک ہی میرے ذہن میں ایک کوندا لپکا اور ایک مثبت سوچ غالب آنے لگی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ عین ممکن ہے یہ ہمارا وہی "ہمدرد" نہ ہو جس نے مجھے تنظیم کا پیغام پہنچایا تھا۔

میں نے سرگوشی میں یہ بات مغیرہ بھائی کو بھی بتائی جو قرآنی آیات کا ورد کر رہے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

ابو مغیرہ گزشتہ ماہ بھارتی کیمپ پر مجاہدانہ حملے کی قیادت کرتے ہوئے شہید ہو گئے ہیں۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے۔ میں نے ایسا جی دار اور غیرت مند مجاہد انہیں پایا جیسی مثالیں ہمیں صرف قرون وسطیٰ کے مسلمانوں میں دکھائی دیتی ہیں۔ بلاشبہ وہ حزب کے عظیم کمانڈر اور اللہ کے جانباز سپاہی تھے جنہیں قدرت نے بے پناہ روحانی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا، جس کا ادراک مجھے بعد میں ان کے ساتھ کیے گئے مشترکہ آپریشنز کے دوران ہوا۔

❁❁

میرا قائم کیا گیا اندازہ اللہ کی مشیت سے صحیح ثابت ہوا کیونکہ چند منٹ بعد مجھے ایک تیز سرگوشی سنائی دی۔ کسی نے مجھے نام لے کر مخاطب کیا تھا.....

میں فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ البتہ حفیظ بھائی کو اس پوزیشن میں رکھا کہ اگر خدانخواستہ یہ دشمن کی کوئی چال ہو تو ہماری شہادت سے پہلے ان کے دو تین حملہ آور ضرور مردار ہو جائیں۔

چند گز کے فاصلے پر موجود وہی "مجاہد گارڈ" میری طرف تیزی سے لپکا.....

"الحمدللہ..... آپ خیریت سے تو ہیں ناں.....؟"

اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

میں نے اس دوران حفیظ بھائی کو "سیف سگنل" دے دیا کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہ فوراً فائر کر دیتے۔

"میرے ساتھ دو ساتھی اور موجود ہیں....."

میں نے کہا۔

''مجھے علم ہے۔ مطمئن رہئے..... اللہ مہربانی کریں گے۔ میرے پیچھے آیئے.....''

اس نے کہا۔

ہم تینوں اس کے تعاقب میں چلنے لگے۔ مغیرہ بھائی بضد ہو کر میرے کندھے کا سہارا لے کر چل رہے تھے۔ انہوں نے مجھ پر مزید بوجھ ڈالنا گوارا نہیں کیا تھا۔

ابھی ہم چند قدم ہی چلے تھے کہ گارڈ نے شاید مغیرہ بھائی کی لنگڑاہٹ کا احساس کر لیا۔ اس مرتبہ اس نے مغیرہ بھائی کے ''ناں ناں'' کرنے کے باوجود انہیں اپنے کندھوں پر سوار کر لیا اور آگے آگے چلنے لگا۔

مجھے اس محسن کو دوبارہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا لیکن میرے دل میں اس کے لئے ہمیشہ دعائیں نکلتی ہیں۔ انشاء اللہ وہ جہاں بھی ہوں گے خیریت سے ہوں گے۔

تحریک آزادی کے یہ روشن مینارے عام مجاہد کی نظروں سے اوجھل ہیں کیونکہ ان تک صرف ہماری اعلیٰ کمان کو رسائی ہوتی ہے لیکن اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ لوگ جو عظیم کارنامے انجام دے رہے ہیں، وہ ہماری ملی تاریخ کا عظیم اثاثہ بن چکے ہیں.....

جانے کتنے ایسے مواقع آئے جب ہمارے اہم کمانڈروں کو ان مجاہدوں نے، جنہیں دیناوی زبان میں ہم ''ہمدرد یا مخبر'' بھی کہہ سکتے ہیں، فرار ہونے یا جان بچانے میں مدد دی اور اب بھی خاموشی سے اپنا حصہ جہاد میں ڈال رہے ہیں۔

❁❁

اس نے شاید کوئی محفوظ کوتاہ راستہ رکھا تھا جس کی طرف ہمیں لے کر جا رہا تھا.....

اگلے پندرہ منٹ بعد ہم گھاس کے اندر ہی اندر چلتے ایک خاص مقام پر جا پہنچے جہاں خاردار تار نہ ہونے کے برابر تھے۔

''آپ کو ان تاروں کے درمیان سے راستہ بنا کر نکلنا ہے اور مغرب کی سمت سفر کرنا ہے۔''

اس نے ہاتھ کے اشارے سے مغرب کی سمت اشارہ کیا۔ میں نے بے اختیار اس سے معانقہ کیا اور یہی عمل دونوں مجاہدوں نے دہرایا۔

''اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔''

ہمارے محسن نے کہا اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اندھیرے کی چادر میں غائب ہو گیا۔

مغیرہ بھائی نے بڑی ہمت کی سب سے پہلے ہم نے انہیں تاروں کے درمیان سے نکالا جس کے بعد حفیظ بھائی کے بضد ہونے پر میں باہر آیا اور آخر میں حفیظ بھائی..... ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ ہم تینوں ہی کی جسمانی حالت ناقابل بیان تھی لیکن اللہ نے جانے کہاں سے ہمت دے دی کہ میں نے دوبارہ مغیرہ بھائی کو کندھوں پر بٹھا لیا اور مغرب کی سمت چلنا شروع کیا۔

ہمارے عقب میں ہونے والی فائرنگ میں شدت آ رہی تھی۔ بوکھلاہٹ کے شکار بھارتی سورے اپنا گولہ بارود پھونکنے پر تلے ہوئے تھے۔ ماضی کی مثالیں ہمارے سامنے تھیں۔ جب بھارتی فوج کے کسی کیمپ پر ہم رات کے وقت حملہ کرتے تو وہ جواب میں اندھا دھند فائرنگ کر کے اپنا خوف دور کرنے کی کوشش کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کیا کرتے تھے۔

❁❁

ہمارے سامنے اب قدرے ناہموار راستہ شروع ہو گیا تھا۔

حفیظ بھائی بار بار تقاضا کر رہے تھے کہ میں مغیرہ بھائی کو ان کی طرف منتقل کر دوں لیکن مجھے علم تھا کہ جسمانی طور پر وہ قطعاً اس قابل نہیں ہیں۔ دونوں مجاہد بہت کمزور دکھائی دے رہے تھے اور نجانے کتنے عرصے سے ان وحشیوں کے ہتھے چڑھے ہوئے تھے۔

ابھی ہم بمشکل پچاس گز ہی چلنے پائے تھے جب مجھے اپنے تعاقب میں آنے والے قدموں کا احساس ہوا۔ اللہ سے دعا کی کہ یہ ہمارے مجاہد ساتھی ہوں۔

آج کی رات اللہ تعالیٰ نے یقیناً ہماری دعاؤں کی قبولیت کے لئے مخصوص کی تھی۔ کیونکہ اگلے ہی لمحے کسی نے میرا نام لے کر پکارا اور چند لمحوں بعد طاہر بھائی میرے سامنے کھڑے تھے۔ اس کے بعد باقی مجاہدین بھی نمایاں ہونے لگے۔

ہم دونوں بے اختیار آپس میں بغلگیر ہو گئے۔ طاہر بھائی نے دونوں مجاہدوں سے بھی اس گرم جوشی سے معانقہ کیا اور باری باری تمام مجاہد ہماری خیریت دریافت کرتے اللہ کا شکر ادا کرتے حمد و ثنا کرتے ایک دوسرے سے بغل گیر ہونے لگے۔

یہ کیسا جذباتی منظر تھا۔

دشمن کی پھیلائی موت کے شکنجے سے نکل کر ہمارا اس طرح اپنے ساتھیوں تک پہنچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔

میرے توجہ دلانے پر طاہر بھائی نے سب سے پہلے مغیرہ بھائی کے لئے وہیں درخت کی ٹہنیاں

WAQAR@URDUPOINT.COM

توڑ کر ہنگامی سٹریچر تیار کیا اور ہم اپنے قریبی ہائیڈ آؤٹ کی طرف چل دیئے۔

سب سے پہلے ہم نے حزب کی مقامی قیادت کو دونوں مجاہدین کی خیریت سے آگاہ کیا اور پھر اپنے زخموں کی فکر کرنے لگے۔

دوسرے روز دوپہر کے بعد ابومغیرہ اور حفیظ بھائی کے ساتھی انہیں لینے آ گئے۔ مجھ سے الگ ہوتے ہوئے ان دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کچھ یہی حال میرا بھی تھا۔

ابومغیرہ شہید ہو چکے ہیں جبکہ حفیظ بھائی الحمدللہ مصروف جہاد ہیں اور ہمارا رابطہ بھی رہتا ہے۔

آسیہ کو میرے بخیریت پہنچ جانے کی اطلاع مل گئی تھی۔ تین چار روز تک مختلف ہائیڈ آؤٹ تبدیل کرنے کے بعد میں بالآخر اس کے پاس پہنچ گیا۔ جہاں ڈاکٹر نے مجھے پندرہ روز تک بستر سے اٹھنے کی ممانعت کر دی تھی۔

یہ بات وہ بھی جانتا تھا کہ مجھ سے اس حکم پر عمل ممکن نہیں ہوگا۔

❁❁❁

مقبوضہ کشمیر میں آنے کے بعد میں بہت معروف ہو گیا۔ ''نظم'' کی طرف سے آسیہ کو اب محدود آپریشن دیئے جاتے تھے۔ انہوں نے تنظیم کے سیاسی شعبے کو سنبھالا اور سری نگر میں بھارتی جارحیت کے خلاف ایسی ایسی احتجاجی ریلیاں نکالیں کہ بھارتی حکومت سر پیٹ کر رہ گئی۔ گھر سے میرا رابطہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ قریباً چھ سات ماہ بعد میں ایک روز گھر پہنچا تو والد صاحب نے معمول کی باتیں کرنے کے بعد مجھے رات کو اپنے کمرے میں آنے کے لئے کہا۔ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور ہم دونوں باپ بیٹا والد صاحب کی خصوصی نشست گاہ، جسے ہم گول کمرہ کہا کرتے تھے، میں جا کر بیٹھ گئے۔

انہوں نے بغیر تمہید اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا ''بیٹا! تم نے تو ہمیں اس قابل نہ جانا کہ حقیقت حال سے باخبر کرتے لیکن ہمارا تمہارا رشتہ اللہ تعالیٰ نے ایسا بنا دیا ہے کہ بہت سی ایسی باتیں جو تم ہم سے چھپانا بھی چاہتے ہو، ہم پر القا ہو جاتی ہیں..... بیٹا! تم جس راستے پر نکلے ہو میں تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو استقامت نصیب فرمائے۔''

''میں سمجھا نہیں.....'' میں نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا کیونکہ میرا گمان یہ تھا کہ والد صاحب شاید مجھے تبلیغی سرگرمیوں پر مبارکباد دے رہے ہیں۔

''نہیں بیٹا! تمہیں تو بہت پہلے سمجھ آ گئی تھی۔ شاید ان دنوں جب تم کشمیر کے تفریحی ٹور پر گئے تھے لیکن ہمیں تمہاری اور اپنی مجاہدہ بیٹی کی سمجھ اس روز لگی جب بابو رام اپنے انجام کو پہنچا..... بیٹا میں نے زندگی میں کوئی ایسی نیکی تو نہیں کی جس پر فخر کر سکوں لیکن میرا دل کہتا ہے کہ شاید تمہاری ماں کی دعائیں رنگ لے آئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ہمارے بیٹے کو راہ شہادت کا مسافر بنایا بلکہ بہو بھی وہ عطا کی جو مجاہدہ ہے.....''

WAQAR@URDUFANS

والد صاحب کے اس جواب کے بعد کچھ کہنے سننے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ میں خاموش رہا۔ کیا جواب دیتا۔ پھر ان کی خواہش پر انہیں صرف اتنا کچھ بتایا جسے جاننا ان کے لئے اب ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ جو راستہ میں نے اپنایا ہے اس پر مجھے طمانیت تو پہلے ہی تھی لیکن والد صاحب کی رضا شامل ہونے کے بعد اب مجھے اس پر فخر بھی ہے.....

میں نے انہیں کہا کہ کسی بھی لمحے انشاء اللہ مجھے اللہ کے ہاں سرخروئی نصیب ہو سکتی ہے۔ لیکن میری بیوی بھی چونکہ مجاہدہ ہے اس لئے وہ بھی شاید میری طرح آپ کی خدمت نہ کر سکے کیونکہ ہم میں سے کسی کی بھی دیلی آمد اپنے لئے کم اور آپ کے لئے زیادہ مسائل پیدا کر سکتی ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ ہم نے اس پر صبر کیا ہے۔ اگر اللہ نے ہماری قسمت میں اپنی بہو کی دوبارہ زیارت کرنا لکھا ہے تو ضرور انشاء اللہ اس سے ملاقات ہو گی۔ انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ سری نگر آ کر آسیہ سے ملنا چاہتے ہیں لیکن میں نے ان کے تحفظ کے لئے اسے مناسب نہ جانا اور معذرت کر لی کیونکہ میں جانتا تھا خدانخواستہ سکیورٹی ایجنسیوں کو والد صاحب پر معمولی سا شک بھی ہو گیا تو میرے سارے خاندان کی زندگی جہنم بن کر رہ جائے گی۔

انہوں نے کہا کہ مناسب وقت پر وہ میری والدہ کو بھی اس راز سے آگاہ کر دیں گے۔ اور مجھے دعائیں دے کر آرام کرنے کی ہدایت کی۔

اپنے باپ کی عظمت کا یہ روپ میں نے کب دیکھا تھا۔ میرے نزدیک تو وہ ایک دیندار قسم کے تاجر ہی تھے لیکن اللہ نے ان کے سینے میں بھی ایک مجاہد کا دل رکھا ہے۔ اس کا علم مجھے اس روز ہوا۔ دل سے ان کی صحت و سلامتی کے لئے بے تحاشا دعائیں نکلیں.....

تین روز تک میں گھر رہا پھر رخت سفر باندھا۔ دم رخصت والد صاحب نے مجھے خطیر رقم سونپی اور فرمایا کہ اسے جہاد میں ہماری طرف سے معمولی سا حصہ سمجھنا اور کبھی ضرورت پڑنے پر ہچکچاہٹ نہ کرنا۔ میں نے مجاہدین کے لئے ان کا یہ نذرانہ قبول کر لیا اور والدین کی دعائیں لے کر رخصت ہوا۔

سری نگر پہنچ کر میں نے آسیہ کو سارے واقعہ سے آگاہ کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسے رہ رہ کر یہی غم کھائے جا رہا تھا کہ وہ میرے والدین کی بطور بہو خدمت نہیں کر سکتی لیکن میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ انہوں نے ہمیں اپنی خدمت سے آزاد کر کے مجبور مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے۔

دن مہینوں میں بدلنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیٹا عطا کر دیا۔ جس روز ہمارا بیٹا اسامہ پیدا ہوا،

میرے والد خواب میں آئے اور مجھے مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ میں اسے بھی اپنے راستے پر چلاؤں.....اور میرا تو عزم ہی یہی تھا.....

آسیہ کے مجبور کرنے پر میں نے خطرہ مول لیا۔ جب اسامہ تین ماہ کا تھا تو ہم اسے دیلی لے آئے۔ والدین اور بھائیوں کی حالت دیدنی تھی۔ ایک لمحے کے لئے وہ خود کو اسامہ سے الگ نہیں کرتے تھے۔ آٹھ دس روز کیسے گزرے، کچھ علم نہ ہو سکا۔

اب ہمیں رخصت ہونا تھا۔ رات کو میں نے والد صاحب سے عرض کی کہ آسیہ کی سرگرمیوں کی وجہ سے اب کشمیر میں وہ محفوظ نہیں رہی۔ ہر روز اس کی تلاش میں بھارتی فوج کسی نہ کسی علاقے میں کریک ڈاؤن کر کے کشمیریوں پر قہر ڈھا رہی ہے۔ تنظیم اور مقامی مجاہدین کی طرف سے ہمیں حکم ملا ہے کہ ہم جلد از جلد "بیس کیمپ" چلے جائیں.....

والد صاحب نے ٹھنڈی آہ بھری، ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بار بار اپنے پوتے کا بوسہ لیتے لیکن زبان سے کچھ نہ کہتے، بالآخر انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بیٹا ہم نے تو تجھے اللہ کی راہ میں وقف کر دیا ہے.....اب تو صرف ہمارا بیٹا نہیں، مجاہدین کا کمانڈر بھی ہے.....اپنی ذمہ داریوں میں اگر ہمارا حصہ ڈالے گا تو ہمارے لئے باعث سعادت ہو گا..... ہمیں تیری، بہو اور پوتے کی جدائی شاق تو گزرے گی لیکن جب تمہارے عزائم اور جہاد پر نظر جائے گی تو اللہ صبر بھی دے دیں گے۔ تم جو بھی فیصلہ کرو ہماری دعائیں شامل ہیں۔"

میرے والد صاحب بہت عظیم انسان تھے انہوں نے ابھی تک والدہ اور بھائیوں کو شاید ہمارے احوال نہیں بتائے تھے اور جدائی کا سارا دکھ اپنے دل میں جذب کئے بیٹھے تھے۔

ہم نے اگلے روز ان سے رخصت چاہی تو سارے گھر والے پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔ اسامہ کو خود سے الگ کرنے پر کوئی بھی تیار نہیں تھا.....چھوٹے بھائیوں نے ہماری فلمیں بنائیں، آسیہ نے سب کو گلے لگا کر پیار کیا۔ والدین نے دم رخصت بار بار ہمارے ماتھے چومے اور ایک مرتبہ پھر خطیر رقم ہمراہ کر دی۔

دیلی سے ہم سری نگر نہیں گئے بلکہ بھارت ہی کے ایک شہر میں موجود اپنے ٹھکانے پر حالات سے آگاہی لی تو ہمیں وہیں رکنے کا حکم ملا۔ تیسرے روز حاجی بابا ہمارے پاس تشریف لائے اور انہوں نے بتایا کہ بھارتی سکیورٹی ایجنسیاں پاگل کتے کی طرح مجھے اور آسیہ کو کھوج رہی ہیں اور سری نگر میں اب تک ہمارے سات اہم ساتھی شہادت پا چکے ہیں۔ ہمیں اپنی تنظیم کی طرف سے حکم ملا تھا کہ سری نگر آنے کی

MAQBOOLBOOKS

بجائے یہیں سے "بیس کیمپ" پہنچ جائیں جہاں اگلے احکامات اور ذمہ داریاں ہماری منتظر ہیں۔

حاجی بابا ہمارے سفر کے انتظامات کر کے آئے تھے۔ میں معذرت خواہ ہوں ان تفصیلات سے آپ کو آگاہ نہیں کر سکتا..... بہر حال اللہ نے کرم فرمائی کی اور ہم اپنے بچے کے ساتھ دس روز کے بعد "بیس کیمپ" پہنچ گئے۔

"بیس کیمپ" ہمارے خوابوں کی سرزمین ہے..... جانے آسیہ نے کب سے یہاں آنے کا خواب دیکھا تھا۔ اللہ نے ہمیں ایک بیٹا اور عطا کیا ہے۔ اب اسامہ پانچ برس کا ہو گیا ہے۔ آپ نے اسے دیکھا وہ ابھی سری نگر جانے کے لئے پر تول رہا ہے۔ آسیہ کو تنظیم کی طرف سے اس کے بعد سری نگر آنے کی اجازت نہیں ملی۔ وہ یہاں اپنے فرائض انجام دے رہی ہے جبکہ میں الحمدللہ جہاد میں مصروف ہوں۔ ہمارا ایمان ہے کشمیر ضرور اور جلد آزاد ہوگا۔

انشاء اللہ وہ دن ضرور آئے گا جب میں آسیہ اور اپنے بچوں کے ساتھ اپنے والدین کے پاس جاؤں گا جو آج بھی دیدہ و دل فرش راہ کئے ہمارے منتظر ہیں۔

❁❁❁

طارق اسمٰعیل ساگر

جون 2000ء، لاہور